اطاعتِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں دارین کی کامرانی اور نافرمانی و بے اعتنائی کا دنیا وآخرت میں خسران، صحابہؓ کرام وسلف صالحین کے اتباع سنت کے مؤثر واقعات کو دلنشین طریقہ پر جمع کر دیا گیا ہے۔

تصنیف

حضرت شیخ الحدیث مولانا یوسف متالا رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب : اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
مصنف : حضرت شیخ الحدیث مولانا یوسف متالا رحمۃ اللہ علیہ
صفحات : ۲۸۸
سن اشاعت : ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۱ء
ناشر : ازہرا کیڈمی، لندن، برطانیہ

ملنے کے پتے:

ہندوستان:

کتب خانہ یحیوی، متصل مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور، یوپی۔
جامعہ قاسمیہ دار العلوم زکریا، ٹرانسپورٹ نگر، مراد آباد، یوپی۔
جامعۃ الزہراء، ملا محلّہ، نانی نرولی، سورت، گجرات۔ ۳۹۴ ۱۱۰

برطانیہ:

Azhar Academy Ltd
54-68 Little Ilford Lane, Manor Park,
London E12 5QA | Tel: (+44) 208 911 9797
E: sales@azharacademy.com | W: www.azharacademy.com

Dr. Taqiuddin Nadwi
Hadeeth Profesor
Director Education Nadwatul Ulama, Lucknow
President: Jamia Islamia
President: Sheikh Abul Hasan Nadwi Center
For Research & Islamic Studies India.

الدكتور تقي الدين الندوي
أستاذ الحديث الشريف وعلومه
رئيس الشؤون التعليمية لندوة العلماء لكناؤ
رئيس الجامعة الإسلامية
رئيس مركز الشيخ أبي الحسن الندوي
للبحوث والدراسات الإسلامية (الهند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب کے مطالعہ سے پہلے

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین محمد وآله وصحبه أجمعین

ناچیز کو ایسی شخصیت کی کتاب پر کچھ یادیں وکچھ باتیں لکھنے کا موقع مل رہا ہے، ہمارے استاذ قطب الارشاد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ومدنی نوراللہ مرقدہ کے گلستاں کے دو اہم پھول تھے، جن میں ایک تو مولانا عبدالرحیم صاحب متالا نوراللہ مرقدہ دوسرے ان کے چھوٹے بھائی جناب مولانا محمد یوسف متالا رحمۃ اللہ علیہ جو اس کتاب کے مؤلف ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کی ذات گرامی میں اللہ تبارک وتعالی نے بہت سی خصوصیات وصفات کو جمع فرمایا تھا، وہ اپنے مشائخ اور شیوخ کی خصوصیات وروایات کے زندہ یادگار تھے، اخلاص وللّٰہیت، ایمان واحتساب، توکل وقناعت واعتماد علی اللہ بلکہ ایثار وقربانی، محنت ومطالعہ، کمالات علمی، مدارج باطنی اور علو ہمت ومجاہدہ میں ولی اللہی سلسلے کے اعلی نمونہ تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے دور میں ان کی خانقاہ بقول مولانا سعید احمد اکبرآبادی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ کررہی تھی، ہندوستان کے گوشے گوشے سے بلکہ عالم اسلامی وحرمین شریفین برطانیہ، امریکہ وکناڈا سے طالبان رشد وہدایت کشاں کشاں آپ کی خانقاہ میں آتے تھے اور فیضیاب ہوکر یہاں سے واپس جاتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار حضرت شیخ اور مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ہماری جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے ان دونوں کی ابتدا ہوتی ہے، کبھی کبھی فرماتے تھے کہ ان چچا بھتیجا (مولانا محمد الیاس صاحبؒ ومولانا محمد زکریاؒ) کی بات ہی الگ ہے، ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت گنگوہی کی نسبت حضرت شیخ الحدیث کی طرف منتقل ہوئی۔ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ حضرت شیخ کے ساتھ اپنے خرد وفرزند کا سا معاملہ فرماتے اس سے زیادہ ایک بزرگ وبلند مرتبہ شیخ کا معاملہ فرماتے اس کا کچھ اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو حضرت مولانا الیاس صاحب نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا ہے: ''دل خواہاں تھا کہ رمضان المبارک میں تمہارے قرب سے حلاوت اندوز ہوتا مگر تمہیں اپنی دلجمعی جس طرح مطلوب ہو اس کی پابندی مناسب ہے، بندہ کے لیے تمہاری ذات انشاء اللہ سرمایہ دارین ہے''۔

ان کا خمیر عشق ومحبت کے جوہر کے ساتھ گوندھا گیا تھا، شاید ان کے خمیر کے تمام اجزاء وعناصر سے زیادہ مقدار میں تھا، ان کا حال وہ تھا جو سودا نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے۔

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا ۔۔۔ کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

الإمارات: متحرك: ٠٠٩٧١٥٠-٦٦٣٣٧٧٤ ، فاكس: ٧٥٥٢٩٢٣-٩٧١٣+ ، ص ب: ٨٠٥١٠، العين- الإمارات العربية المتحدة
الهند: متحرك: ٩٤٥٣٣٩٧٧٧٧-٩١+، مظفرفور أعظم جراه، الهند
UAE: Mob: +97150-6633664, Fax:+9713- 7552920, P.O.Box: 80510, Al Ain, United Emirates .
India: Mob: +91 – 9453397777, Muzaffar Pur, Azamgrah, U.P. Pin: 276302, India. E-mail: drnadwi@gmail.com

Dr. Taqiuddin Nadwi
Hadeeth Profesor
Director Education Nadwatul Ulama, Lucknow
President: Jamia Islamia
President: Sheikh Abul Hasan Nadwi Center
For Research & Islamic Studies India.

الدكتور تقي الدين الندوي
أستاذ الحديث الشريف وعلومه
رئيس الشؤون التعليمية لندوة العلماء لكناؤ
رئيس الجامعة الإسلامية
رئيس مركز الشيخ أبي الحسن الندوي
للبحوث والدراسات الإسلامية (الهند)

محبت کے اس جوہر کا اندازہ اس وقت ہوتا جس وقت حضرت درس حدیث دیتے یا ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور واصلانِ بارگاہ الٰہی کا تذکرہ ان کی مجلس میں ہوتا، حضرت پر بے اختیار گریہ طاری ہوتا، سامعین پر آہ وبکا کا عالم ہوتا ؂

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق　　　سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

الٰہی دردوغم کی سرز میں کا حال کیا ہوتا　　　محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

یہ داستان عشق ومحبت اس کا ذکر اس ناچیز نے ضروری سمجھا اس لیے کہ اس کتاب کے مؤلف حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلیفہ ہیں ان کے حضرت سے تعلق کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے اسی طرح ان کے بڑے بھائی مولانا عبدالرحیم متالا مرحوم جن پر بھی حضرت کی خاص توجہ ونظر تھی یہ دونوں بھائی حضرت شیخ کے مزاج شناس اور ان کی تمناؤں کو اپنے میں جذب کر کے پورا کر رہے تھے۔ حضرت شیخ اپنے ایک خط میں مولانا موصوف کو تحریر فرماتے ہیں: ''میری خدمت شریف میں تشریف آوری کا جذبہ بالکل پیدا نہ کرو، مکرم قاریؒ صاحب آگے بڑھنے کی کوشش کرو، حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کو حضرت قطب عالم شیخ المشائخ حاجی صاحب نے ایک ہفتہ کے بعد فرمادیا تھا: ہمیں جو دینا تھا دے چکے، اب اس کو آگے بڑھانا تمہارا کام ہے، اللہ تعالیٰ بہت ہی ترقیات سے نوازے اور اس دارالکفر میں تمہاری مساعی جمیلہ کو مثمر ثمرات بنائے، شیخ نے لکھا ہے: تم سے مجھے بہت امیدیں ہیں''۔

اس لیے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ مولانا محمد یوسف صاحب متالا کی زندگی کے سارے مراحل کی نگرانی فرماتے تھے اور وہ ہر مرحلے میں حضرت شیخ سے مشورہ لیتے، حضرت کے مشورہ ومرضی کے مطابق کام کرتے تھے، جس کا نتیجہ ہمیں بولٹن کا یہ مدرسہ اس کا کارنامہ اور اس کی ترقیات بھی ہے جس کا فیض عالمی بن گیا، برطانیہ ہی نہیں بلکہ کناڈا وامریکہ وغیرہ ممالک کے لیے باعث خیر وبرکت ہے، اس مدرسہ کے فضلاء نے ان ملکوں میں جا کر مدارس قائم کئے، خانقاہیں آباد کیں اور دعوت وارشاد کے سلسلے کو ان لوگوں نے قائم رکھا اور جناب مولانا محمد یوسف متالا صاحب کی ذات گرامی سے اصلاحی تعلق قائم کر رکھا۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے الابواب والتراجم کے مقدمہ میں تحریر فرمایا کہ میں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نوراللہ مرقدہ کو خواب میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں جب میں حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بخاری وترمذی پڑھ رہا تھا زیارت کی، حضرت شیخ الہند فرمارہے ہیں کہ مجھ سے بخاری پڑھ لو، مجھ کو تعجب ہوا کہ حضرت اس وقت مالٹا جیل میں ہیں، برطانوی استعمار نے ان کو قید کر رکھا ہے، یہ پڑھنا کیسے ممکن ہے، اس کی تعبیر کیا ہوسکتی ہے تو حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کی تاویل یہ ہے کہ تم مجھ سے بخاری شریف دوبارہ پڑھو۔

لیکن جب مجھ کو الابواب والتراجم شائع کرنے کا خیال ہوا تو میں نے حضرت شیخ الہند کے تراجم کو سنا، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خواب کا مطلب یہ ہے کہ یہ ناچیز حضرت کے تراجم کی نشرواشاعت کرے گا، حضرت فرماتے ہیں کہ میرے ایک مخلص ترین عزیزی مولوی یوسف متالا نے عرض کیا کہ حضرت جس زمانے میں آپ نے یہ خواب دیکھا تھا اسی زمانے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا کی جیل میں یہ تراجم تحریر فرمارہے تھے، مولانا یوسف متالا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے حضرت کو بیحد مسرت ہوئی اور اس کو مقدمہ کتاب میں تحریر فرمایا ہے، اس طرح مولانا یوسف صاحب کو حضرت شیخ

الإمارات: متحرك: ٦٦٣٣٦٦٤-٩٧١٥٠+ ، فاكس: ٧٥٥٢٩٢٠- ٩٧١٣+ ، ص ب: ٨٠٥١٠، العين- الإمارات العربية المتحدة
الهند: متحرك: ٩٤٥٣٣٩٧٧٧٧- ٩١+ ، مظفرفور أعظم جراه، الهند
UAE: Mob: +97150-6633664, Fax:+9713- 7552920, P.O.Box: 80510, Al Ain, United Emirates .
India: Mob: +91 – 9453397777, Muzaffar Pur, Azamgrah, U.P. Pin: 276302, India. E-mail: drnadwi@gmail.com

Dr. Taqiuddin Nadwi
Hadeeth Profesor
Director Education Nadwatul Ulama, Lucknow
President: Jamia Islamia
President: Sheikh Abul Hasan Nadwi Center
For Research & Islamic Studies India.

الدكتور تقي الدين الندوي
أستاذ الحديث الشريف وعلومه
رئيس الشؤون التعليمية لندوة العلماء لكناؤ
رئيس الجامعة الإسلامية
رئيس مركز الشيخ أبي الحسن الندوي
للبحوث والدراسات الإسلامية (الهند)

کی ذات گرامی سے جو مناسبت اور ان سے محبت تھی اس کے لکھنے کے لیے اگر ان کی کتاب محبت نامہ سے ان اقوال کو چن لیا جائے تو مستقل ایک کتاب بن سکتی ہے۔

ع محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی

ایک مرتبہ ایک وفد مولانا محمد یوسف متالا کی طرف سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت شیخ نے اس کے بارے میں تحریر فرمایا: ان کا جتنا احترام کرسکتا تھا کسر نہیں چھوڑی، مگر یوسف پیارے۔

وہ مجھے چاہے نہ چاہے میں اسے چاہا کروں ہے یہی شرط وفاداری کی بے چوں وچرا

مجھے تمہارے دارالعلوم نے ایسا پاگل بنا رکھا ہے کہ ہر وقت اسی کا خیال وسوچ بچار رہتا ہے اور تم تو ماشاء اللہ!

متى ما تلقى من تهوى دع الدنيا وأمهلها

کے مرتبے پر فائز ہو اور تمہارے خدام تم سے بیس گز آگے، یہ تو پیارے جو اپنے بڑوں کے ساتھ جیسا کرے چھوٹے اس کے ساتھ ویسا ہی کرتے ہیں۔

مولانا محترم کے قلب میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ موجزن تھا، جو ان کی کتاب" اطاعت رسولؐ میں جھلک رہا ہے، جیسا کہ اس ناچیز نے مقدمہ کتاب میں تحریر کیا ہے، یہ کتاب مولانا محترم نے نوجوانی میں تالیف کی، اس کتاب کی اشاعت وتقدیم ونظر ثانی پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اس ناچیز کو مکلّف کیا تھا اور اس کی نشر واشاعت کے لیے جتنی دعائیں دیں وہ ہماری دیکھی اور سنی ہوئی ہے، اس کتاب کو اللہ نے مقبول بنا دیا ہے بلکہ ان کے سارے کاموں کو اللہ نے شرف قبولیت عطا فرمایا۔

افسوس کہ آج وہ اس عالم فانی سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن انہوں نے اپنے بعد اپنے خلفاء، تلامذہ ومتعلقین کی بڑی تعداد چھوڑی ہے، خصوصا ان کے داماد مولانا جنید اور صاحبزادگان مولوی محمد اور ان کے بھائی انشاء اللہ ان کے علمی وروحانی سلسلے کو جاری وساری رکھیں گے اور اس پر قائم ودائم رہیں گے، انشاء اللہ اس کو اور آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے جس کے آثار موجود ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی ان عزیزوں کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے محبوب خلیفہ کے گلستاں کے پھول مولانا محمد یوسف متالا کا سچا جانشین بنائے۔

اس وقت لکھنے کا تو جی بہت چاہتا ہے لیکن یہاں اس کا موقع نہیں، کسی دوسرے موقع پر انشاء اللہ تفصیل بیان کی جائے گی، اللہ تعالی مولانا محترم کی اس تصنیف اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں کو مقبول فرما کر اس کے فیض کو عام کرے، **وما ذلک علی اللہ بعزیز**

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

أ۔ د۔ تقی الدین ندوی
معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
مقیم مدینۃ العین ابوظبی

الإمارات: متحرك: ٩٧١٥٠٦٦٣٣٧٧٤+ ، فاكس: ٧٥٥٢٩٣- ٩٧١٣+، ص ب: ٨٠٥١٠، العين- الإمارات العربية المتحدة
الهند: متحرك: ٩٤٥٣٣٩٧٧٧٧ -٩١+، مظفرفور أعظم جراه، الهند
UAE: Mob: +97150-6633664, Fax:+9713- 7552920, P.O.Box: 80510, Al Ain, United Emirates .
India: Mob: +91 – 9453397777, Muzaffar Pur, Azamgrah, U.P. Pin: 276302, India. E-mail: drnadwi@gmail.com

اطاعتِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم
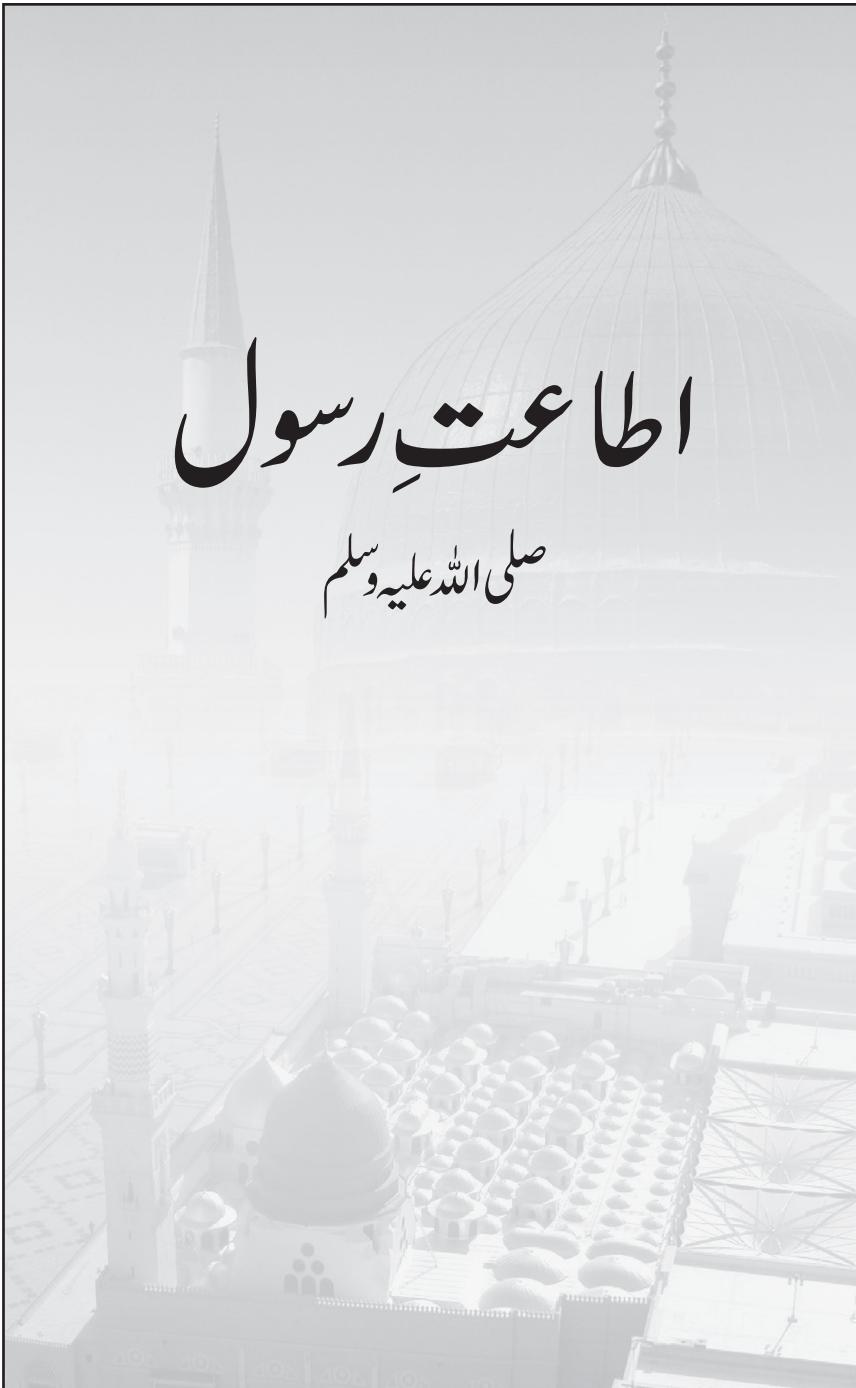
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

نَعْصِي الرَّسُولَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ
هٰذَا لَعَمْرِي فِي الْفَعَالِ بَدِيعٌ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ

(ترجمہ)

"تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہو درآں حالیکہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اظہار کرتے ہو۔ بخدایہ نہایت ہی عجیب بات ہے۔ اگر تمہاری محبت میں صداقت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرور پیروی کرتے کیونکہ محبّ ہمیشہ اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔"

فہرستِ مضامین اطاعتِ رسول ﷺ

گیارہواں باب

بارہواں باب

قطب الأقطاب حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی اور اتباعِ سنت

عرضِ ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ و نُصلّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الکریم

اطاعتِ رسول ﷺ آج سے کچھ چالیس برس قبل حضرت قطب الأقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی نگرانی اور سرپرستی میں شائع ہوئی تھی۔

حضرت مصنف مدظلہ نے ایک خواب کی بنا پر اطاعتِ رسولِ اکرم ﷺ کی فرضیت اور ضرورت پر مختلف پیرایوں سے رہنمائی کے لئے اور اپنے شیخ نوراللہ مرقدہٗ کے فرمان کہ **''میری یہی وصیت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہؓ کی معاشرت کے پھیلانے میں جتنی کوشش تم سے ہوسکے، دریغ نہ کرو۔''** (محبت نامے: ج۲، مکتوب ۴۰) کو پورا کرتے ہوئے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔

اس کتاب کی مقبولیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خصوصی توجہ اس کتاب کی تکمیل، اس کی طباعت اور نشر واشاعت کے لئے رہی۔ اور اس کی قبولیت کے لئے حضرتؒ نے خصوصی دعائیں بھی فرمائی ہیں۔

حضرتؒ کے اہتمام کا کچھ اندازہ حضرتؒ کے ان مکتوبات سے ہوسکتا ہے جو حضرتؒ نے حضرت مصنف مدظلہ کے نام لکھوائے تھے۔

ذیل میں ناظرین کے لئے حضرتؒ کے مکتوبات کے کچھ اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔ یہ تمام اقتباسات ''محبت نامے'' (جو حضرت شیخ کے مکتوبات بنام حضرت اقدس مولانا عبدالرحیم صاحب متالا

اور حضرت اقدس مولانا یوسف صاحب متالامد فیوضہما کا مطبوعہ مجموعہ ہے) سے ماخوذ ہیں۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت نہایت عجلت میں یہ خط دو مصلحت سے لکھواتا ہوں... دوسری اہم بات یہ ہے کہ تمہارا مسودہ... اس میں کتابت کی غلطیاں ہیں... عزیزم مولوی عبدالرحیم سے بھی نہیں پڑھا گیا۔میں ہی پڑا پڑا نابینا لقمے دیتا رہا ... کہیں کہیں میں نے حاشیہ پر تحقیق کرو کا لفظ بھی لکھوادیا۔تمہارے زور اور عزیز عبدالرحیم کی محنت سے امید تو ہے کہ عزیز عبدالرحیم کی روانگی سے پہلے پورا ہو جائیگا، ان شاء اللہ،ثم ان شاء اللہ۔پیش لفظ کے لئے... میرے نزدیک اس کام کے لئے مولوی تقی بہت مناسب ہیں... میں نے عبدالرحیم سے کہہ دیا کہ وہ میری طرف سے مولوی تقی کو بھی پیام کہہ دے۔نہایت عجلت میں یہ مختصر خط اس واسطے لکھ دیا کہ عزیز عبدالرحیم کی روانگی سے پہلے تمہیں مل جائے۔''(ج۲، مکتوب۴۲)

''میں نے کئی بار لکھا کہ عبدالرحیم کے بعد اس کو سننے کی کوئی صورت نہیں اور پختہ ارادہ بھی تھا کہ سننے کا ارادہ بھی نہ کروں گا،مگر تمہارے بارے میں میرا پختہ ارادہ بھی کبھی پورا نہیں ہوتا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔'' (ج۱، مکتوب۲۳۰)

''تمہاری رجسٹری کاپی کے متعلق میں پہلے خط میں لکھ چکا ہوں کہ انتہائی مشغولی کے باوجود بہت سا حرج کر کے اس کو حرف بحرف سنا۔'' (ج۲، مکتوب۴۴)

''میں پہلے بھی لکھ چکا تھا کہ تمہاری سابقہ تحریر آنے کے بعد سارے ضروری کام ڈاک اور نوم دونوں کو خیر باد کہہ کر میں نے اس کو بہت ذوق وشوق سے سنا۔'' (ج۲، مکتوب۴۶)

''تمہارے بارے میں مجھے اپنے سارے ہی عزائم ہمیشہ توڑنے پڑے... میرا ارادہ اس کے سننے کا نہیں تھا مگر تمہارے بارے میں کون سے ارادہ پر میں عمل کر سکا۔''(ج۲، مکتوب۴۹)

''تم نے شبِ معراج میں اپنی کتاب کو ختم کیا، بہت اچھا کیا۔اللہ مبارک کرے۔تمہارے

لئے تو دعاؤں سے کسی بھی وقت دریغ نہ ہوا، نہ ہے۔ اللہ تعالی تمہاری مکارہ سے حفاظت فرما کر دارین کی ترقیات عطا فرمائے۔'' (ج۲، مکتوب۵۳)

''مولوی تقی الدین صاحب بھی آ گئے اور میں نے آتے ہی یوسف کی تالیف کی آخری قسط بھی ان کے حوالہ کر دی۔'' (ج۲، مکتوب۵۷)

''میں نے مولانا تقی صاحب کی خدمت میں بار بار درخواست کی کہ وہ تمہاری کتاب کے سلسلہ میں علی الحساب کچھ لے لیں... وہ ابتدائی کام کے لئے لے لیں، میرا حساب تو چلتا ہی رہیگا... ان شاء اللہ جلد ہی کتابت شروع ہو جائے گی۔'' (ج۲، مکتوب۶۸)

''مولوی تقی صاحب تمہاری کتاب کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ آج وہ اپنا اور میرا حرج کر کے صبح دیوبند گئے ہیں۔ ایک کاتب کو تمہاری کتاب کے مسودہ کا ایک حصہ دے آئے ہیں۔ اللہ کرے کہ جلد از جلد باحسن وجوہ اس کی طباعت ہو جاوے۔'' (ج۲، مکتوب۶۹)

''عزیز مولوی ازہر شاہ قیصر ابن حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خط آیا تھا کہ کتابت ہو رہی ہے اور میں اس کی نگرانی بھی کر رہا ہوں۔ میں نے تقاضا بھی کر دیا تھا کہ جتنی کتابت ہوتی رہے، مفتی محمود صاحب کے ہاتھ کہ وہ جمعرات کو آتے ہیں بھیجتے رہیں تاکہ یہاں تصحیح وغیرہ ہو کر جاتی رہے۔ میرا تو خیال ہے کہ دیوبند میں اس کی طباعت بھی شروع کرا دی جائے...'' (ج۲، مکتوب۷۲)

''میں نے پہلے خط میں لکھ دیا تھا کہ تمہاری کتاب کے ۴۰ صفحے کی کتابت ہو گئی اور ان کی کاپیوں کا مقابلہ کر کے وہ [مولانا تقی صاحب] پرسوں لکھنؤ روانہ ہو گئے... میں نے تقاضا کر دیا کہ ان کی واپسی تک تمہاری اس کتاب کی کتابت پوری ہو جاوے۔ میں نے پہلے بھی خط میں یہ بھی لکھوا دیا تھا کہ دو ورقہ اصلاحات کا پرچہ بھی پہنچ چکا تھا۔ اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے تمہاری کتاب کو بہت نافع فرماوے۔'' (ج۲، مکتوب۷۶)

''جدید تالیف کی طباعت کا واقعی مجھے بہت اہتمام ہے۔ مولوی تقی صاحب سے میں نے بار بار یہ بھی کہا کہ اس کے لئے جو رقم چاہئے وہ مجھ سے لے لو... تمہاری کتاب کے کاتب کا وعدہ یہ ہے کہ ان کی واپسی تک کتاب پوری کر دوں گا۔ اگر اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تو امید ہے کہ شروع محرم میں طباعت ہو جائے گی۔ لیکن میرے ذہن میں اس کے بھیجنے کی کوئی صورت اب تک سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔'' (ج ۲، مکتوب ۷۸)

''تمہاری کتاب کے گجراتی ترجمہ کے متعلق بہت زور سے تائید کرتا ہوں۔ ضرور ترجمہ کرا لیں بشرطیکہ ترجمہ کرنے والا گجراتی پر حاوی ہو۔'' (ج ۲، مکتوب ۸۳)

''وہ [مولانا تقی الدین صاحب] لکھنؤ میں اس کی طباعت کا انتظام بھی کر کے آئے تھے۔ مگر یہاں آ کر ان کی رائے پھر بدل گئی۔ اب وہ دیو بند ہی میں طباعت کا ارادہ کر رہے ہیں۔ میں نے بھی اس کو مناسب سمجھا کہ یہاں ہر ہفتہ مفتی محمود صاحب آتے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے تقاضا میں اور پروف لگانے میں سہولت رہے گی۔'' (ج ۲، مکتوب ۸۷)

''تمہاری کتاب کی کتابت تقریباً ڈیڑھ سو صفحے ہو چکی ہے اور ایک سو بارہ صفحے کی غلطیاں وغیرہ مکمل ہو گئیں۔ میں نے مولوی تقی پر تقاضا کیا تھا کہ اس کی طباعت کیوں نہیں شروع ہوئی؟ جب کہ میں شروع ہی میں یہ کہہ چکا تھا کہ کاغذ کے دام مجھ سے لے لیں۔ حساب بعد میں ہوتا رہے گا۔ تمہاری کتاب کی دو ثلث کے قریب کتابت ہو چکی ہے۔ طباعت میں تو ان شاء اللہ دیر نہیں لگے گی۔ پہلے تو میں نے دو ہزار کو کہا تھا لیکن اگر پلیٹیں محفوظ رہیں تب تو ایک ہزار بھی بہت ہیں کہ پلیٹیں محفوظ رہنے کی صورت میں جب چاہے جتنی چاہے طبع ہو سکتی ہیں۔ داموں میں کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ بہت معمولی، بلکہ شاید معمولی بھی نہ ہو۔'' (ج ۲، مکتوب ۹۱)

''عزیز یوسف کی کتاب کے متعلق میں بہت ہی کوشش کر رہا ہوں کہ وسط مئی تک کسی طرح تیار ہو جاوے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کم سے کم وسط مئی تک اگر وہ تیار ہو جائے تو کچھ نسخے

ہوائی جہاز والوں کے ساتھ بھیج دوں اس لئے کہ ڈاک بھیجنا تو بڑی مشکل ہے۔ مولوی تقی کو اللہ جزائے خیر دے وہ کوشش تو بہت کر رہے ہیں اور ان کو امید بھی ہے کہ اخیر اپریل تک ہو جائے گی۔ دو ثلث کتابت ہو چکی ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ طباعت بھی ابھی سے شروع کر دیں تا کہ کتابت کے بعد پھر دیر نہ لگے۔" (ج ۲، مکتوب ۹۲)

"تمہاری کتاب بہت شدت سے طبع کرانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پہلے تو اندازہ یہ تھا کہ وسط اپریل تک ہو جائے گی۔ اب مولوی تقی صاحب فرما رہے ہیں کہ وسط تک تو ہونا مشکل ہے۔ آخر اپریل تک ضرور تیار ہو جائے گی۔ اس کے متعلق ضرور دل چاہتا ہے کہ جانے والوں کے ہاتھ دو دو چار چار نسخے روانہ ہو جائیں۔" (ج ۲، مکتوب ۹۹)

"تم نے تو ماشاء اللہ اتباعِ سنت پر وہ زور باندھے کہ ساری دنیا کو اتباعِ سنت پر کھینچنے کا زور باندھ رہے ہو۔" (ج ۲، مکتوب ۱۰۰)

"قاری یوسف متالا کی کتاب مکمل ہو کر طبع ہو گئی۔ ۲۶۴ صفحوں پر کتاب پوری ہوئی ہے۔ پرسوں اس کے صرف دو نسخے یہاں طبع ہو کر آئے تھے۔ بقیہ آج کل میں پہنچ جائیں گے۔ پوری کتاب تو دیوبند میں طبع ہوئی ہے مگر اس کا مزین، مشکّل ٹائٹل لکھنؤ میں طبع ہو رہا ہے۔ وہ ابھی تک یہاں نہیں پہنچا۔ میں نے تو بہت چاہا کہ وہ اپریل میں پوری ہو جائے... مگر مقدر کہ تیار نہیں ہو سکی۔ میں نے پرسوں مولوی تقی صاحب سے بہت تقاضا کر دیا کہ وہ تمہاری کتاب کا ٹائٹل اپنے ساتھ لانے کا ارادہ نہ کریں بلکہ تیار ہونے پر فوراً سہارنپور بھجوا دیں تا کہ اس کو مکمل کروا کر دستی یا بلٹی سے ایک ہزار نسخے بمبئی بھیج دوں کہ بمبئی میں جلدیں سہارنپور سے اچھی بندھتی ہیں۔" (ج ۲، مکتوب ۱۰۲)

"تمہاری کتاب اطاعتِ رسول ﷺ مکمل طبع ہو گئی اور میرے کہنے پر ایک نسخہ مجلد تقریباً دو ہفتے ہوئے وہ لکھنؤ سے تمہارے نام بذریعہ طیارہ بھیج چکے ہیں۔ امید ہے کہ پہنچ گئی ہو گی۔ یہ کتاب دیوبند میں چھپی ہے لیکن ٹائٹل لکھنؤ میں۔" (ج ۲، مکتوب ۱۰۵)

''اس کے نسخوں کے متعلق میری رائے تو یہ ہے کہ تمہارے پاس زیادہ سے زیادہ مقدار میں ہونے چاہئیں۔ اس لئے کہ جن لوگوں کی اصلاح کے لئے تم نے یہ رسالہ لکھا ہے وہ تو تمہاری سابقہ تحریروں کے موافق لندن ہی میں زیادہ ہیں۔'' (ج۲، مکتوب ۱۱۱)

یہ چند اقتباسات نمونہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں جن سے ناظرین بھی اس عظیم الشان کتاب کے مرتبہ اور مقبولیت کا اندازہ کر سکتے ہیں جو اس کتاب سے کماحقہٗ استفادہ میں ان شاء اللہ معین ہوگا۔

نیز تاریخی طور پر بھی اس کتاب کے خصائص میں سے یہ ہے کہ یہ ہمارے حضرت مدظلہ کی پہلی تالیفی خدمت ہے، بلکہ دیارِ غرب میں یہ اولین کتاب ہے جو ہمارے اکابر کے قلم سے نکلی ہو۔ چونکہ کتاب مغربی ممالک کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی تھی اس لئے حضرت شیخؒ کی خواہش بلکہ تقاضا تھا کہ اس کی اشاعت بھی یہیں سے ہو۔ چنانچہ ایک مکتوب میں حضرتؒ نے تحریر فرمایا تھا: **''میں نے اطاعتِ رسول ﷺ کے متعلق کئی مرتبہ لکھا کہ جب یہ وہاں کے لوگوں کے لئے لکھا گیا تھا تو وہاں اشاعت کی کوئی صورت پیدا کرو، چاہے قیمتاً چاہے مفت۔''** (ج۲، مکتوب ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ حضرتؒ کی تمنّا کے مطابق چالیس سال بعد ہمارے حضرت مدظلہ کے ہی ادارہ، از ہر اکیڈمی لندن، سے اس کتاب کی طباعتِ ثانیہ ہونے جارہی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر ہمیں اور تمام امت محمدیہ کو حضور اقدس ﷺ کی عاشقانہ اور والہانہ عقیدت ومحبت اور آپ ﷺ کا کامل اتباعِ حقیقی عطا فرمائے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے حضرت مدظلہ کی عمر میں بھی بصحت و عافیت بے انتہا برکت عطا فرمائے اور ہمیں حضرت اقدس مدظلہ کی قدردانی کی اور حضرت اقدس مدظلہ کے فیوض سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین۔

وَ صَلِّ اللّٰهُمَّ وَ سَلِّمْ عَلٰى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ

افتتاحیہ

ازحضرت اقدس مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم العالیہ

(خلف الرشید و جانشینِ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

جناب مولانا یوسف صاحب متالا زیدت عنایتکم، مہتمم مدرسۃ العربیۃ الاسلامیۃ، ہولکمب، بری، مجاز حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کی اطاعت رسول ﷺ کا بار بار طبع کرانے کا ارادہ کیا چونکہ بندہ اس سے پہلے سے واقف تھا۔لیکن ہر چیز کا وقت متعین ہے۔

اسی وقت معلوم ہوا آپ اس کو اردو وغیرہ میں دوبارہ طبع کرانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔اللہ تعالی مبارک فرماویں۔امت کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرماویں۔
مدارس میں اگر اللہ کرے اسکا سنانے کا کوئی نظم ہو جائے تو اجتماعی طور سے طلبہ کو فائدہ ہو۔

بندہ مدارس کے ذمہ داران سے درخواست کرتا ہے کہ اگر عمومی طلبہ کو سنانے کا کوئی نظم کر لیں، تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ طلبہ عام طور سے فائدہ اٹھائینگے۔اور جو شوقین طلبہ مزید مطالعہ انفرادی کریں گے، انہیں ان شاء اللہ مزید فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس میں جو طباعت کے سلسلے میں خدمت کریں، انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ نبی کریم ﷺ کی محبت پیدا ہو کر ان کے لئے مزید ترقیات کا ذریعہ بنے۔

فقط والسلام،

محمد طلحہ کاندھلوی

۱۳ شعبان ۱۴۲۹ھ

تقریظ

از حضرت مولانا عبدالرحیم متالا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(خلیفۂ اجل ومجاز حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ایک کلمہ گو کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کا مطیع وفرمانبردار ہو۔ اور اس تعریف کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ وہ اپنے پیارے نبی ﷺ کا بھی سچا متبع ہو، یعنی عاملِ سنت ہو۔ ایک مسلمان اور مؤمن اپنے خالق اور اپنے حبیب ﷺ کے فرامین وارشادات کے درمیان ہوتا ہے۔ ویسے کہنے کے لئے دو الگ جزء ہیں لیکن قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ جل شانہٗ کی محبت کا دعوی ہے تو اس کی دلیل حضور اقدس ﷺ کے اتباع سے ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقی مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب ﷺ کے ارشادات کے سامنے جھک جانے والا ہوتا ہے، اپنی گردن خم کرنے والا ہوتا ہے، اطاعت وتسلیم کو شعار بنانے والا ہوتا ہے اور اپنی مرضی اور چاہت کو آقا ﷺ کے فرمودات میں فنا کر دینے والا ہوتا ہے۔

ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اور کامیابی کا طریق بھی یہی ہے۔ چنانچہ ارشادِ گرامی ہے: ’’لَا يُؤمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبِعاً لِّمَا جِئْتُ بِهِ‘‘ (الحدیث)۔ مؤمنِ کامل درحقیقت وہی ہے جو اپنی

مرضی اور خواہش کو آقا ﷺ کی مرضی اور منشأ کے تابع کر لے۔ اپنی عبادت، معاملات، معاشرت کے لئے نبی ﷺ کی ہدایت کو مشعلِ راہ بنائے۔ غرض اپنی زندگی کے ہر شعبہ کیلئے، اپنے رات دن کے معمولات کے لئے اسوۂ حسنہ کو اپنائے۔ سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، ملنا، جلنا، کھانا، پینا، کمانا، خرچ کرنا، غرض اپنے سارے کاموں کو آپ ﷺ کی سنتوں کے مطابق بنائے۔ نتیجۃً یہ سارے کام نورِ سنت سے منور ہو کر عبادت بن کر موجبِ اجر وثواب بن جائیں گے۔

یہ اللہ جل شانہٗ کا خاص فضل وکرم ہے کہ اپنے محبوب ﷺ کی اداؤں کے مطابق کپڑے پہننے اور نکالنے، جوتے پہننے اور نکالنے، بیت الخلاء میں سنت کے مطابق جانے اور نکلنے کا (جو کہ ضروریاتِ طبعیہ ہیں) اجر وثواب مرحمت فرماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اتباعِ سنت کے ساتھ چھوٹا سا عمل بھی اجر وثواب کے اعتبار سے بہت بڑا بن جاتا ہے۔

مزید برآں، بارگاہِ رب العزت میں قرب کا ذریعہ ہوتا ہے۔ منقول ہے کہ ایک بزرگ جو ستر سالہ عبادات اور مجاہدات کے ذریعہ بڑے اونچے مرتبہ پر فائز تھے اور کثرتِ مجاہدات سے کمر بھی ان کی جھک گئی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ کیفیات اور انوارات جو ان کو حاصل تھے، ان میں وہ بات نہیں رہی اور تعلق مع اللہ والی کیفیت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ وہ اللہ جلّ شانہٗ کی طرف متوجہ ہوئے تو ہاتفِ غیبی نے بتایا کہ بغیر آقا ﷺ کی سنتوں کے اتباع کے کامیابی مشکل ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی منکشف ہوا کہ بیت الخلاء سے نکلتے وقت سنت کا اہتمام چھوٹ گیا تھا جس کی پاداش میں انوارات سلب ہو گئے۔ چنانچہ توبہ واستغفار کے بعد اللہ جلّ شانہٗ کا فضل وکرم دوبارہ متوجہ ہو گیا۔ چونکہ مقربینِ بارگاہ کو اوروں کی نسبت جلد تنبیہ ہوتی ہے، مشہور ہے ”مقرباں را بیش بود حیرانی“، اس لئے ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا جس سے ان کو تنبیہ کی گئی کہ ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید　　که ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ویسے تو بادیٔ النظر میں یہ چھوٹی سی چوک معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت مرتبہ اور مقامِ سنت یہی ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ''فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ'' [1]۔ اور اس کی شرح میں شارحینِ حدیث لکھتے ہیں: 'فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّةٍ' أَيْ صَغِيرَةٍ أَوْ قَلِيْلَةٍ، كَاِحْيَاءِ اٰدَابِ الْخَلَاءِ مَثَلاً عَلٰی مَا وَرَدَ فِي السُّنَّةِ. قَوْلُهُ: 'خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ' أَيْ أَفْضَلُ مِنْ حَسَنَةٍ عَظِيْمَةٍ كَبِنَاءِ رَبَاطٍ أَوْ مَدْرَسَةٍ'۔ [2]

اسی لئے حضرات اہل اللہ آپ ﷺ کی مبارک سنتوں کا بہت ہی اہتمام فرماتے رہے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ کے قرب کا سب سے اچھا اور سب سے آسان راستہ یہی ہے۔ جتنا اس کا اہتمام ہوگا اور جتنی ان مبارک طریقوں سے محبت ہوگی، مقامِ قرب میں ترقی ہوتی چلی جائیگی۔ اسی لئے ان حضرات نے ضرورت پیش آنے پر بتکلف اپنی طبیعت کو سنت کے سانچے میں ڈھالا۔ منقول ہے کہ حضرت امامِ ربانی مجددالفِ ثانیؒ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی تھی کہ خوشی کی باتوں سے خوشی اور غم کی باتوں سے غم نہیں ہوتا تھا اور یہ بھی ایک حال ہے (جس کو شاید تسلیم و رضا سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں)۔ لیکن چونکہ امام ربانیؒ بہت زیادہ متّبعِ سنت تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کیفیت کو میزانِ شریعت پر پرکھا تو میں نے دیکھا کہ یہ مطابقِ سنت نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور پاک ﷺ کو خوشی کی باتوں سے خوشی ہوتی تھی اور اس پر آپ ﷺ ہنستے تھے حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ [3]، اور غم کی باتوں سے آپ ﷺ کو رنج وغم ہوتا تھا۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے: ''اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَ الْقَلْبَ يَحْزَنُ وَ لَا نَقُوْلُ

---

[1] مسند أحمد: ۱۷۰۱۱۔ ترجمہ: ''ایک سنت کو مضبوطی سے پکڑنا کوئی نیا اچھا کام کرنے سے بہتر ہے۔''

[2] مرقاۃ المفاتیح: ج۲، ص۷۵۔ ترجمہ: ''کسی چھوٹی یا تھوڑی سنت (جیسے بیت الخلاء کے مسنون آداب کی رعایت) کو پکڑے رہنا بہتر ہے کوئی بڑا عظیم الشان نیا اچھا کام (مثلاً مدرسہ یا مسافر خانہ کی تعمیر) کرنے سے۔''

[3] ترجمہ: ''یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پچھلے دانت نظر آنے لگے''۔ آپ ﷺ کے خوشی کے موقعہ پر ہنسنے کی یہ منظر کشی مختلف صحابہ نے مختلف اوقات میں فرمائی ہے۔

اِلَّا مَا یُرْضِیْ رَبَّنَا وَ اِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ‘‘[1]۔ تو میں نے بتکلف اپنی اس کیفیت کو بدلا یہاں تک کہ مجھے خوشی کی باتوں سے خوشی اور رنج کی باتوں سے غم ہونے لگا۔ یہ ہے جذبہ اتباعِ سنت کا کہ جس کے بغیر کامیابی اور کامرانی نہیں ہوسکتی۔

پیش نظر کتاب ’’اطاعت رسول ﷺ‘‘ کے فاضل مصنف عزیزِ گرامی قدر مولانا یوسف صاحب سلمہٗ مستحق وقابل مبارکباد ہیں کہ توفیقِ ایزدی سے ایسے مبارک موضوع کا انتخاب ہوا جو سراپا رحمت وسراسر نور ہی نور ہے۔ اور عزیز موصوف نے سنت کی برکات اور اہل اللہ کے اس کے ساتھ اہتمام اور اس پر والہانہ انداز میں عمل کے واقعات دلکش انداز میں بیان کئے ہیں، جس سے پڑھنے والوں کے جذبۂ عمل اور شوق وذوق میں اضافہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے تعلق مع اللہ اور مراتبِ قرب میں ترقی سے قارئین سرفراز ہوتے ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے عزیز موصوف کی اس کتاب کو اور جملہ خدماتِ دینیہ کو قبول ومقبول فرمائے، عمر میں اور عافیت میں برکت عطا فرمائے، اور اپنی رضا ومرضیات میں ہمیشہ مشغول رکھے اور جملہ مساعئ جمیلہ کو مثمر ثمرات وبرکات بنائے۔ آمین۔

تحدیث بالنعمۃ کے طور پر یہ سب عرض کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیدی ومرشدی نوراللہ مرقدہ کی خصوصی توجہ اس کتاب کی تکمیل اور اس کی طباعت اور نشر واشاعت کے لئے رہی تھی۔ اور اس کی قبولیت کے لئے حضرتؒ نے خصوصی دعائیں بھی فرمائی تھیں۔ یہ اللہ جلّ شانہٗ کا خاص فضل وکرم اور اطاعت رسول ﷺ کے لئے سرمایۂ افتخار اور ان شاء اللہ امید شرفِ قبولیت ہے۔

دعاء ہے اللہ جل شانہ مصنف کو اور دامے درمے سخنے تعاون کرنے والے دوستوں کو اور طباعت اور نشر واشاعت میں مدد کرنے والوں کو اپنے فضل وکرم اور حضورِ اقدس ﷺ کے

---

[1] صحیح البخاری: ۱۲۲۰۔ ترجمہ: ’’بیشک آنکھ روتی ہے اور دل غم کا اثر لیتا ہے۔ لیکن ہم صرف وہی کہتے ہیں جو ہمارا پروردگار چاہے۔ اور بیشک، اے ابراہیمؓ!، ہم آپ کے فراق پر بہت ہی اداس ہیں۔‘‘

صدقے اور طفیل جزاءِ خیر مرحمت فرمائے، سب کو اپنی رضا ومحبت سے نوازے اور انوارِ سنت سے ہم سب کو منور فرمائے۔ **آمین بحرمة سید المرسلین ﷺ**۔

فقط،

عبدالرحیم متالا

خادم معہد الرشید الاسلامی، چیپاٹا، زامبیا
۸ ذی الحجۃ ۱۴۲۹ھ

پیش لفظ

از مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم العالیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالمرسلین محمدٍ واٰلہ وصحبہ اجمعین .

اما بعد! میرے لئے نہایت مسرت کا مقام ہے کہ عزیز گرامی قدر ومنزلت مولانا یوسف متالا سلمہٗ اللہ تعالی کی کتاب ''اطاعتِ رسول ﷺ'' پر دوبارہ کچھ تحریر کروں۔ مولانا موصوف ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے خواص میں ہیں۔ حضرت کے خلفاء ومسترشدین میں ان کو خاص مقام حاصل ہے۔ حضرت والا کی ان پر خصوصی شفقت ومحبت کی نظر تھی۔

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

یہ مولانا موصوف پر اللہ تعالی کا خصوصی انعام وکرم ہے۔ اس کتاب کی طباعت وغیرہ کا مولانا نے غایت محبت کی بناء پر اس ناچیز کو ذمہ دار بنایا تھا۔ یہ وہ مبارک زمانہ تھا جب اس ناچیز کا قیام حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں **بذل المجھود** کے

کام کے سلسلے میں تھا۔ حضرت شیخ نے خود اس کتاب کو اپنے قاریٔ سے پڑھوا کر سنا۔ اور اس کی طباعت اور اس پر تقدیم لکھنے کی اس ناچیز کو تاکید فرمائی۔ اس تقدیم کو پڑھوا کر سنا بھی اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اب سالوں بعد اس پر نظر ڈالی تو مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت کی توجہ کی برکت سے یہ بہت ہی طاقتور و مؤثر تقدیم تحریر میں آ گئی تھی۔ جس مرح ''تقریر بخاری'' پر مقدمہ کا حال ہے، جو اسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے، جب اس کو پڑھ کر سنانا شروع کیا حضرت کا یہ حال تھا۔

ع بادِ صبا آج بہت مشکبار ہے شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

حجرت نور اللہ مرقدہ نے مولانا یوسف متالا سے بہت ہی تمنائیں و آرزوئیں وابستہ فرمائی تھیں جن کا ظہور حضرت کی حیات ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ برطانیہ، جہاں مولانا یوسف صاحب کا قیام تھا، وہاں دعوت و تبلیغ کا کام جاری تھا، مراکز اسلامیہ بھی قائم ہو رہے تھے۔ لیکن ایک ایسے مدرسے کی شدید ضرورت تھی جو اپنے فکر و نظر میں خالص مظاہر و دیوبند کا نمونہ ہو۔ وہاں جو طلبہ تیار ہو کر نکلیں وہ حالات حاضرہ سے بھی باخبر ہوں، نیز وہ علم و عمل میں اسلام کی چلتی پھرتی تصویر ہوں۔

ع رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھایئے عالم یہ جل رہا ہے، برس کر بجھایئے

مولانا موصوف نے بولٹن میں مدرسہ قائم کیا جو حضرت کی خصوصی دعا و توجہ کا مرکز رہا ہے۔

ع فیوضِ حضرتِ شیخِ زکریا کا ہے یہ مخزن دعائے حضرتِ والا سے ہے شاداب یہ گلشن

آج کل اس مدرسے کی متعدد شاخیں قائم ہیں۔ ان میں طالبات کا الگ انتظام ہے۔

اس لئے مولانا موصوف نے اپنی کتاب میں وہاں کے حالات کی بھی رعایت رکھی ہے۔ اس طرح یہ کتاب سالکین و ذاکرین اور عام طبقہ کے لئے مفید و مؤثر بن گئی۔

قابل مبارک ہیں وہ حضرات جو اس کو شائع کر رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ یہ کتاب بار بار شائع ہو اور متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی شائع کیا جائے۔ اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ مولانا موصوف کے فیض کو عام فرمائے۔ آمین۔ **و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔**

فقط والسلام،

اَ، تقی الدین ندوی

پروفیسر استاذ حدیث، العین یونیورسٹی

مقدمہ

ازمولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم العالیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ألحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالمرسلین
محمدٍ واٰلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین

اما بعد! میرے لئے انتہائی خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ عزیز گرامی مولانا محمد یوسف متالا سلمہٗ کی گرانقدر کتاب ''اطاعتِ رسول ﷺ'' پر بطور پیش لفظ وتعارف کے چند سطور لکھوں۔

اس لئے کہ عزیزِ موصوف یورپ کے مادی ماحول میں دعوت وتعلیم کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ان کے دردمند قلب نے مسلمانوں کے انحطاط وتنزل، ذلت ونکبت کا صحیح اندازہ لگایا کہ ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

ان کے قلبِ مضطرب نے محسوس کیا کہ ملتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت وفرمانبرداری کے بغیر ممکن نہیں۔مگر یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب مسلمان ایمان

وعمل، اخلاق وکردار، اور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا چلتا پھرتا نمونہ ہو اور اس کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر بن جائے۔ جیسا کہ ایک حقیقی مومن کو ہونا چاہیے ۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن　　قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اسلام میں دو چیزیں ہیں: کتاب اور سنت۔ کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآنِ حکیم کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اور سنت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں، وہ راستہ جس پر پیغمبر خدا ﷺ خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے۔ یعنی آپ ﷺ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورتِ الفاظ موجود ہے۔ الغرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیل روحانی کے لئے جو چیز ہے وہ سنت نبوی ﷺ ہے۔

سنت نبوی ﷺ درحقیقت کتاب اللہ کی شرح و بیان ہے۔ قرآن کے مجملات ومشکلات کی تفصیل اور عملی تشکیل آنحضرت ﷺ کے اقوال و اعمال اور آپ ﷺ کے احوال کے جانے بغیر نہیں ہوسکتی۔ آپ مراد الٰہی کے مبیّن (بیان کرنے والے) ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْهِمْ [1]

(اور آپ پر بھی ہم نے یادداشت نازل کی تاکہ جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے، آپ ان لوگوں سے کھول کھول کر بیان کر دیں۔)

قرآن مجید میں وضو، غسل، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، درود، دعا، جہاد، ذکرِ الٰہی اسی طرح نکاح، طلاق، بیع وشراء، اخلاق ومعاشرت، سیاسیاتِ ملت وفصلِ قضایا وخصومات، غرض جملہ احکامِ دین کے متعلق کلی احکام موجود ہیں اور ان کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ مگر ان احکام کی تشریح اور ان کے جزئیات کی تفصیل آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں صاف تصریح ہے:

---

[1] سورۃ النحل: آیۃ ۴۴

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ؂۱

(جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ کی اطاعت کی۔)

آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنتوں کا اتباع جس طرح آپ ﷺ کے دورِ سعید میں کیا جاتا تھا، اسی طرح آپ ﷺ کے بعد بھی ضروری ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی بکثرت تاکید کی گئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنَ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِيْ ؂۲

(میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے: کتاب اللہ اور میری سنت۔)

نبی اکرم ﷺ ایک کامل و مکمل دین لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات میں ہر دور کے انسانوں کے لیے پیغام ہے اور ہر شعبۂ زندگی کے لیے آپ ﷺ کی شریعت رہنمائی کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے سیاست و جہانبانی سے لے کر بیت الخلاء تک کے آداب کی تعلیم دی ہے۔

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک یہودی نے طنزاً دریافت کیا کہ تمہارے پیغمبر ﷺ نے استنجاء کے آداب تک بتائے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ’’ہاں ہاں! آپ ﷺ نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ تین ڈھیلے سے کم سے استنجاء نہ کریں۔ اور داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا اور لید و ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ؂۳ حضرت سلمان فارسیؓ نے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی تعلیم کی جامعیت پر کہ آپ ﷺ نے استنجاء

؂۱ سورۃ النساء: آیۃ ۸۰

؂۲ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ امام مالکؒ سے مؤطا: ۱۳۹۵ میں بلاغاً مروی ہے جسے امام ابن عبد البرؒ نے بروایت کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف عن أبیہ عن جدہ موصولاً نقل کیا ہے۔ البتہ حاکمؒ نے اپنے مستدرک میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ اسے بروایت ابن عباسؓ (۲۹۰) اور ابو ہریرہؓ (۲۹۱) مرفوعاً نقل کیا ہے۔

؂۳ ابوداؤد: ۶

تک کے آداب کی تعلیم دی اس پر اس یہودی کے سامنے فخر کیا۔

چونکہ آپ ﷺ کی تعلیم قیامت تک کے لیے ہے اور اس میں ہر دور کے انسانوں کے لیے زندگی گزارنے کا سامان ہے، سائنس و ایجادات جس قدر ترقی کرتی جا رہی ہیں آپ ﷺ کی تعلیمات کے حقائق مزید روشن ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات نے گزشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اب ہدایت و رہنمائی کے لیے کسی دوسری طرف رُخ کرنے کی یا خوشہ چیں بننے کی مطلق حاجت نہیں ہے۔

حضرت معصوم میاں سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب میں اتباعِ سنت کی اہمیت اور بدعت کی مذمّت اس طرح بیان کرتے ہیں:

هر قدر كه دراتباعِ شريعت و اجتنابِ بدعت كوشيده آيد نورِ باطن بيفزايد وراهے بجنابِ قدسى بكشايد. اتباعِ سنت البته منجى است ونيتجه بخش ورفعِ درجات احتمالِ تخلف ندارد، وماورائے آں خطره در خطره است وراهِ شيطان فالحذر كل الحذر فماذا بعد الحق الاالضلال. دينِ قويم راكه بوحيِ قطعى ثابت شده است بتُرهّاتِ اوهام وخيال نمى داشت و برداشت وما على الرسول الاالبلاغ [1]

چنانچہ جو شخص جس قدر اتباع سنت اور عمل باشریعت اور اجتناب بدعت میں کوشش کرے گا اتنا ہی زیادہ اس کو نور باطن حاصل ہوگا اور حق تعالیٰ کی راہ اس پر کھلے گی بلاشبہ اتباع سنت اس کو نجات دینے والی چیز ہے بہرصورت نفع بخش ہے اور درجات کو بلند کرنے والی ہے اس میں خلاف کا احتمال نہیں لیکن اس کے ماسوا جو چیزیں ہیں ان میں خطرہ ہی خطرہ ہے بلکہ شیطانی راستہ ہے لہٰذا ان سے بہت اجتناب کرو اور احتیاط کلی رکھو اس لئے کہ حق کے بعد بجز گمراہی کے اور رہ ہی کیا جاتا ہے دین قویم جو کہ وحی قطعی سے ثابت ہے محض لغو باتوں

---

[1] مکتوب خواجہ معصوم سرہندیؒ

سے اور اوہام وخیالات سے تو چھوڑا نہیں
جا سکتا۔رسول کے ذمہ تبلیغ ہے،بس۔

نبی کریم ﷺ کی دعوت کے اولین حاملین یعنی صحابۂ کرامؓ جنہوں نے آپ ﷺ کے پیغام ودعوت کوقبول کیا، تعامل وتوارث اورروایت کے ذریعہ محفوظ کردیا، جوآپ ﷺ کی زندگی کے ہر خدوخال اور ہر ہر گوشہ کے عملی پیکر تھے۔ وہ آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی کامیابی وکامرانی کا راز مضمر سمجھتے تھے۔انہوں نے اس حقیقت کواچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ حضور ﷺ کے طریقۂ زندگی سے سرِ موانحراف دنیا وآخرت دونوں جگہوں میں ناکامی ونامرادی کاباعث ہے۔

صحابہ کرامؓ نے غزوات ومعاملات اورزندگی کے ہرموقع پراتباعِ سنت کولازم پکڑلیا تھا۔ اوراس طرح انہوں نے محبت رسول ﷺ کا کامل حق اداکردیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً ۝ [1]

مسلمانوں میں کچھ مرد ایسے ہیں کہ سچے رہےاس عہد میں جوانہوں نے اللہ سے کیا تھا۔تو ان میں کوئی ایسا ہے جو پوری کرچکا اپنی نذر، اورکوئی ان میں منتظر ہے۔ اور انہوں نے ردوبدل نہیں کیاذرابھی۔

شعر:

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ☆ سو اس عہد کو بھی وفا کر چلے

آپ ﷺ پر ایمان اورآپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کے نتیجہ میں عرب کی پسماندہ قوم میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ان میں وہ عظیم الشان شخصیتیں دنیانے دیکھیں جوعجوبۂ روزگاراوردنیا کی تاریخ میں یادگار ہیں۔

وہ عمرؓ جواپنے باپ خطاب کی بکریاں چرایا کرتے تھےاوران کے باپ ان کوجھڑکا کرتے

---

[1] سورۃ الاحزاب: آیۃ ۲۳

تھے اور جو اپنی قوت وعزم کے لحاظ سے قریش کے متوسط لوگوں میں تھے، جن کو کوئی غیر معمولی امتیاز حاصل نہ تھا اور ان کے معاصران کو غیر معمولی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ وہی عمرؓ تھے کہ یکبارگی تمام عالم کو اپنی عظمت وصلاحیت سے حیرت زدہ بنا دیتے ہیں اور قیصر وکسریٰ کو تخت و تاج سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور عدل وانصاف، ورع وتقویٰ کا ایسا نمونہ چھوڑتے ہیں جو رہتی دنیا تک ضرب المثل رہے گا۔

یہ ولید کے فرزند خالدؓ ہیں۔ قریش کے نوجوان حوصلہ مندوں میں ان کا شمار ہے۔ مقامی جنگوں میں انہوں نے اپنا نام پیدا کیا تھا۔ جزیرۂ عرب کے باہر کوئی شہرت نہیں رکھتے تھے۔ مگر حضور اقدس ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کر کے وہ آسمانی تلوار بن کر (سیف من سیوف اللہ) چمکتے ہیں۔ یہ خدائی تلوار روم وایران پر بجلی بن کر گرتی ہے اور تاریخ کے طول وعرض میں اپنے تذکرے چھوڑ جاتی ہے۔

یہ ابو عبیدہؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، عمروؓ بن العاص ہیں جو دنیا کے وہ فاتحِ اعظم وسپہ سالار ثابت ہوئے ہیں جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے۔ خالدؓ وابو عبیدہؓ نے رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیمؑ کی موجودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی۔

عمرو بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین مصر کو رومیوں کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لیا۔ سعدؓ نے عراق وایران کا تاج شاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا تھا۔ یہ بلال حبشیؓ ہیں، فضیلت وعزت واکرام میں اس درجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت عمرؓ امیر المؤمنین ان کو اپنا سردار کہہ کر پکارتے ہیں۔

یہ علیؓ بن ابی طالب اور حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو نبی امی ﷺ کی گود میں پرورش پا کر دنیا کے عظیم ترین عالموں میں شمار ہوئے، جن سے علم کی نہریں بہتی ہیں اور حکمت ان کی زبان پر جاری ہو جاتی ہے۔

یہ ابوذرؓ، مقدادؓ، ابوالدرداءؓ، عمار بن یاسرؓ، معاذؓ بن جبل اور ابیؓ بن کعب ہیں۔ اسلام کی بادِ بہاری کا ایک جھونکا چل جاتا ہے اور دنیا کے نامور زاہدوں اور جلیل القدر عالموں میں دیکھتے دیکھتے شمار ہونے لگتے ہیں۔ یہ سب برکت تھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات گرامی سے عشق ومحبت اور اطاعت وفرمانبرداری کی کہ ان معمولی درجہ کے انسانوں کو دنیا کا امام وپیشوا بنادیا۔

عجب کیا گر مہ وپرویں میرے نخچیر بن جائیں ☆ کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سرِ خودرا
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے ☆ غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں پر انفرادی طور پر یا اجتماعی حیثیت سے جہاں کہیں کوئی افتاد پڑی ہے، اس کا سبب سنت کی خلاف ورزی یا اس سے بے اعتنائی ہے۔

غزوۂ اُحد میں ایک پہاڑی پر آپ ﷺ نے پچاس تیراندازوں کو مقرر فرمایا تھا کہ خواہ ہماری شکست ہو یا فتح اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح وکامیابی عطا فرمائی تو ان لوگوں نے باوجود امیر کے اصرار کے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فتح شکست میں بدل گئی۔ ہر زمانہ میں باطل طاقتوں اور ابلیس کے کارندوں نے اپنی مسلم دشمنی کی مہم میں اسی وقت کامیابی حاصل کی ہے جب وہ مسلمانوں کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستہ سے برگشتہ کرسکے۔

خاص طور سے موجودہ دور میں مسلمانوں کی نئی نسلوں میں مغربی تعلیم جس طرح دین سے بیزاری کی فضا پیدا کررہی ہے، کفر وباطل اپنے مقصد میں کامیاب ہورہا ہے، دینی شعور کمزور پڑ چکا ہے، ایمان کی چنگاریاں بجھ چکی ہیں، مادیت ونفع پرستی اور دین وسنت کے ساتھ استہزاء کا دوردورہ ہے۔ شعر

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں ☆ گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات

مسلمانوں کی موجودہ حالتِ زار پر نوجوان مصنف کا قلب بے چین ومضطرب ہے۔ اس

لئے وہ مسلمانوں کو اپنی اس کتاب کے ذریعہ پوری قوت سے دعوت دے رہا ہے:

لَنْ یَّصْلَحَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِھَا اَوَّلُھَا

(اس امت کے آخری لوگوں کی اصلاح اسی راستہ پر چل کر ہوگی جس راستہ پر امت کے پہلے لوگ گامزن تھے۔)

اس لئے انہوں نے اس کتاب میں اتباعِ سنت کی برکات اور اس سے بے رخی اور اعراض پر دنیا و آخرت کی ناکامی و خسران کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ان شاء اللہ نبی کریم ﷺ کی محبت و عظمت اور آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کا قلوب میں جذبہ پیدا ہوگا اور ایمان میں اضافہ ہوگا۔

عزیز گرامی مولانا یوسف متالا نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں بہت محنت و ذوق شوق سے اپنی تعلیم کی تکمیل کی۔ یہاں کے ممتاز فضلاء میں ان کا شمار ہے۔ یہاں انہوں نے اپنی تعلیمی زندگی مرشدی و مولائی حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدّ فیوضہم (رحمۃ اللہ علیہ) کے سایۂ عاطفت میں گذاری۔ ان کی سعادت ونجابت کی بناء پر حضرت اقدس کی اُن پر خصوصی شفقت کی نظر رہی ہے۔ اس لئے حضرت مدّ فیوضہم (رحمۃ اللہ علیہ) کے حالات وارشادات کا اس کتاب میں آنا ناگزیر ہے۔

عزیز موصوف آج کل لندن کے ایک مدرسہ کے صدر مدرس، بانی و شیخ الحدیث ہیں۔ ان کی ذات اور ان کے مدرسہ سے بہت سی توقعات وامیدیں وابستہ ہیں۔ اگر خدا کو منظور ہوا اور قوم کے دردمندوں نے پوری قدردانی ودلچسپی سے کام لیا تو اُن کی ذات وہاں روشنی کا منارہ اور ان کا مدرسہ ایک بڑا اسلامی مرکز ثابت ہوگا۔

جواں سال مصنف کی یہ پہلی تصنیف ہے۔ ان شاء اللہ ان کی عمر کی زیادتی اور مطالعہ کی وسعت کے ساتھ ان کی معلومات وتحریر میں پختگی پیدا ہوگی۔

حق تعالیٰ ان کی اس پہلی کوشش کو کامیاب بنائے اور قبول فرمائے۔ اور اس کتاب کو

ملّت اسلامیہ کے لئے نافع بنائے اور اتباعِ سنت کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آخر میں یہ دعا ہے۔ ع

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے	جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
اس بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل	اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

واللہ یقول الحق وھو یھدی السَّبیل

فقط والسلام

(مولانا) تقی الدین ندوی مظاہری
مقیم حال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۱۸/شوال ۹۱ھ / یوم الثلاثاء

عرضِ حال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نحمدہٗ و نُصلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الکریم

احقر کا ارادہ ایک خواب [1] کی بنا پر سید الکونین ﷺ کی مبارک سنتوں پر ایک رسالہ

[1] خواب یہ دیکھا تھا کہ میں زکریا مسجد کی پرانی عمارت میں داخل ہوا تو نیچے کے ہال میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ ہال کے بیچ میں رکھا گیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ اطہر جنازہ میں کفن میں لپیٹا ہوا ہے۔ جب میں قریب پہنچا تو دیکھ رہا ہوں کہ تھوڑی دیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے خود چہرۂ انور سے کفن ہٹایا اور دستِ مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم چہرۂ انور پر پھیر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک جمال عبد الناصر مرحوم جیسی تھی۔ جنازہ میں اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر دستِ مبارک پھیرتے ہوئے دیکھ کر میں نے سوچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ سلامت ہیں اور دشمنانِ اسلام ڈاکٹروں نے جھوٹا ڈیتھ سرٹیفیکٹ (DEATH CERTIFICATE) جاری کر دیا ہے۔ یہ تصور کر کے میں زار و قطار رو رہا ہوں۔

اس خواب کی تعبیر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں عنایت فرمائی تھی: ’’تمہارا پہلا خواب جس میں کوئی صاحب تقریر کر رہے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کا جنازہ رکھا ہوا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کا جنازہ یہ حضور ﷺ کی سنتوں کا مردہ ہونا ہے اور حضور کا بار بار چہرۂ انور پر ہاتھ پھیرنا اس رنج و غم کا اظہار ہے جو مسلمانوں کی اس حالت سے روح اقدس پر ہو رہا ہے۔ تمہارا رنج و قلق تمہاری اس بے چینی کا اظہار ہے جو دین کی اس حالت پر تمہیں اکثر ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دین کا احیاء فرماوے اور حضور ﷺ کو سکون نصیب فرمائے۔‘‘ (محبت نامے، جلد ۱، صفحہ ۲۵۸)

لکھنے کا تھا۔ لیکن اپنی کم علمی کے باعث قلم اُٹھانے کی ہمت نہیں ہورہی تھی کہ امسال لندن سے ماہِ مبارک گذارنے کے لئے آستانۂ خلیلی پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ اثناءِ قیام میں یہ خیال آیا کہ ماہِ مبارک اور یہ بابرکت جگہ اوران اولیاء اللہ کے پُر کیف مجمع میں اس کام کا آغاز کروں۔ شاید ان ساری برکات کی وجہ سے تکمیل بھی ہوجائے۔

چنانچہ ۲۶/رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ کو یومِ جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ مسجد میں اعتکاف کی حالت میں اس کی ابتدا کی۔ اس بے بضاعت کو اس سے پہلے کسی رسالہ یا کتاب کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ میری سیئات کو درگذر فرما کر اس کتاب کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور اس ناچیز مؤلف اور قارئین کو اتباعِ سنت کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز۔**

فقط والسلام،

یوسف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پہلا باب

موجودہ دورِ فتن اور اتباعِ سنت

موجودہ دور میں خصوصیت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا اتباع اور طریقۂ زندگی کی اطاعت نہایت ضروری ہے۔ اس دورِ فتن میں اگر کوئی کمالِ استقلال و استقامت کے ساتھ سنتوں کو لازم نہ پکڑے گا تو اس کے ایمان و عقیدے کو بھی خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اور ترک سنت پر جو وبال آتا ہے، اس سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ آج زمانہ اتباعِ سنت کے شیدائی کا متلاشی ہے۔

ع یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے ☆ صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

افسوس مسلمان جن کے پاس کتاب اللہ اور نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے، جو دنیا کے لیے نورِ ہدایت تھے، جس گلی کوچہ سے گذرتے وہاں کے در و دیوار ایمان و عمل کی خوشبو سے معطر ہو جاتے، جن کا وجود انسانیت کے لئے رحمت تھا، خدا کی نصرت و حفاظت جن کے ہمرکاب تھی، آج ان کی زندگی نبی کریم ﷺ کے طریقۂ زندگی سے کوسوں دور ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف ان کی مخالفت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ روئے زمین ان کے لئے تنگ ہو رہی ہے۔ جن ممالک میں اُنہیں اقتدار و حکومت حاصل ہے، وہاں بھی دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت، بالخصوص جدید تعلیم یافتہ جو مغربی تہذیب و تمدن میں غرق ہے، ان میں اپنی کم علمی کی بنا پر دین سے بیزاری پیدا ہو گئی

ہے۔

بلکہ ہر جگہ ایک جماعت ایسے افراد کی پیدا ہوگئی ہے جن میں اسلام سے عناد ہے۔ وہ اس کی بیخ کنی کے لئے کمر بستہ ہیں۔ جہاں کہیں اسلام کے نام پر کوئی دعوت یا تحریک اُٹھتی ہے، اس کو دبانے اور عوام سے اس کے اثرات ورسوخ کو زائل کرنے اور برگشتہ کرنے کی کوشش کرائی جاتی ہے۔ اور پوری ملت اسلامیہ اخلاقی تنزل، انارکی وانتشار کا شکار ہے، اوراس میں مختلف قسم کے رخنے پیدا ہورہے ہیں اور پرورش پا رہے ہیں۔

ماضی قریب میں قادیانیت، پرویزیت اورانکار حدیث وغیرہ سینکڑوں فتنے پیدا ہوئے اور آئے دن پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کا اپنے پیغمبر ﷺ سے محبت واتباع کا رشتہ کمزور و مضمحل ہوگیا ہے۔ اورانھوں نے صحابہؓ کرام و سلف صالحینؒ کے طریقۂ زندگی کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔

صحابہؓ کا مقام ومرتبہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو درحقیقت حدیث وسنت کے زندہ صحیفے ہیں، جن کی عقل ورزانت، عدالت ودیانت اورتقویٰ پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں، جو دین وشریعت کے اولین حاملین ہیں، جن کے طفیل دین وشریعت ہم تک پہنچا، آج اس مقدس جماعت پر طعن وتشنیع کرنے والے بھی اپنے آپ کو اسلام کا دعویدار کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں ان کی عدالت واخلاص پر بکثرت دلائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ [1]

(اللہ ان سے راضی ہوگیا۔ اوروہ اللہ سے راضی ہوگئے۔)

---

[1] سورۃ المائدۃ: ۱۱۹ / سورۃ التوبۃ: ۱۰۰ / سورۃ المجادلۃ: ۲۲ / سورۃ البینۃ: ۸

قرآن مجید نے ان سے اللہ کی رضا مندی کا اعلان کر رکھا ہے۔مگر متجد دینِ اسلام نے ان حضرات صحابۂ کرامؓ کے مناقب وفضائل سے آنکھیں بند کرکے ان حضرات کو قابل مذمت اور (معاذ اللہ) لائق جرح ونقد قرار دے رکھا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

أَصحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِأَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ [۱]

(میرے صحابہ کرامؓ تاروں کی مانند ہیں۔ان میں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔)

آپ ﷺ نے فرمایا:

أَللّٰهَ أَللّٰهَ فِيْ أَصحَابِي لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضاً مِّنْ بَعْدِيْ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ [۲]

میرے صحابۂ کرام کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔تم لوگ میرے بعد ان حضرات کو ہدفِ ملامت نہ بنانا۔پس جو اُن سے محبت کریگا، تو اس نے مجھ سے محبت کے سبب اُن سے محبت کی۔اور جو ان سے دشمنی رکھے گا، اس نے مجھ سے بغض کے سبب سے ان سے دشمنی کی۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ [۳]

(سب سے بہترین میرا زمانہ ہے (یعنی دورِ صحابہ)، پھر ان لوگوں کا جو اُن سے قریب ہیں

---

[۱] یہ حدیث شریف چند صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے۔عبد بن حمیدؒ نے اسے حضرت ابن عمرؓ سے، دار قطنیؒ نے حضرت جابرؓ سے، بزارؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے، جن کی سندیں اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ حدیث شریف صحیح ہیاور اس کی نظیر صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔

[۲] سنن الترمذی: ۳۷۹۷ / صحیح ابن حبان: ۷۲۵۶ / مسند احمد: ۲۰۵۷۸

[۳] متفق علیہ۔بخاری: ۲۴۵۷، ۲۴۵۸، ۳۰۸۰، ۳۳۷۷ وغیرہ، مسلم: ۲۷۸، ۶۵۴، ۶۵۵، ۴۵۹۹ وغیرہ۔البتہ بخاری ومسلم کی روایات میں خیر القرون کے بجائے خیر الناس، خیر أمتی اور خیر کم کے الفاظ مروی ہیں۔

(یعنی تابعین)، پھر اُن لوگوں کا جو اُن سے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین رحمہم اللہ)۔

امام ابوزرعہ رازیؒ جماعت صحابہؓ کی عدالت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: 'جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرامؓ میں سے کسی فرد کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔ اس لئے کہ رسول ﷺ برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور جو کچھ رسول ﷺ لائے ہیں وہ برحق ہے۔ ان سب کے ہمارے لئے صحابۂ کرامؓ ناقل ہیں۔ یہ زنادقہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ کتاب وسنت کو باطل کر دیں۔ اس لئے یہ خود بہ درجۂ اولیٰ مجروح ہیں۔ [1]

فتنۂ انکارِ حدیث کی پیشین گوئی

آنے والے فتنوں میں سے فتنۂ انکار حدیث کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی آگاہ فرما دیا تھا:

لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ [2]

میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں کہ اپنے گاؤ تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو، میرا حکم اس کو پہنچے جس کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے منع فرمایا ہے، پس وہ کہنے لگے کہ میں تو کچھ نہیں جانتا جو کچھ کتاب اللہ میں ہم پائیں گے اس کا اتباع کریں گے۔

اسی طرح ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے:

أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلٰى أَرِيكَتِهِ

سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی۔ سنو! عنقریب ایسا زمانہ آئے گا

[1] کتاب الکفایۃ للخطیب البغدادی: ص۴۹ / فتح المغیث: ص۳۷۵ / رسالہ دررد روافض، حضرت سرہندیؒ

[2] سنن أبی داوٗد: ۴۶۰۵ / سنن الترمذی: ۲۶۶۳

يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ [1]

کہ ایک پیٹ بھرا آسودہ حال آدمی اپنے گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے کہے گا کہ تم لوگوں پر صرف قرآن کا اتباع واجب ہے۔ (یعنی حدیث کا انکار کرے گا۔)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

أَيَحْسَبُ أَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيْكَتِهِ قَدْ يَظُنُّ أَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّامَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ أَلَا وَ اِنِّي وَاللّٰهِ قَدْ وَعَظْتُ وَ أَمَرْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ أَشْيَاءَ اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ أَوْأَكْثَرَ [2]

تم میں سے ایک شخص (آئندہ) اپنے گاؤ تکیہ پر ٹیک لگائے یہ گمان کرے گا کہ اللہ نے صرف انہیں چیزوں کو حرام کیا ہے جو قرآن میں ہیں، خبردار! اللہ کی قسم بیشک میں نے بھی بہت سی چیزوں کا حکم دیا اور نصیحت کی اور بہت سی چیزوں سے منع کیا ہے۔ اور یہ بھی قرآن جیسی ہیں یا اس سے زائد۔

آج انکار حدیث کا فتنہ پورے عالم میں بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا اُس کی صداقت سب کے سامنے ہے۔

آقائے دوجہاں سید الکونین ﷺ کی مبارک سنتوں ومبارک طریقوں سے ان متجددین اسلام کو بغض ونفرت ہے۔ اگر کوئی متبع سنت ان کی مجلس میں پہنچ جاتا ہے تو وہ ان کے لئے مذاق اور تمسخر کا ذریعہ بنتا ہے۔ حالاں کہ یہ لوگ خود آقا کی غلامی سے سرکشی کرکے آقائے نامدار ﷺ کے دشمنوں کی صف میں شامل ہوگئے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ مسلمانوں کی ذہنی وعملی تقلید وغلامی پر متنبہ کرتے ہوئے تحریر

---

[1] سنن أبی داوٗد: ۴۶۰۴

[2] سنن أبی داوٗد: ۳۰۵۰ ، السنن الکبری للبیہقی: ۱۸۷۲۸

فرماتے ہیں:

'ہمارا ظاہر و باطن، اندرو باہر، صرف محکومیت اور تعبد کی تجلی گاہ بنا ہوا ہے۔ مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ ہمارا بال بال یورپ کی غلامی کے سحر سے مسحور ہے۔ سروں کے بال اور مونچھ و ڈاڑھی کی تراش وخراش میں بھی ہماری آنکھیں اپنے مغربی آقاؤں کے چہرے کو تکتی رہتی ہیں۔ اب ہم کچھ نہیں دیکھتے بلکہ یورپ جو دکھاتا ہے وہی دیکھتے ہیں، جو کچھ وہ سوچتا ہے وہی سوچتے ہیں، وہی سمجھتے ہیں جو یورپ سمجھاتا ہے۔ جو وہ کھلاتا ہے وہی کھاتے ہیں، جو پلاتا ہے وہی پیتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ہم میں کتنے ہیں کہ استنجاء اور قضائے حاجت کی شکلوں میں بھی آج یورپ کی رہنمائی کا اپنے کو دست نگر بنائے ہوئے ہیں۔

آج امت میں سب سے بڑا فتنہ آزادی کا فتنہ ہے۔ آج امت کے بڑے بڑے طبقہ کا یہ حال ہے کہ ان کا سرکش نفس دین کی لگام اپنے منہ میں ڈالنے سے بدکتا ہے۔ وہ کفر والحاد کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں ہاتھ پیر مارنے پر رضامند ہیں۔ مگر رسول پاک ﷺ جو صاف ستھری اور چمکدار ملت لے کر آئے ہیں، اس کی روشنی سے انہیں نفرت ہے۔

خانقاہوں کے مسند نشین عشاق خدا اور رسول ﷺ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر عشق حقیقی کی شعلہ زن آتش سے اپنے قلوب کو گرمانے کے بجائے وہ شیطان کے قدم بہ قدم چل کر اپنے دلوں کو زنگ آلود کرنے کو تیار ہیں۔ جن قلوب کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ [1]

اور وہ خود تراشیدہ فیصلوں پر راضی ہیں۔ اور اس کے علاوہ قرآن و سنت اور رسول پاک ﷺ کے فیصلوں پر عمل سے ان کو گریز ہے۔ بلکہ جب اُن کے سامنے ان کی طبیعت اور ان کے نفس کے خلاف اور ان کا سردار شیطان جن چیزوں کی طرف ان کو بلاتا ہے ان کے

---

[1] سورۃ المطففین: ۱۴۔ ترجمہ: ''ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں کے اوپر زنگ چڑھا دیا ہے ان اعمال نے جو انہوں نے کیئے۔''

خلاف ان کو فرمانِ خداوندی وارشاد نبوی ﷺ سنایا جاتا ہے تو اپنے منھ سے ایسی بیہودہ باتیں بکتے ہیں کہ اس کے بعد اُنہیں اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا اور اسلام کا دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔

گویا یہ لوگ اس جماعت میں ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ حوض کوثر پر میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو میرے پاس آئیں گے۔ پس خدا کی قسم! بعض آدمیوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ اے پروردگار! یہ تو میرے اصحاب میں ہیں۔ تو جواب ملے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ نئے نئے اعمال و نظریات ایجاد کئے۔ یہ اپنی ایڑیوں کے بل (دین و اسلام کے خلاف) الٹے ہی چلتے رہے۔ اس سے مراد وہی مسلمان ہیں جو آپ ﷺ کے بعد آئے، جنہوں نے کتاب وسنت پر عمل نہیں کیا اور اپنی عقل وفکر فاسد کی لگام انہوں نے ڈھیلی چھوڑ دی جس سے وہ خود بھی گمراہ ہوئے، دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور وہ اللہ کے نور اور اس کی نعمتوں سے محروم رہ گئے اور دنیا میں گمراہی وضلالت پھیلانے کے ذریعہ بنے۔

ترقی کے لیے چودہ(۱۴۰۰)سو سال پہلے کی تاریخ دیکھو

آج اگر مسلمانوں کو دینی یا دنیوی ترقی چاہئے تو انہیں چودہ سو سال پہلے پلٹنا پڑیگا۔ اور وہ اپنے حکومت و انتظام اور معاملات اور رہن وسہن کو جتنا زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کے زمانے اور آپ ﷺ کے طریقے کے ساتھ منطبق کرتے چلے جائیں گے اتنی ہی ان کو ترقی ہوگی۔ اور جتنی اس میں کمی اور نقصان ہوگا اتنا ہی دینی و دنیوی ترقی میں نقصان ہوگا۔

مسلمانوں کی ترقی کا مدار صرف کتاب وسنت پر ہے۔ اس پر عمل پیرا ہو کر وہ ایک قلیل عرصہ میں دنیا پر چھائے۔ اسی برقی قوت کی طاقت سے وہ بدر اور قادسیہ کے میدانوں میں چمکے، حالانکہ تعداد ظاہری و مادّی وسائل کے لحاظ سے دشمنوں کے مقابلہ میں بہت کم تھے۔

حالانکہ اس قافلہ کے سردار سید الکونین ﷺ کے یہاں کئی کئی روز تک فاقہ ہوتا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ: قَالَتْ مَاشَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [1]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ محمد ﷺ کے گھر والوں نے جو کی روٹی سے دو دن شکم سَیر ہو کر کھانا نہیں کھایا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے شاید ہی چھنا ہوا آٹا دیکھا ہو۔ اور غزوۂ خندق کے موقعہ پر حضور ﷺ پیٹ مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھے ہوئے تھے۔ جب آقا کا یہ حال تھا، تو آپ کے غلاموں کا جو حال ہوگا وہ ظاہر ہے۔ لیکن اللہ جلّ شانہٗ نے وہ کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی تھی کہ جو آج تک نہ تو کسی کو نصیب ہوئی نہ نصیب ہوگی۔

بے نظیر کامیابی

اس کامیابی و کامرانی اور ان عظیم الشان فتوحات کی وجہ صرف سید الکونین ﷺ کے لائے ہوئے دین اور طریقوں کا اتباع تھا۔ صحابۂ کرامؓ کا یہ غیر معمولی کارنامہ ہے کہ مختصر مدت میں ایک ایسے دین اور اس کے ایسے طریقوں کو جو اُن کے لیے بالکل نئے تھے، نہ یہ کہ صرف ان کو سیکھ لیا بلکہ ان پر کامل طریقہ پر کاربند ہو گئے اور عمل کر کے دنیا کو دکھلایا کہ عمل اور اتباع اسی کا نام ہے۔ اس کے بدلہ اور ثمرہ میں حق تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں دین اسلام کی تکمیل کا اعلان کر دیا۔

أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ۝ [2]

---

[1] متفق علیہ واللفظ لمسلم۔ بخاری: ۴۹۵۵، ۴۹۹۶، ۵۰۰۳ وغیرہ / مسلم: ۵۲۷۴، ۵۲۷۶ وغیرہ۔

[2] سورۃ المائدۃ: ۳۔ ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کیا، اور میں نے تم پر میری نعمت کو پورا کیا، اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کیا۔''

یہ انسانیت کا کتنا بڑا کمال تھا کہ جوان کے لئے ایک نیا عمل اور انوکھا طریقہ تھا، اس پر عمل کر کے انھوں نے اس کو پایۂ تکمیل پر پہنچا دیا۔ اس کا حقیقی بدلہ تو ان کو حق تعالیٰ آخرت میں عطا فرمائیں گے لیکن اس کی کچھ جھلک برائے نام دنیا میں بھی دکھلائی گئی۔

اگرچہ اس انعام کو انعاماتِ اخروی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں، لیکن حق تعالیٰ نے ان کی محنتوں اور دین کے لئے ان کی جانفشانیوں کی وجہ سے دنیا میں بھی انہیں سرفراز فرمایا، جس کو علامہ ابنِ کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک جگہ تفصیل سے لکھا ہے۔

یہی وہ اسلام ہے جس کا ایک شوشہ بھی قیامت تک نہ بدلے گا۔ اسی دین اسلام کے پیروؤں کو خدائے پاک نے کفار پر غلبہ دیا۔ اور یہ مشرق سے لے کر مغرب تک گھوڑے دوڑاتے چلے گئے اور بیشتر سرزمین عالم کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اور بڑے بڑے جابر اور سرکش بادشاہوں کی گردنیں اُن کے سامنے جھک گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے اور دولتیں اُن کے قدموں میں ڈال دیئے گئے۔ فتح و غنیمت ان کے رکاب چومنے لگی۔ کسریٰ کی سلطنت اور ان کے بھڑکتے ہوئے آتشکدے ان کے ہاتھوں ویران ہوئے۔ قیصر کا تخت و تاج ان خدا والوں نے تاخت و تاراج کر دیا اور ان کے خزانوں کو خدائے واحد کی رضامندی میں اور اس کے سچے نبی ﷺ کے دین کی اشاعت میں خوب دل کھول کر خرچ کیا۔ اور خدا و نبی ﷺ کے وعدوں کو چودھویں رات کے روشن چاند کی طرح سچے ہوتے ہوئے لوگوں نے دیکھ لیا۔

لیکن آج امت محمدیہ ﷺ اپنے پلیٹ فارم سے پلٹنے کی وجہ سے اور اپنے سچے نبی ﷺ کی سنتوں اور لائے ہوئے دین سے رُوگردانی کرنے کی سزا میں خدائے قدوس، جبار و قہار و عادل نے، جو اس کے عین عدل کا تقاضا بھی تھا، ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ایک بار پھر ان کو ہم پر مسلّط کر دیا تا کہ امت محمدیہ ﷺ کو اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ پھر اپنے اصل نقطۂ نظر اور صحیح دین پر آ جائے۔

بقول حضرت شیخ الہندؒ دیوبندی ؎

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سُن لو ☆ ہر تغیّر سے صدا آتی ہے فَا فْھَمْ فَا فْھَم

اسلام کی آخری رونق

یہ امت عنقریب پھر انشاء اللہ اپنے صحیح رُخ پر آ جائے گی۔ کیونکہ تاریخ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ جب اس امت نے غلط روی اختیار کی تو خداوند لاشریک لہٗ کی بے آواز لاٹھی نے اس کو چاروں طرف سے سمیٹ کر اُسے اپنی اصل جگہ لا کھڑا کیا۔ اس لئے اب انشاء اللہ وہ دن زیادہ دور نہیں کہ ایک بار پھر شمشیرِ اسلام چلے گی۔ اور پھر اسلام کی بادِ بہاری کا جھونکا چلے گا۔ ساری دنیا اس کے آستانے پر اپنا سر جھکائے گی۔ اس آخری عہدِ سعید کے بعد انشاء اللہ قیامت تک اسلام اور اہلِ اسلام غالب ہی رہیں گے اور سارے مذاہب ختم ہو کر صرف ایک مذہب اسلام کا دنیا میں ڈنکا بجے گا۔

یہ سب سچوں کے سردار اور جن کی سچائی پر مہرِ خدا لگ چکی ہے یعنی آنحضرت ﷺ خبر دے چکے ہیں جو اٹل ہے جس میں تبدیلی کا امکان نہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ آپ کی امت کا آخری گروہ قسطنطنیہ کو فتح کرے گا۔ اور وہاں کے تمام خزانے اپنے قبضہ میں کرے گا۔ اور رومیوں سے ان کی وہ گھمسان کی لڑائی ہوگی کہ اس کی نظیر سے دنیا خالی ہوگی۔ غرض بالآخر فتح و نصرت خدا اس امت کو دے گا۔ اور دنیا میں سارے مذاہب ختم ہو کر صرف مذہب اسلام باقی رہے گا۔ اور صرف ایک خدا کی پرستش ہوگی جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

وَتَكُوْنُ الْكَلِمَةُ وَاحِدَةً فَلَا يُعْبَدُ اِلَّا اللّٰهُ [1]	صرف کلمۂ توحید باقی رہے گا۔ پس صرف اللہ ہی کی عبادت ہوگی۔

ہماری دعا ہے کہ اس زمانے میں خدا کی نصرت اس امت کے ہمرکاب رہے اور روئے زمین پر اس کو غلبہ نصیب فرمائے۔ اور اُنہیں سمجھ دے کہ نہ وہ خدا کے سوا کسی کی عبادت کریں، نہ محمد ﷺ کے علاوہ کسی کی اطاعت کریں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۷

دوسرا باب

سید المرسلین ﷺ کی امتیازی شان
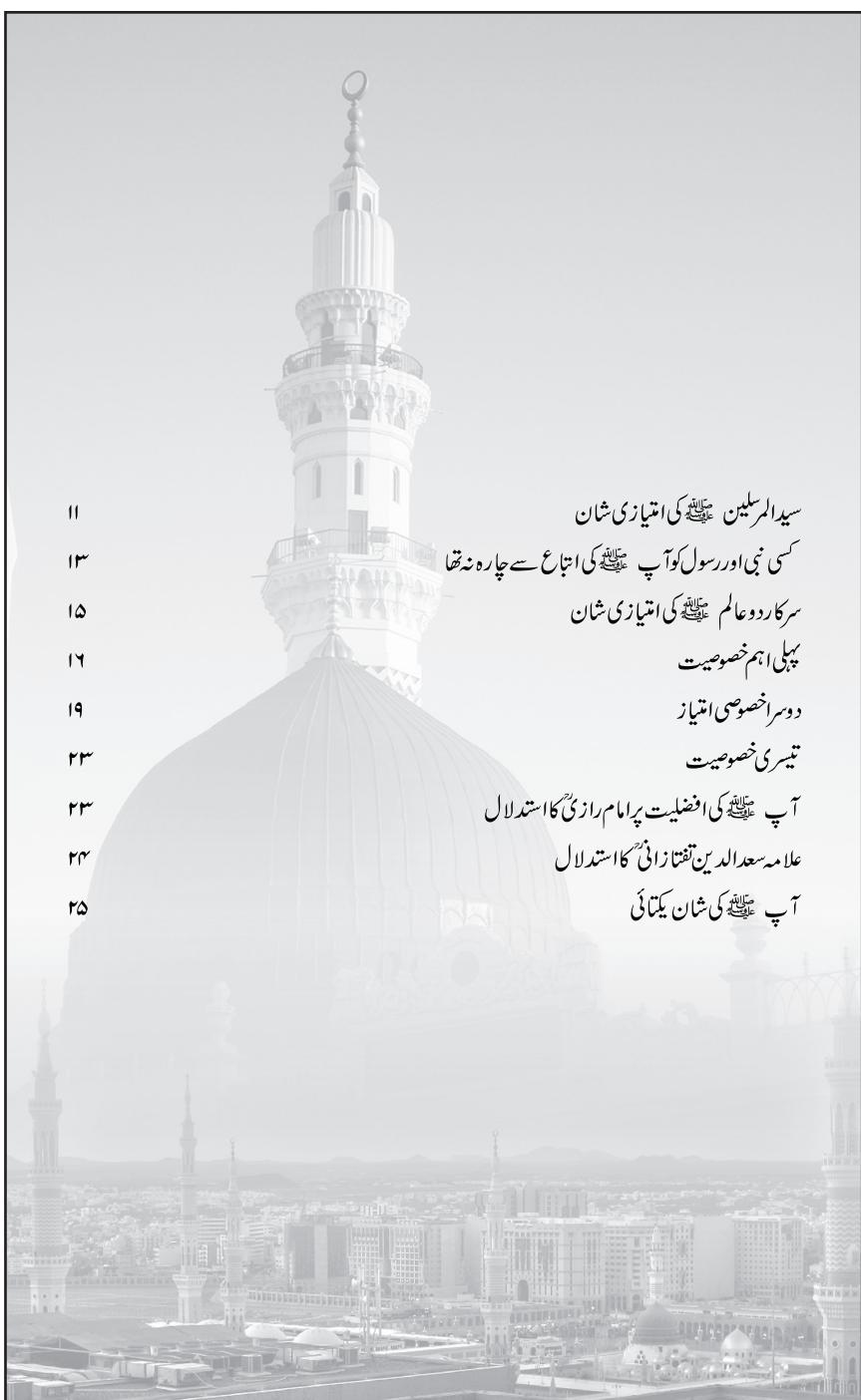
قرآن پاک میں ارشادِ باری ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِيْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o قُلْ أَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ o [۱]

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہ معاف کردینگے۔ اور اللہ تعالی بڑے معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہود نے کہا کہ:

"نَحْنُ اَبْنَاؤُ اللّٰہِ وَاَحِبَّاؤُہٗ" [۲]

(کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں)

تو اللہ جلّ شانہٗ نے یہ آیت مذکورہ نازل فرمائی کہ اگر اللہ سے محبت ہے تو خدا و رسول

---

[۱] سورۃ آل عمران: ۳۱ و ۳۲

[۲] سورۃ المائدۃ: ۱۸

ﷺ کی عبادت و اطاعت کرو۔ جب حضور ﷺ نے یہ آیت یہود کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

علامہ ابنِ کثیرؒ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے اعمال و اقوال و عقائد مطابق شرع محمدی ﷺ و فرمانِ نبوی ﷺ نہ ہوں اور طریقۂ محمد ﷺ پر وہ کاربند نہ ہو تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے۔

اس لیے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچے ہو تو میرے ہی طریقۂ زندگی پر عمل کرو۔ اس میں تمہاری تمنا سے زیادہ خدا تعالیٰ تمہیں دے گا یعنی وہ خود تمہارا چاہنے والا بن جائے گا۔ جیسا کہ بعض علماء و حکماء نے لکھا ہے کہ تمہارا چاہنا کوئی چیز نہیں۔ لطف تو اس وقت ہے کہ خدا تجھ کو چاہنے لگے۔ غرض خدا کی محبت کی نشانی یہ ہے کہ ہر کام میں اتباعِ سنت مدنظر رکھو۔

ابنِ ابی حاتمؒ حضرت عائشہؓ سے ایک ضعیف روایت میں نقل کرتے ہیں جس کا مضمون صحیح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کیا دین صرف اللہ کے لیے محبت اور اس کے لئے دشمنی کا نام نہیں ہے؟ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ''وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ'' (الخ) [۱]۔ اور فرماتے ہیں کہ سنت نبویہ ﷺ پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام تر گناہوں کو معاف کر دے گا۔ [۲]

پھر ہر خاص و عام کو حکم ملتا ہے کہ سب خدا اور رسول ﷺ کے احکام کو مانتے رہیں۔ جو اس سے لوٹ جائیں یعنی خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت سے ہٹ جائیں تو وہ کافر ہیں۔ اور خدا ان سے محبت نہیں رکھتا۔ [۳]

---

[۱] ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو بخش دیگا۔''

[۲] حلیۃ الاولیاء: ج ۸، ص ۳۶۸ / نوادر الاصول للحکیم الترمذی: ج ۴، ص ۱۴۷

[۳] تفسیر ابن کثیر: سورۃ آل عمران، آیت ۳۳ و ۳۴

اس سے صاف واضح ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت کفر ہے۔ یہ مخالفت کرنے والے خدا کے دوست نہیں ہو سکتے، خواہ زبان سے محبت کے دعویدار ہوں، جب تک کہ خدا کے سچے نبی، رسولِ جن و بشر، خاتم الرسل ﷺ کی تابعداری اور پیروی اور ان کی سنتوں کا اتباع نہ کریں وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔

کسی نبی ورسول کو آپ ﷺ کی اتباع سے چارہ نہ تھا

أَخِلَّائِيْ اِنْ شَطَّ الْحَبِيْبُ وَرَبْعُهُ وَعَزَّ تَلَاقِيْهِ وَنَائَتْ مَنَازِلُهُ

فَاِنْ فَاتَكُمْ اَنْ تُبْصِرُوْهُ بِعَيْنِهِ فَمَافَاتَكُمْ بِالسَّمْعِ هٰذِهٖ فَضَائِلُهُ [۱]

رسول اکرم ﷺ کو حق تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا ہے کہ اگر آج دوسرے انبیاء اور اولوالعزم پیغمبر بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی آپ ﷺ کی اتباع کے بغیر اور آپ ﷺ کی شریعت پر کاربند ہوئے بغیر چارہ کار نہ تھا۔ اس پر تو خدائے وحدہٗ لاشریک نے انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

وَاِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشَّاهِدِيْنَo فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

اور جب کہ عہد لیا اللہ نے انبیاء سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو مصدق ہو اس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس رسول پر بھی دل سے اعتقاد کرنا اور ہاتھ پاؤں سے اس کی طرفداری کرنا۔ پھر یہ عہد لے کر ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس پر

[۱] ترجمہ: ”دوستو! اگر دوست اور اسکا گھر دور ہی کیوں نہ ہوں، اور اگر چہ اسکی ملاقات دشوار اور منزلوں تک رسائی ناممکن سی ہونے لگی ہو، الغرض اگر تمہارے لئے اپنی آنکھوں سے اسکی زیارت ناممکن بھی ہوگئی ہو مگر تب بھی اسکے مناقب وفضائل کے سننے سے تو کوئی چیز مانع نہیں ہے۔“

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ ○ [1]

میرا عہد قبول کرلیا۔ وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد فرمایا تم گواہ رہنا اور میں اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ جو شخص روگردانی کرے گا اس کے بعد تو ایسے ہی لوگ بے حکمی کرنے والے ہیں۔

علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے تمام انبیاء سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جب کبھی ان میں سے جس کسی کو بھی خدائے تبارک وتعالیٰ کتاب وحکمت دے اور وہ بڑے رتبے تک پہنچ جائے، اور پھر اس کے بعد اس کے زمانے میں خدا کا آخری رسول ﷺ آجائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت وامداد کرنا اس کا فرض ہوگا۔ یہ نہیں کہ اپنے علم ونبوت پر نظر ڈال کر اپنے بعد والے نبی کی اتباع اور امداد سے رُک جائے۔ ان سے پوچھا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو اور مجھ سے مضبوط وعدہ کر رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہاں! ہمارا اقرار ہے۔ تو فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں خود بھی گواہ ہوں۔ اب اس عہد ومیثاق سے جو پھر جائے وہ قطعی فاسق، فاجر، سرکش وبدکار ہے۔

حضرت علی اور ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کردے کہ وہ حضور ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی تابعداری میں لگ جائے۔

آگے چل کر علامہ ابنِ کثیر نے کہ مسند امام احمدؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنے ایک دوست یہودی سے جو کہ بنی قریظہ میں سے تھا اس سے کہا تھا کہ وہ تورات کی جامع باتیں مجھے لکھ دے۔ اگر فرمائیں تو میں انہیں پیش کردوں۔'' حضور ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا۔ حضرت عبداللہؓ بن ثابت نے عمرؓ سے کہا

[1] سورۃ آل عمران: ۸۱ و ۸۲

کہ تم نہیں دیکھتے کہ آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا کیا حال ہے؟ تو فوراً عمرؓ کہنے لگے۔

''رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیناً وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً''

کہ میں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر خوش ہوں۔

اس وقت حضور ﷺ کا غصہ فرو ہو گیا۔ اور فرمایا کہ قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر حضرت موسیٰ تم میں آ جائیں اور تم ان کی تابعداری اختیار کر لو اور میری پیروی چھوڑ دو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ ان تمام امتوں میں سے میرے حصہ کی امت تم ہو۔ اور تمام انبیاء میں سے تمہارے حصہ کا نبی میں ہوں۔ [۱]

مسند ابو یعلی کی ایک روایت ہے کہ اہلِ کتاب سے کچھ نہ پوچھو۔ وہ خود گمراہ ہیں تمہیں راہِ راست کیسے دکھائیں گے؟ بلکہ ممکن ہے کہ تم کسی باطل کی تصدیق کر دو یا کسی حق کی تکذیب کر بیٹھو۔ خدا کی قسم! اگر موسیٰ بھی تم میں زندہ موجود ہوتے تو ان کے لئے بھی بجز میری تابعداری کے اور کوئی راہ نہ تھی۔ [۲]

پس ثابت ہوا کہ ہمارے پیغمبر ﷺ خاتم الرسل اور سید الانبیاء ہیں۔ جس زمانہ میں آپ ﷺ کی نبوت ہوئی اس وقت بھی آپ ﷺ واجب الاطاعت تھے اور قیامت تک کے لئے آپ ﷺ کی ذات گرامی پر ایمان و تصدیق اور آپ ﷺ کی اتباع و پیروی سب انسانوں پر فرض ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی امتیازی شان

یہی وجہ تھی کہ معراج کے موقعہ پر بیت المقدس میں تمام انبیاء کے آپ ﷺ ہی امام بنائے گئے۔ اسی طرح میدان حشر میں بھی خدا تعالیٰ کو فیصلوں کے لانے کے لیے شفیع آپ

---

[۱] تفسیر ابنِ کثیر: سورۃ آل عمران، آیت ۸۱و۸۲ / مسند احمد: ۱۵۸۶۴

[۲] مسند ابو یعلی: ۲۱۳۵ / مسند احمد: ۱۴۶۳۱

ﷺ ہی ہوں گے۔ یہ ہی وہ مقامِ محمود ہے جو آپ ﷺ کے سوا کسی کو لائق نہیں۔ تمام انبیاء کرام اور کل رُسل اس دن اس کام کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔

بالآخر آپ ﷺ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام پر کھڑے ہوں گے۔ علامہ شہاب الدین ابنِ حجر الہیتمی المکیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے آپ ﷺ کو سارے انبیاء کرام اور تمام مرسلین پر من کل الوجوہ فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ان میں سے تین تو بالکل صاف اور ظاہر ہیں۔ ویسے آپ ﷺ کے صرف خصائص کو بیان کرنے کے لیے دفتر کے دفتر بھی کافی نہیں۔ صرف اہم خصوصیات کو بیان کرتا ہوں۔

پہلی اہم خصوصیت

آپ ﷺ کو جسدِ ظاہری کے ساتھ معراج کرائی گئی اور یہ شرف سوائے ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ ﷺ کے اور کسی کو حاصل نہیں۔ اور جس اعزاز و اکرام اور شان کے ساتھ بلوایا اس سے بھی شانِ یکتائی ٹپکتی ہے۔ بیت المقدس میں جمیع انبیاء اور ملائکہ تک کا آپ ﷺ کو ہی امام بنایا گیا۔ اور نماز سے فراغت کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے سارے انبیاء کرام سے آپ ﷺ کا تعارف کرایا۔ اور انبیاء کرام نے آپ ﷺ کو خراجِ تحسین اور مبارک باد پیش کیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی حمد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ہی مستحق حمد ہے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا، اور روحانی ملک عظیم عطا فرمایا اور فرمانبردار امت بنایا (گویا کہ ایک فرمانبردار ہزاروں کے برابر ہے) اور مجھے اپنے پیغاموں سے برگزیدگی بخشی اور مجھے نمرود کی آگ سے نکالا اور اس کو مجھ پر سرد اور موجبِ سلامتی بنایا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تمام تعریف اس خدا کے لیے ہے جس نے مجھے اپنا کلیم اور برگزیدہ بنایا اور مجھ پر توریت اتاری اور فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات

میرے ہاتھوں پوری کی۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا کہ اللہ ہی حمد کا مستحق ہے جس نے مجھے سلطنت بخشی اور مجھ پر زبور اُتاری اور میرے لئے لوہے کو نرم کیا اور پہاڑوں کو میرے تابع کیا کہ وہ اور پرندے میرے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ اور مجھے عقلِ سلیم عطا فرمائی اور فصلِ مقدمات کی استعداد بخشی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ ہی حمد کا مستحق ہے جس نے ہواؤں، جنوں اور انسانوں کو میرے لیے مسخر کیا اور شیاطین کو میرے تابع بنایا کہ وہ بناتے تھے جو کچھ میں چاہتا تھا قلعے، اسٹیچو، تالاب جیسے لگن اور دیگیں جو ایک جگہ جمی رہیں کہ ہلائے بھی نہ ہل سکیں۔ اور مجھے جانوروں کی بولی کی سمجھ عطا فرمائی اور میرے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا کہ پگھلانے کی ضرورت نہ رہی اور بڑے بڑے برتن جنوں کے ہاتھوں بنوائے اور مجھے اتنی بڑی سلطنت بخشی جو کسی کے شایان شان نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ ہی حمد کا مستحق ہے جس نے مجھے توریت اور انجیل کا علم دیا اور مجھے ایسا بنایا کہ باذن خدا مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست اور مردہ کو زندہ کروں اور مجھے آسمان پر اٹھایا اور کافروں کے مکر وشر سے پاک رکھا اور میری ماں کو پناہ بخشی شیطان مردود سے اور ہم پر شیطان کی کسی قسم کی دسترس نہ ہونے دی۔

فَقَالَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ أَثْنٰى عَلٰى رَبِّهِ وَأَنَا مُثْنٍ عَلٰى رَبِّيْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَرْسَلَنِيْ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَكَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَّ نَذِيْراً وَّ أَنْزَلَ عَلَيَّ الْقُرْاٰنَ فِيْهِ بَيَانٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّجَعَلَ أُمَّتِيْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

اس کے بعد سید کونین ﷺ نے فرمایا کہ آپ سب حضرات نے اپنے رب کی ثنا بیان کی لہٰذا میں بھی اپنے رب کی ثنا بیان کرتا ہوں کہ اللہ ہی حمد کا مستحق ہے جس نے مجھے تمام کائنات کے لیے رحمت اور تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا اور مجھ پر قرآن نازل کیا جس میں ہر

وَجَعَلَ أُمَّتِیْ أُمَّةً وَّسَطاً وَّجَعَلَ أُمَّتِیْ هُمُ الْأَوَّلُوْنَ وَهُمُ الْآخِرُوْنَ وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَوَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَرَفَعَ لِیْ ذِکْرِیْ وَجَعَلَنِیْ فَاتِحاً وَّ خَاتِماً [۱]

ضروری چیز کا بیان ہے اور میری امت کو جتنی بھی امتیں دنیا میں آئیں ان سب سے بہترین بنایا اور میری امت کو درمیانی امت بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ شرف کے اعتبار سے سب سے اول بھی ہے اور ظہور کے اعتبار سے سب سے آخر بھی ہے۔ اور میرا شرح صدر فرمایا اور بوجھ اتارا اور میرا ذکر بلند کیا اور مجھ ہی کو (بلحاظ عطاء نبوت) پہلا بنایا اور (بلحاظ بعثت) پچھلا بنایا۔

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیگر انبیاء کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ان ہی کمالات کی وجہ سے حق تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تم پر فضیلت دی۔ یہ طویل حدیث آپ ﷺ کی جمیع انبیاء کرام سے فضیلت کے بارے میں علامہ ابنِ کثیرؒ نے بیان کی ہے۔ اس میں سرور عالم ﷺ نے خود اپنی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ علماء کرام بھی خوب جانتے ہیں کہ دیگر انبیاء کرام کے مقابلہ میں آپ ﷺ کے کلام میں کتنی جامعیت ہے کہ دیگر انبیاء کرام نے اپنی خصوصیات کے بجائے اپنے معجزات کو ذکر فرمایا اور سید الکونین ﷺ نے اپنے امتیازات کو ہی ذکر فرمایا ہے۔ نیز ''أُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمَ'' [۲] کے بمصداق آپ ﷺ نے چند الفاظ میں وہ مضمون بیان فرمایا ہے گویا سمندر کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ [۳]۔ جیسے آپ ﷺ کو جمیع انبیاء کرام اور سارے جن و

---

[۱] تفسیر ابنِ کثیر: سورۃ الاسراء، آیت ۱

[۲] متفق علیہ واللفظ لمسلم۔ بخاری: ۶۴۹۶، مسلم: ۸۱۲، ۸۱۴، ۸۱۵۔ ترجمہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے مختصر لفظوں میں گہرے معانی بیان کرنے کا کمال بخشا گیا ہے۔''

[۳] ترجمہ: ''شاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔''

انس پر سیادت حاصل ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے کلمات کو بھی دیگر کلاموں پر رتبہ حاصل ہے۔

دوسرا خصوصی امتیاز

آپ ﷺ کے امتیازات میں سے دوسرا خصوصی اہم امتیاز **السیادة علی جمیع الانس و الجن** ہے۔ آپ ﷺ تمام انبیاء کرام اور مرسلین بلکہ تمام مخلوقات، جن و بشر کے سردار ہیں۔ سرورِ کونین فخرِ دوعالم صادق ومصدوق ﷺ جن کی صداقت پر دشمنوں تک نے شہادت دی اور خود خالقِ دوعالم خدائے وحدہٗ لاشریک شاہد ہے اور جو خود فرما رہے ہیں:

أَنَـا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَافَخْرَ وَ بِيَـدِیْ لِـوَآءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِـنْ نَبِـيٍّ اٰدَمَ فَـمَـنْ سِـوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ [۱]

میں ہی بنی نوع آدم کا قیامت کے دن سردار ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ اور میرے ہی ہاتھ میں حمدِ باری کا پرچم ہوگا اور اس پر بھی فخر نہیں۔ اور آدم علیہ السلام سے لیکر تمام انبیاء قیامت کے دن میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہونگے اور اس پر بھی فخر نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

أَنَـا حَبِيْـبُ الـلّٰـهِ وَلَا فَخْرَوَ أَنَا حَامِلُ لِـوَآءِ الْـحَـمْـدِ يَـوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَأَنَـا أَوَّلُ شَـافِـعٍ وَّ أَوَّلُ مُشَـفَّعٍ يَّوْمَ الْـقِيَـامَةِ وَلَا فَـخْـرَ وَ أَنَـا أَوَّلُ مَـنْ يُّـحَـرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِیْ

میں اللہ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر نہیں کرتا۔ اور میں ہی قیامت کے دن حمد کے پرچم کو تھامے ہوئے ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں ہی سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلا مقبولِ

---

[۱] سنن الترمذی: ۳۱۴۸، ۳۶۱۵

فَيُدْخِلُنِيهَا وَمَعِيَ فُقَرَآءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَلَا فَخْرَ [۱]

شفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ اور سب سے پہلے میں جنت کے کواڑ بجاؤں گا اور اللہ تعالیٰ میرے لئے کھلوائیں گے اور اس وقت میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور اولین و آخرین میں سب سے معزز میں ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جِبْرَئِيْلَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالىٰ أَنَّهُ قَالَ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَنَنْتُ عَلَيْكَ بِسَبْعَةَ أَشْيَآءَ: أَوَّلُهَا أَنِّيْ لَمْ أَخْلُقْ فِيْ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْكَ [۲]

آپ ﷺ جبرئیلؑ سے اور جبرئیل اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ پر سات چیزوں کے ساتھ خصوصی احسان و انعام فرمایا۔ ان میں سب سے پہلی یہ کہ میں نے آسمانوں اور زمینوں میں اپنے نزدیک آپ سے زیادہ مکرم کسی کو نہیں پیدا کیا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ لِيْ جِبْرَئِيْلُ أَبْشِرْ فَإِنَّكَ خَيْرُ خَلْقِهِ، أَبْشِرْ حَيَّاكَ اللّٰهُ بِمَا لَمْ يُحَيِّ بِهِ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِهِ لَا مَلَكاً مُّقَرَّبًا وَّلَا نَبِيّاً مُّرْسَلاً وَّلَقَدْ قَرَّبَكَ الرَّحْمٰنُ اِلَيْهِ مِنْ قُرْبِ عَرْشِهِ مَكَاناً لَّمْ يَصِلْ

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ کے لیے بشارت اور خوشخبری ہے کہ آپ اللہ جلّ شانہٗ کی تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور خوشخبری قبول فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح سلام کیا کہ اپنی مخلوقات میں سے نہ

---

[۱] سنن الترمذی: ۳۶۱۶ / سنن الدارمی: ۴۸

[۲] الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر الہیتمی، ص ۲۵۵

اِلَیْـہِ أَحَـدٌ مِّنْ أَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَلَا مِنْ أَھْـلِ الْأَرْضِ فَھَـنَـاکَ الـلّٰہُ بِکَرَامَتِہٖ وَمَا حَیَّاکَ بِہٖ [۱]

کسی مقرب فرشتہ کو کیا اور نہ کسی نبی مرسل کو کیا۔ اور رحمٰن تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنے عرش کے قریب وہ منصب مقرر فرمادیا ہے کہ جو آج تک نہ آسمان والوں میں سے کسی کو نصیب ہوا اور نہ زمین والوں میں سے کوئی وہاں تک پہنچ سکا۔ پس اللہ جلّ شانہٗ آپ کو اس رتبہ عظیم اور اس سلام کو مبارک فرمائے۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے:

أَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ [۲]

(میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔)

بیہقی کی روایت میں ہے:

أَنَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ [۳]

(میں تمام دنیا کا سردار ہوں۔)

اس مرتبۂ سیادت کی وجہ سے قیامت کے دن آپ ﷺ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا اور وہاں جلوہ افروز ہوکر آپ ﷺ حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں ساری مخلوقات کے حساب و کتاب کے شروع کرنے کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔

یہی شفاعت عظمیٰ ہے۔ اور یہ شفاعت اس دن ہوگی جس دن کہ تمام انسان اور اولوالعزم پیغمبران، حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کے پاس

---

[۱] الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر الہیتمی، ص ۲۵۵

[۲] بخاری: ۴۳۴۳

[۳] أخرجہ البیہقی فی فضائل الصحابۃ

جا کر درخواست کریں گے کہ آپ اللہ جلّ شانہٗ سے سفارش کریں کہ اللہ جلّ شانہٗ ہمارا حساب لے لیں، چاہے ہمیں جہنم ہی میں پھینک دیں لیکن یہاں کی سختی ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔

اس پر سارے اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہر ایک اپنے متعلق کوئی بات یاد کر کے فرمائیں گے کہ ''نَفْسِیْ نَفْسِیْ'' (مجھے تو اپنی پڑی ہے، مجھے تو اپنی پڑی ہے)۔ مگر اس دن اور اس وقت ہمارے آقا اور سردار جناب محمد ﷺ فرمائیں گے۔ ''أَنَا لَهَا، أَنَا لَهَا'' (میں اس کو انجام دوں گا۔ میں اس کو انجام دوں گا)۔

اس دن ساری مخلوقات آپ ﷺ کی نظرِ کرم کی محتاج ہوگی، ان کے ادنیٰ بھی اور ان کے اعلیٰ بھی، ان کے انبیاء کرام بھی اور اُن کے رُسل بھی۔ اس دن اس شفاعت عظمیٰ کے لیے ہمارے آقا ﷺ کے علاوہ اور کوئی دم نہیں مار سکے گا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں کھڑا ہوا اپنی امت کا انتظار کر رہا ہوں گا کہ پل صراط سے آسانی سے پار ہو جائے کہ اچانک حضرت عیسیٰؑ تشریف لائیں گے اور کہیں گے کہ اے محمد ﷺ! یہ انبیاء کرام آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں تا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس میدان حشر سے ساری امتوں کے مجمع کو منتشر کر دیں اور ان کو گناہوں کے بوجھ کے اعتبار سے جہاں جہاں بھیجنا ہو وہاں بھیج دیں، اس لئے کہ مخلوق پسینہ میں ڈوب رہی ہے۔ البتہ مؤمن کو زکام کی طرح پسینہ بہہ رہا ہوگا، لیکن کافر کا تو موت بالکل گلا ہی دبا رہی ہوگی۔ آپ ﷺ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰؑ! آپ یہاں انتظار کریں، میں ابھی واپس آتا ہوں۔

یہ فرما کر رسول پاک ﷺ تشریف لے جائیں گے اور عرش خداوندی کے نیچے کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ کو قربِ خداوندی نصیب ہوگا جس کو اب تک نہ کوئی مقرب فرشتہ پاسکا، نہ نبی اور نہ کوئی رسول۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت جبرئیل سے فرمائیں گے

کہ محمد ﷺ سے کہو:

اِرۡفَعۡ رَاۡسَکَ وَسَلۡ تُعۡطَهۡ وَاشۡفَعۡ تُشَفَّعۡ [۱]

کہ سر اوپر اُٹھایئے اور سوال کیجئے! آپ جو سوال کریں گے دیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے! آپ جس کی شفاعت کریں گے قبول کی جائے گی۔

تیسری خصوصیت

آپ ﷺ کی تیسری خصوصیت جس کو علامہ ابنِ حجر الہیتمی المکیؒ نے ذکر فرمایا ہے وہ آپ ﷺ کے بے شمار معجزات ہیں جو ہمیشہ باقی رہیں گے۔

وَکَفٰی بِالۡقُرۡاٰنِ مُعۡجِزَةً مُّسۡتَمِرَّةً اِلٰی قُرۡبِ قِیَامِ السَّاعَةِ وَفِیۡهِ مِنَ الۡمُعۡجِزَاتِ وَ الۡفَضَائِلِ لِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ [۲]

اور معجزہ کے طور پر خود ایک قرآن کافی ہے جو قرب قیامت تک باقی رہے گا۔ اور خود اس میں رسول پاک ﷺ کے بے شمار معجزات اور آپ ﷺ کے بے پایاں فضائل ومناقب بیان کئے گئے ہیں۔

آپ ﷺ کی افضلیت پر امام رازیؒ کا استدلال

امام رازیؒ آپ ﷺ کے سارے انبیاء کرام سے افضل ہونے پر ارشاد باری تعالیٰ ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقۡتَدِهۡ'' [۳] سے استدلال کرتے ہوئے

[۱] مسند امام احمد: ۱۲۸۲۴۔ امام الہیثمی فرماتے ہیں: و رجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد: ج۱۰، ص ۳۷۴)۔ البتہ یہ حدیث ایک اور مضمون کے ساتھ، جس میں آپ ﷺ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے عام لوگوں کے تقاضے پر دربارِ الٰہی میں حاضر ہونا مروی ہے، متفق علیہ ہے۔

[۲] الفتاوی الحدیثیة لابن حجر الہیتمی، ص ۲۰۴

[۳] سورۃ الأنعام: ۹۰۔ ترجمہ: ''یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، تو انکی ہدایت کی آپ اقتداء کیجئے۔''

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سارے انبیاء کرام اور رُسل کو اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف فرمایا جواُن میں فرداً فرداً تھے۔ پھر آپ ﷺ کو ان سب کی اقتداء کا حکم فرمایا تو جو جو اوصاف ان میں انفرادی طور پر تھے وہ سارے آپ ﷺ میں مجتمع ہو گئے۔ لہٰذا آپ ﷺ ان سب سے افضل ہوئے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری [1]

علامہ سعدالدّین تفتازانیؒ کا استدلال

علامہ سعدالدین تفتازانیؒ ارشاد باری تعالیٰ: ''**كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ**'' [2] سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس امت کا ساری امتوں سے بہتر ہونا آپ ﷺ ہی کے کمال فی الدین کی وجہ سے ہے اور آپ ﷺ کی امت کا یہ کمال اپنے نبی کے کمال کے تابع ہے جس کی وہ اقتدا اور پیروی کرتی ہے۔ تو اگر (العیاذ باللہ) آپ ﷺ سارے انبیاء کرام سے افضل نہ ہوتے تو پھر آپ ﷺ کی امت بھی خیرالاُمم نہ ہوتی۔

اور قرآن پاک کی یہ آیت بالکل صاف بتلا رہی ہے کہ یہ امت ساری امتوں سے افضل ہے۔ لہٰذا اس امت کے نبی ﷺ بھی سارے انبیاء کرام سے افضل ہیں، اس لئے کہ ان دونوں میں تلازم بالکل ظاہر ہے۔ غرض آپ ﷺ سارے انبیاء علیہم السلام سے اوصاف کمال کے ہر وصف میں افضل اور برتر ہیں۔

اسی لئے اللہ جلّ شانہٗ نے اور انبیاء کرام کو تو قرآن پاک میں ان کے نام کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ جناب سرکار دو عالم ﷺ کو کہیں نام کے ساتھ خطاب نہیں فرمایا۔ بلکہ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ، يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ، يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ**

---

[1] ترجمہ: 'جو کچھ تمام ارباب کمال خوبیاں رکھتے ہیں، وہ تنہا آپ میں موجود ہیں۔'

[2] سورۃ آل عمران: ۱۱۰۔ ترجمہ: ''تم بہترین امت ہو جو انسانوں کے لئے نکالی گئی ہو۔''

وغیرہا کی طرح آپ ﷺ کے اوصاف عالیہ میں سے کسی صفت کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔

آپ ﷺ کی شانِ یکتائی

نیز منجملہ سید الکونین ﷺ کے خصوصی امتیازات میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کو حق جلّ مجدہٗ نے عمومی بعثت کے ساتھ سرفراز فرمایا۔ آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء کرام اور رُسل آئے تھے ان میں سے کسی کو عمومی بعثت اور دعوت عامہ عطا نہیں کی گئی، بلکہ وہ کسی خاص قوم یا کسی خاص علاقہ کی طرف بھیجے جاتے تھے۔

اور آپ ﷺ تمام دنیا جہان والوں کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں متعدد جگہ وارد ہوا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ [۱]

بڑی عالیشان ہے وہ ذات جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (قرآن) اپنے بندۂ خاص (محمد ﷺ) پر نازل کی کہ وہ تمام دنیا والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

علامہ ابنِ کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ یعنی آپ ﷺ قرآن پاک کی تبلیغ دنیا بھر میں کردیں، ہر سرخ وسفید اور ہر دور ونزدیک والوں کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں۔ جو بھی آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے، اس کی طرف آپ ﷺ کی بعثت ہے۔ جیسا کہ خود اللہ کا فرمان ہے:

"قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً ۨ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" [۲]

---

[۱] سورۃ الفرقان: ۱

[۲] سورۃ الأعراف: ۱۵۸

(آپ کہہ دیجئے اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اورزمینوں میں ہے۔)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اے نبی ﷺ! عرب اور عجم اور دنیائے جہان کے لوگوں سے کہہ دو کہ میں سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ یہ آپ کا سب سے بڑا اشرف وعظمت ہے کہ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہوگئی اور قیامت تک آپ ساری دنیاکے پیغمبر ہیں۔

نیز ایک روایت میں آیا ہے کہ حضوراکرم ﷺ غزوۂ تبوک میں رات کی نماز پڑھنے کے لیے اُٹھے تو آپ ﷺ کے بعض اصحاب آپ ﷺ کی حفاظت اورنگرانی کرنے لگے۔ نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اورفرمایا کہ آج رات پانچ چیزیں خصوصیت کے ساتھ مجھے دی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے یہ امتیازات کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں دیئے گئے تھے۔

۱۔ میں دنیائے جہان کے لوگوں کی طرف پیغمبر بن کر آیا ہوں۔ اوراس سے پہلے ہر ایک رسول صرف اپنی قوم ہی کی طرف رسول بن کرآتا تھا۔

۲۔ مجھے صرف رعب ہی سے دشمن پر فتح حاصل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ ایک ماہ کی مسافت کی دوری پر ہو،مگراس پر میرا رعب چھا جاتا ہے۔

۳۔ مالِ غنیمت میرے لیے اورمیری امت کے لیے حلال کر دیا گیا ہے،لیکن پہلے مالِ غنیمت کو کھانا گناہ کبیرہ تھا۔ اس کو جلا دیا جاتا تھا۔

۴۔ ساری زمین میرے لیے پاک ہے اورمسجد ہے۔ جہاں کہیں نماز کا وقت آیا اُسی مٹی سے تیمّم کرلیا اوراُسی مٹی پر نماز پڑھ لی۔ برخلاف مجھ سے پہلے کے لوگ کہ صرف اپنے گرجاؤں اورعبادت گاہوں میں عبادت کرسکتے تھے۔

۵۔ یہ کہ مجھے کہا گیا کہ ایک چیز کی اجازت ہے، مانگ لو۔ اس لئے کہ ہر نبی نے اپنی

پسندیدہ چیز کی درخواست کی ہے۔ میں نے اپنا سوال قیامت پر اُٹھا رکھا ہے اور وہ تمہارے لئے اور ہر اُس شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی گواہی دے۔ [1]

اس موضوع پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ:

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　ماہمچناں دراول وصفِ تو ماندہ ایم [2]

---

[1] مسند امام احمد: ۲۱۳۱۴۔ یہ حدیث کچھ اختصار کے ساتھ متفق علیہ ہے۔

[2] ترجمہ: 'دفتر بھر گئے اور عمر تمام ہونے کو ہے، مگر ہم ابھی تک آپ کے پہلے وصف کے بیان میں الجھے ہوئے ہیں۔'

تیسرا باب

معاملات کا تصفیہ بھی سنت سے

قرآن میں خدااوررسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُـوْا أَطِيْعُوْا اللّٰـهَ وَ أَطِيْـعُـوْا الرَّسُوْلَ وَ أُوْلِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالـرَّسُـوْلِ اِنْ كُـنْتُـمْ تُـؤْمِنُوْنَ بِاللّٰـهِ وَالْيُـوْمِ الْاٰخِـرِ ذٰلِكَ خَيْـرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلاً ٥ [۱]

اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں سے جو لوگ اہلِ حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو خدا اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو اگر تم اللہ اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ امور سب سے بہتر ہیں اور ان کا انجام خوش تر ہے۔

اس آیت شریفہ کی تفسیر میں علامہ ابنِ کثیرؒ نے مفصل مضمون لکھا ہے۔اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ میری اطاعت کرنے والا اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے۔اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اس آیت شریفہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب کی اتباع کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو یعنی آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرو اور حاکموں کی

[۱] سورۃالنساء،: ۵۹

اطاعت کرو لیکن اس چیز میں جس میں خدا کی اطاعت ہو۔ اور اگر ان کا کوئی حکم خدا کے حکم کے خلاف ہو تو اطاعت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ایسے وقت علماء یا امراء کی بات ماننا حرام ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اطاعت صرف معروف میں ہے۔ [۱] یعنی فرمانِ خدا اور رسول ﷺ کے دائرہ میں اطاعت ہے۔ اور

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ [۲]

(جس چیز میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہیے۔)

اختلافی معاملات میں آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی حَکَم ہے

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ [۳]

(پھر اگر تم کسی امر میں اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ و رسول کے حوالہ کر دیا کرو اگر تم اللہ اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔)

اگر تم میں کسی بات میں جھگڑا پیدا ہوا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاؤ، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی طرف۔ پس یہاں صاف اور صریح لفظوں میں حکم ہو رہا ہے کہ لوگ کسی مسئلہ میں اختلاف کریں، خواہ وہ مسئلہ اصول دین سے متعلق ہو یا فروع دین سے وابستہ ہو، اس کے تصفیہ کی صورت صرف یہی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو حَکَم مان

---

[۱] اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِیْ الْمَعْرُوْفِ: متفق علیہ۔ بخاری: ۶۷۲۶، ۶۸۳۰، مسلم: ۴۸۷۱، ۴۸۷۲، ۴۸۷۴

[۲] المعجم الأوسط: ۳۹۱۷ والکبیر: ۱۵۰۹۱ للطبرانی، کنزالعمال عن الدیلمی: ۶۲۲۵۔ البتہ دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں بھی مروی ہے۔ بخاری: ۶۸۳۰ میں ہے 'لَا طَاعَةَ فِی الْمَعْصِیَةِ'، مسلم: ۴۸۷۱ میں ہے 'لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ'۔

[۳] سورۃ النساء: ۵۹

لیا جائے، جواس میں ہووہ بلا چون و چرا قبول کرلیا جائے۔پس کتاب وسنت جوحکم دے اور جس مسئلہ پرحق کی شہادت دے وہی درست اور حق ہے، باقی سب باطل ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

فَمَاذَا بَعۡدَالۡحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ [1]

(حق کے بعد جو کچھ ہے ضلالت اور گمراہی ہے۔)

اس لئے یہاں بھی یہ ہی ارشاد ہے کہ اگرتم قیامت پراور خدا پر ایمان رکھنے کے بارے میں سچے ہوتو جس مسئلے کا تمہیں علم نہ ہو، جس مسئلے میں اختلاف ہو، جس امر میں الگ الگ رائیں ہوں، سب کا فیصلہ کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ سے کیا کرو اور جو اُن دونوں میں ہو، اسے مان لیا کرو۔ پس آیت شریفہ سے ثابت ہوا کہ جو شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب وسنت کی طرف نہ لے جائے وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا ہے۔

اسی طرح قرآن پاک میں ایک جگہ نزول قرآن پاک کا یہ مقصد بھی بتلایا گیا ہے کہ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاکَ اللّٰهُ. [2]

قرآن وسنت کے فیصلے پر دل سے رضامندی ضروری ہے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے تنازعہ میں قرآن وحدیث اور شریعت کو حکم بنانا چاہئے اور پھر شرع جس کے حق میں فیصلہ کردے اس کو خوشی خوشی تسلیم کر لینا چاہئے۔ دل میں کسی قسم کی تنگی نہ ہونی چاہئے۔اگر ایسا کچھ محسوس ہوتو خود ہی اپنا مرض تجویز کر لینا چاہئے کہ ہمارا ایمان ویقین ابھی کمزور ہے اوراس میں ابھی کچھ نفسانیت کی آمیزش ہے، کیونکہ یہ علامت نفاق کی ہے۔چنانچہ منافقین کے بارے میں ارشاد باری ہے:

[1] سورۃ یونس: ۳۲

[2] سورۃ النساء: ۱۰۵۔ ترجمہ:''تاکہ آپ فیصلہ کریں انسانوں کے درمیان اسکے مطابق جواللہ آپ کو دکھائے۔''

أَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا أُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ أُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ فَكَيْفَ اِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِّمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ أَرَدْنَا اِلَّا اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْ أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ۝ [1]

کہ آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی، وہ اپنے مقدمے شیطان کے پاس لیجانا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ شیطان کو نہ مانیں اور شیطان ان کو بہکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف تو آپ منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ پھر کیسی جان کو بنتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو ان کی حرکات کی بدولت جو کچھ وہ پہلے کر چکے تھے۔ پھر آپ کے پاس آتے ہیں خدا کی قسم کھاتے ہوئے کہ ہمارا کچھ اور مقصود نہ تھا سوائے اسکے کہ کوئی بھلائی نکل آئے اور باہم موافقت ہو جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔سو آپ ان سے تغافل کر جایا کیجئے اور ان کو نصیحت فرماتے رہیے اور ان سے خاص ان کے متعلق کافی مضمون کہہ دیجئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دعوے کو جھٹلایا ہے جو زبانی اقرار کرتے ہیں

---

[1] سورۃ النساء: ۶۰ تا ۶۳

کہ اللہ تعالیٰ کی تمام اگلی کتابوں پر اور اِس قرآن پر بھی ہمارا ایمان ہے لیکن جب کبھی کسی مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو، جب کبھی اختلاف مٹانا ہو، جب کسی جھگڑے کا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن و حدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ بلکہ کسی اور طرف جاتے ہیں۔

یہ آیت نازل بھی ہوئی ہے ان دو آدمیوں کے بارے میں جن میں کچھ اختلاف تھا۔ ایک یہودی تھا دوسرا انصاری تھا۔ یہودی تو کہتا تھا کہ چل! محمد ﷺ سے فیصلہ کرالیں۔ اور انصاری کہتا تھا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کو ظاہر کرتے تھے، لیکن در پردہ احکام جاہلیت کی طرف جھکنا چاہتے تھے۔ اس کے سوا اور بھی اقوال ہیں۔ آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام ہے اور ان تمام واقعات کو شامل ہے۔ ہر اُس شخص کی مذمت اور برائی کا اظہار کرتی ہے جو کتاب وسنت سے ہٹ کر کسی اور باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جائے۔

قرآن وسنت کے فیصلے سے پہلو تہی کے تین اسباب ہیں

اس مضمون کو قرآن پاک میں ایک اور جگہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ بَلْ

اور یہ منافق لوگ زبان سے دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے خدا اور رسول کے حکم کو دل سے مانا۔ پھر ان ہی کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ (دل میں) اصلاً ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول خدا اُن کے خصوم کے درمیان

أُولٰئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ [۱]

فیصلہ کریں تو ان میں کا ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے۔ اور اگر ان کا حق کسی کی طرف واجب ہو تو سرِ تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آیا کرتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں (کفر جازم) کا مرض ہے یا یہ کہ نبوت کی طرف سے شک میں پڑتے ہیں، یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگے۔ (یہ بات نہیں ہے بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ برسر ظلم ہیں۔

منافقوں کا بیان ہو رہا ہے کہ زبان سے تو ایمان و اطاعت کا اقرار کرتے ہیں لیکن دل سے اس کے خلاف ہیں۔ عمل کچھ ہے اور قول کچھ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایمان اُن کے دلوں میں نہیں ہوتا ہے۔ جب ان کو ہدایت کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور قرآن و احادیث کی پیروی کے لیے کہا جاتا ہے تو منہ پھیرتے ہیں اور تکبر کرنے لگتے ہیں۔

چند سطور آگے یہ مضمون گذر چکا ہے کہ جہاں کہیں انہیں شرعی قانون میں اپنا ذاتی نفع نظر آتا ہو وہاں یہ اپنے اسلام سے تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ شرعی فیصلے ان کی طبعی خواہش کے خلاف ہیں، دنیوی مفاد کے مخالف ہیں، تو حق کی طرف التفات بھی نہیں کریں گے۔ پس ایسے لوگ درحقیقت کافر ہیں کیونکہ تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو اُن کے دلوں میں بے ایمانی گھر کر گئی ہے، یا ان کے نزدیک دین و شریعت مشکوک ہے، یا یہ کہ انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں خدا اور رسول ﷺ ان کا حق نہ مار لیں۔ اور یہ تینوں کفر ہی کی صورتیں ہیں۔ خدا ان میں سے ہر ایک کو جانتا ہے جو کچھ باطن میں پوشیدہ ہے مگر خدا کے سامنے سب کچھ ظاہر وعیاں اور معلوم ہے۔ دراصل یہ لوگ فاجر اور ظالم ہیں۔

[۱] سورۃ النور: ٦٠ تا ٦٣

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ پاک ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ایسے کافر جو ظاہر میں مسلمان تھے اور جن کو منافقین کہا جاتا ہے بہت سے تھے۔ ان کو جب قرآن و حدیث میں اپنا مطلب نکلتا ہوا نظر آتا ہے تو خدمتِ نبوی ﷺ میں اپنے تنازعات اور جھگڑے پیش کیا کرتے تھے۔ اور جب کہیں ان کو دوسروں سے مطلب برآری نظر آتی ہے تو سرکارِ محمدی ﷺ میں آنے سے صاف طور پر انکار کر جاتے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جن دو شخصوں میں کوئی جھگڑا ہو اور وہ اسلامی حکم کے مطابق فیصلہ کی طرف بلائے جائیں تو ان میں سے جو اس کو تسلیم نہ کرے، وہ ناحق پر ہے اور ظالم ہے۔

سچے مسلمان

سچے کی شان یہ بیان ہوتی ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ [1]

مسلمانوں کا قول یہ ہے کہ جب ان کو (کسی مقدمہ) میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو خوشی خوشی سے کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور اس کو مان لیا۔ اور ایسے لوگ آخرت میں فلاح پائیں گے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے تو ایسے ہی بامراد ہوں گے۔

سچے مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے سوا کسی تیسری چیز کو

---

[1] سورۃ النور: ۵۱و۵۲

داخل دین نہیں سمجھتے۔ وہ تو قرآن وحدیث سنتے ہیں اور اس کی طرف کی ندا کان میں پڑتے ہی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا۔ یہ کامیاب اور کامران اور بامراد لوگ ہیں۔

حضرت عبادہؓ کی وصیت

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ جو بدری صحابی ہیں اور انصار کے ایک سردار ہیں، وقت انتقال انہوں نے اپنے بھتیجے جنادۃ ابن امیہ کو فرمایا کہ آؤ مجھ سے سُن لو کہ تمہارے ذمہ کیا ہے: ''سنت اور امانت''۔ سختی میں بھی، آسانی میں بھی، ناخوشی میں بھی اور اس وقت بھی جب کہ تیرا حق دوسرے کو دیا جارہا ہو۔ اپنی زبان کو عدل اور سچائی کے ساتھ سیدھی رکھ۔ کام کے اہل لوگوں سے کام نہ چھین۔ ہاں اگر کسی کھلی نافرمانی کا وہ حکم دیں تو نہ ماننا۔ کتاب اللہ کے خلاف کوئی بھی کہے تو ہرگز نہ ماننا۔ کتاب اللہ کی پیروی میں لگے رہنا۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ اسلام بغیر خدا کی اطاعت کے نہیں۔ اور بہتری جو کچھ ہے وہ جماعت میں، خدا اور رسول ﷺ اور خلیفۃ المسلمین اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں ہے۔

مدارِ ایمان

چنانچہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً ۝ [1]

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں۔ اس کے بعد دل میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر اسے تسلیم کرلیں۔

---

[1] سورۃ النساء: ۶۵

اس آیت شریفہ میں باری تعالیٰ اپنی بزرگ اور مقدس ذات کی قسم کھا کر ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آ سکتا جب تک کہ تمام امور میں اللہ کے آخر الزماں اور افضل ترین رسول اللہ ﷺ کو اپنا سچا حاکم نہ مان لے اور آپ ﷺ کے ہر ہر حکم، ہر ہر فیصلے، ہر ہر سنت اور ہر ہر حدیث کو قبول نہ کر لے۔ دل کو اور جسم کو تابع رسول ﷺ نہ بنا دے۔

غرض ظاہر و باطن چھوٹے بڑے امور میں حدیث رسول ﷺ کو اصل سمجھے وہی مومن ہے۔ پس فرمان یہ ہے کہ آپ ﷺ کے احکام کو کشادہ دل سے تسلیم کر لیا کریں۔ اپنے دل میں تنگی نہ لائیں۔ کل احادیث کے تسلیم کرنے کا معاملہ ہے۔ نہ تو احادیث کے ماننے سے انکار کریں نہ اُنہیں ختم کرنے کی کوشش کریں۔ کلام اللہ کے بعد نہ اُن کے مرتبہ کی کسی اور چیز کو سمجھیں نہ اُن کی تردید، نہ اُن کا مقابلہ کریں اور نہ ان کے تسلیم کرنے میں جھگڑا کریں کیونکہ فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے: 'اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس دین کا تابع نہ بنا دے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔' [۱]

حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ

ایک غریب حدیث شریف میں اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ دو آدمی جھگڑا لے کر دربار محمدی ﷺ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے فیصلہ کر دیا۔ لیکن جس آدمی کے خلاف یہ فیصلہ تھا اس نے کہا میں راضی نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تو کیا چاہتا

---

[۱] اس حدیث کو امام بغویؒ نے شرح السنۃ: ۱۰۴ پر، امام ابن أبی عاصمؒ نے السنۃ: ۱۵ پر، امام بخاریؒ نے رفع الیدین: ۴۳ کے ذیل میں اور امام نووی نے الأربعین میں نقل کیا ہے۔ امام نوویؒ اسکو نقل کر کے فرماتے ہیں: حديث حسن صحيح، رويناه فى كتاب الحجة باسناد صحيح۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: أخرجه الحسن بن سفيان و غيره و رجاله ثقات۔ (فتح الباری: ج ۱۳، ص ۲۸۹)

ہے؟ اس نے کہا۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلیں۔ دونوں وہاں پہنچے۔

جب یہ واقعہ صدیق اکبرؓ نے سُنا تو فرمانے لگے کہ آپ کا فیصلہ وہی ہے جو حضور پاک ﷺ نے فرمادیا تھا۔ وہ اب بھی خوش نہ ہوا۔ اور اس نے دوسرے سے کہا کہ عمرؓ کے پاس چلیں۔

جب وہاں گئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے شروع سے آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس دوسرے سے پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے؟ یعنی تم دونوں رسول پاک ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے آرہے ہو؟ اس نے اقرار کر کے کہا جی ہاں۔ آپؓ نے فرمایا اچھا تم دونوں یہیں ٹھہرو، میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں تلوار تانے آ گئے اور جس شخص نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے اس کی گردن اڑا دی اور یوں کہا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو نہ مانے اس کا یہی فیصلہ ہے۔

دوسرا شخص ڈر کے مارے ہراساں اور خوفزدہ بھاگتا ہوا حضور ﷺ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ نہ آتا تو شاید میری بھی خیر نہ ہوتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عمرؓ کو ایسا نہیں جانتا کہ وہ ایسی جرأت کے ساتھ ایک مؤمن کا خون بہا دے گا۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اور خدا نے عمرؓ کو بری کر دیا۔ [1]

---

[1] اس روایت کو حافظ ابنِ کثیر نے گذشتہ آیت کی تفسیر کے ماتحت ابنِ مردویہ کی اور اپنی سند سے عمرؓ بن الخطاب سے نقل کیا ہے۔

چوتھا باب

اتباع سنت کی برکات وانعامات

سرورِ کائنات ﷺ کے اتباع پر اللہ جلّ شانہٗ نے بڑے بڑے انعامات کا وعدہ فرمایا ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قُلْ أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ ○ [1]

سنت سے اعراض کا دنیا و آخرت میں وبال

اسی طرح اس سے روگردانی اور نافرمانی کرنے پر شدید عتاب بھی فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ [2]

اور رسول اللہ ﷺ جو کچھ تم کو دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں اس سے تم رُک جایا کرو اور اللہ سے

[1] سورۃ آل عمران: ۳۱ و ۳۲۔ ترجمہ: ’’آپ فرما دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے۔‘‘

[2] سورۃ الحشر: ۷

ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے۔

يٰـأَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُـوْا أَطِيْـعُـوْا اللّٰـهَ وَرَسُـوْلَـهٗ وَلَا تَـوَلَّـوْا عَـنْـهُ وَأَنْتُـمْ تَسْمَعُوْنَ ٥ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَـمِـعْـنَـا وَهُـمْ لَا يَسْـمَـعُـوْنَ ٥ اِنَّ شَـرَّ الـدَّوَآبِّ عِـنْـدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ٥ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْـرًا لَأَسْـمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ٥ [۱]

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کہنا مانو اور کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم اعتقاد سے سُن تو لیتے ہی ہو۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔ بیشک بدترین خلائق میں اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں اور گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے۔ اور اگر ان کو آپ سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے، بے رخی کریں گے۔

اس جگہ مؤمنین کو اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول ﷺ اور خدا و رسول ﷺ کی مخالفت چھوڑ دینے کا حکم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ کافروں سے مشابہت پیدا نہ کرو جو کہ کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

خدا اور رسول ﷺ کے مخالفین

قرآن شریف میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[۱] سورۃ الأنفال: ۲۰ تا ۲۳

اِنَّ الَّـذِيْـنَ يُـحَـآدُّوْنَ اللّٰـهَ وَرَسُوْلَـهٗ كُبِتُـوْا كَـمَـا كُبِـتَ الَّـذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَـدْ أَنْـزَلْـنَـا اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَّلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ [1]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ (دنیا میں بھی) ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے۔ اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں۔اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

تفسیر ابنِ کثیرؒ میں لکھا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی مخالفت کرنے والے اور احکامِ شریعت سے سرتابی کرنے والے ذلت ونحوست اور لعنت کے مستحق ہیں۔جس طرح ان سے پہلے لوگ انہیں اعمال کے باعث برباد اور رسوا کردیئے گئے، اس طرح یہ بھی اسی سرکشی کے باعث تباہ اور رسوا کئے جائیں گے۔

ہم نے اس طرح واضح، اس قدر ظاہر، اتنی صاف اور اتنی کھلی ہوئی آیتیں بیان کردیں اور نشانیاں ظاہر کردی ہیں کہ سوائے اس کے جس کے اندر عناد وسرکشی کا جذبہ ہو کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اور جو انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور ایسے کفار کے لیے یہاں کی ذلت کے بعد وہاں کے بھی رُسوا کن عذاب ہیں۔ یہاں ان کے تکبر نے خدا کی طرف جھکنے سے انہیں روکا۔ وہاں اس کے بعد انہیں بے انتہا ذلیل کیا جائے گا، خوب روندا جائے گا۔ نیز آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّـذِيْـنَ يُـحَـآدُّوْنَ اللّٰـهَ وَرَسُوْلَـهٗ أُولٰـئِكَ فِـيْ الْأَذَلِّيْنَ ۝ كَتَـبَ الـلّٰهُ لَأَغْـلِبَـنَّ أَنَـا وَرُسُـلِـيْ اِنَّ اللّٰـهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ [2]

بیشک جو لوگ اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے حکمِ ازلی کے اندر لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا، غلبہ والا ہے۔

---

[1] سورۃ المجادلۃ: ۵

[2] سورۃ الحشر: ۲۰و۲۱

یعنی جو لوگ حق سے برگشتہ ہیں اور ہدایت سے دور ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہیں، احکامِ شرع کی اطاعت سے الگ ہیں، یہ لوگ انتہا درجہ کے ذلیل، بے وقار اور خستہ حال ہیں۔ رحمتِ رب سے دور، خدا کی شفقت بھری نگاہوں سے اوجھل اور دنیا و آخرت میں برباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فیصلہ کر چکا بلکہ اپنی کتاب میں لکھ بھی چکا ہے اور مقدر کر چکا ہے۔ جو تقدیر اور تحریر نہ مٹے گی نہ بدلے گی، نہ اس کے بدلنے کی کسی میں طاقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے مؤمن بندے دنیا و آخرت میں غالب رہیں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ o يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ o [1]

ہم اپنے رسولوں کی اور ایماندار بندوں کی ضرور مدد کریں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جس دن گواہ قائم ہو جائیں گے۔ اور جس دن گنہگاروں کو کوئی عذر و معذرت فائدہ نہ پہنچائے گی، ان پر لعنتیں برستی ہوں گی اور ان کے لیے برا گھر ہوگا۔

اسی طرح سرکارِ دو عالم ﷺ کا کتنا سخت ارشادِ گرامی خدا کی نافرمانی کے متعلق آ رہا ہے۔ دیکھئے حدیث میں آتا ہے کہ صفوانؓ بن امیہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ عمرو بن قرۃ آیا۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری قسمت میں شقاوت لکھ دی گئی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری روزی اسی میں ہے کہ اپنی ہتھیلی سے دَف بجالاؤں۔ اب آپ ﷺ اس کی بھی اجازت دے دیجئے کہ میں ایسے گانے گایا کروں جس میں فحش باتیں نہ ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کی اجازت نہیں دے سکتا، نہ میری نظروں میں تیری کوئی عزت ہے نہ تجھ سے مل کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔ دشمن خدا! تو جھوٹ بولتا ہے۔ خدا

[1] سورۃ المؤمن: ۵۱ و۵۲

نے تجھ کو رزق حلال دیا لیکن تو نے حلال چھوڑ کر حرام رزق کو اختیار کیا ہے۔ اگر اس سے پہلے میں نے تجھے منع کر دیا ہوتا تو اس وقت میں تجھے ضرور سزا دیتا۔ اُٹھ میرے پاس سے! دور ہو جا! توبہ کر اور سُن لے! اب جب میں تنبیہ کر چکا ہوں، اس کے بعد اگر تو نے یہ کام کیا تو میں تجھے سخت مار ماروں گا اور تیری صورت بگاڑنے کے لیے تیرا سر منڈوا دوں گا اور تجھے تیرے گھر والوں کے پاس سے نکلوا دوں گا۔ اور مدینے کے نوجوانوں کو اجازت دوں گا کہ تیرا سامان لوٹ لیں۔ (یہ سن کر) عمرو بن قرہ اٹھا اور خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اس کے دل میں کتنی برائی ہوگی اور کتنی رسوائی اور شرمندگی وہ محسوس کر رہا ہوگا۔

جب وہ چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ لوگ نافرمان ہیں۔ اللہ کے احکام سے سرتابی کرنے والے ہیں۔ ان میں سے جو شخص بلا توبہ مر جائے گا تو قیامت کے دن اللہ اس کو اس حال میں اٹھائے گا جس حال میں دنیا میں تھا کہ مخنّث ہوگا، اس کا بدن ننگا ہوگا۔ کپڑے کا معمولی سا ٹکڑا بھی اس کے بدن پر نہ ہوگا جو اس کو لوگوں کی نظر سے چھپا سکے۔ جب جب وہ کھڑا ہوگا پچھاڑ کھا کر گر جائے گا۔ [1]

تارکِ سنت پر لعنت

اور اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے طریقوں کی مخالفت کرنے والے پر خود سید الکونین فخرِ دو عالم ﷺ لعنت کی بددعا فرماتے ہیں۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چھ آدمیوں پر میں بھی لعنت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتا ہے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ (۱) اللہ عزوجل کی کتاب میں زیادتی کرنے والا، (۲) اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والا، (۳) اللہ تعالیٰ کی حرام چیزوں کو حلال سمجھنے والا، (۴) میری آل اولاد میں سے جس کو اللہ

---

[1] سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۳ / المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۳۴۲

نے حرام قرار دیا ہے اس کو حلال کرنے والا، (۵) سنتِ رسول ﷺ کو چھوڑنے والا۔ خدا اوراس کے محبوب اور مقبول رسول ﷺ کی لعنت کے بعد دنیا اور آخرت میں کہاں ٹھکانا رہ سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں حفظ وامان میں رکھے اور ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جامِ کوثر سے محرومی

حضرت سہلؓ بن سعد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم لوگوں سے پہلے حوضِ کوثر پر پہنچنے والا ہوں۔ جو بھی میرے پاس سے گذرے گا اُسے آبِ کوثر نصیب ہوگا۔ جو اسے ایک دفعہ پیئے گا اُسے کبھی پیاس نہ لگے گی۔ بعض لوگ وہاں میرے پاس آئیں گے۔ میں اُنہیں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ اتنے میں میرے اور اُن کے درمیان آڑ کر دی جائے گی اور اُن کو روک دیا جائے گا۔ تو میں کہوں گا کہ یہ لوگ میرے اصحاب ہیں۔ تو مجھے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پیچھے انہوں نے کیا کچھ کیا۔ تو پھر میں بھی کہوں گا کہ ہلاکت اور دوری ہو اس شخص کے لیے جس نے میرے پیچھے اپنی روش بدل دی اور طریقہ بدل دیا۔ [1]

اس لئے صحابۂ کرامؓ کو اس کی بہت ہی فکر رہتی تھی کہ دنیا میں تو رفاقت وصحبت نصیب ہوئی، کہیں اعمالِ بَد کی وجہ سے وہاں دھکّے نہ دیئے جائیں۔ چنانچہ حضرت خبابؓ بن الارت ایک دفعہ بیمار ہوئے۔ چند صحابۂ کرامؓ عیادت کے لئے تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اے ابوعبداللہؓ ! تیرے بھائی (صحابۂ کرامؓ) اور حضور ﷺ تمہیں مبارک ہوں کہ کل تم ان سے ملو گے۔ اس کے راوی حضرت طارق بن شہابؒ فرماتے ہیں کہ اتنا سن کر حضرت خبابؓ رو پڑے اور کہنے لگے کہ مجھے مدت سے کوئی گھبراہٹ نہ تھی لیکن تم نے میرے لئے

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری:۶۲۱۲، ۶۶۴۳ / مسلم: ۶۱۰۹، ۶۱۰۸

ایک قوم کی یاد تازہ کردی اور تم نے انہیں میرا بھائی بتایا حالانکہ وہ حضرات تو ایسے تھے جو سب کے سب اپنا ثواب کما کر لے گئے اور مجھے یہ ڈر ہے کہ جو کچھ تم ان اعمال کے ثواب کا تذکرہ کرتے ہو وہ ثواب کہیں یہی نہ ہو جو اُن کے بعد ہمیں دیا گیا (یعنی دنیا کی وسعت)۔ [۱]

اگر یہ حضرات حضور اقدس ﷺ کا کسی ایک فیصلہ پر ناراضگی کا ایک جملہ سن لیتے تو اس کو اپنے ہی اوپر قیاس کر لیتے اور اس پر رویا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ایک دفعہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور کہنے لگے: ''اے اماں جان! مجھے ڈر ہے کہ میرا مال مجھے تباہ و برباد نہ کردے۔ میں قریش میں بڑا مال والا ہوں۔'' امِ سلمہؓ نے فرمایا: ''اے میرے بیٹے! تو مال خرچ کر، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میرے اصحاب میں بعض وہ ہوں گے جو مجھے اس کے بعد نہ دیکھ سکیں گے جب میں اُنہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف یہاں سے نکلے اور حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے جو کچھ ام سلمہؓ نے بیان کیا تھا وہ کہا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ حضرت امِ سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا: ''خدا کی قسم! کیا میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں آپ ﷺ کی دوبارہ زیارت نصیب نہ ہوگی؟'' حضرت امِ سلمہؓ نے فرمایا: ''نہیں اے عمرؓ! تمہارے بعد میں کسی اور کو بری نہیں کرتی۔'' [۲]

منکر کے لئے جنت نہیں

قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: کُلُّ أُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ أَبیٰ قَالُوْ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری پوری امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو انکار کرے۔ صحابۂ کرامؓ نے دریافت کیا

[۱] حلیۃ الأولیاء: جلد۱، ص۱۴۵

[۲] مسند احمد: ۲۶۴۸۹۔ اسناد صحیح رجالہ ثقات رجال الشیخین (قالہ الارنؤوط)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ يَّأْبٰى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى [1]

یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور انکار کیا۔

سنت سے اعراض تو ہم سے قطع تعلق

اسی طرح حضور اقدس ﷺ کی سنتوں سے اعراض کرنے والے کو آپ ﷺ اپنے زمرے سے خارج قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ [2]

(کہ جو میری سنتوں سے اعراض کرے، منہ پھیر لے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔)

جب سرکار ﷺ خود ہی کسی کو اپنے زمرہ سے خارج فرمادیں، پھر چاہے ہم ہزار اسلام اور امت محمدیہ میں ہونے کا دم بھرتے رہیں، آپ ﷺ کے زمرے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے فیصلے اور فتویٰ کے بعد پھر اگر علماءِ کرام اس فتویٰ کا اظہار کسی پر کریں یا نہ کریں لیکن قطعی بات ہے کہ وہ مسلمان نہیں۔ پھر دنیا میں چاہے اسے اس پر یقین آئے یا نہ آئے، لیکن کل قیامت کے دن حوضِ کوثر پر معلوم ہو جائے گا کہ جب وہاں سے دھکے دے کر ہٹا دیا جائے گا اور خود حضور ﷺ بھی فرمادیں گے:

سُحْقًا سُحْقًا [3]

(ہلاکت ہو اور دوری ہو اس کے لیے جس نے میرے پیچھے اپنی روش بدلی۔)

---

[1] بخاری: ۶۸۵۱

[2] متفق علیہ۔ بخاری: ۴۷۷۶ / مسلم: ۳۴۶۹

[3] متفق علیہ۔ بخاری: ۶۲۱۲، ۶۶۴۳ / مسلم: ۶۱۰۹، ۶۱۰۸

اس لئے خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے بہت ہی ڈرتے رہنا چاہیے اور پوری قوتوں سے آپ ﷺ کے مبارک طریقوں پر، مبارک سنتوں پر عمل کرتے رہنا چاہئے۔ لیکن یہ ملحوظ رہے کہ انسان کا نفس وشیطان اس کو ہمیشہ یہی سمجھاتا رہے گا کہ تو تو بہت کمزور ہے۔ تجھ میں اس پر عمل کی طاقت کہاں۔

اس لئے شیطان کے اس مکر وفریب میں نہ آنا چاہئے۔ ورنہ اس کا انجام بہت برا ہوگا۔

تکبر کا نتیجہ

یہاں ہم خود رسولِ پاک ﷺ کے زمانے کا ایک واقعہ صرف اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ مسلمان اس سے بچتے رہیں۔ کیونکہ جو صورت اس واقعہ میں مذکور ہے بسا اوقات یہی پیش آتی رہتی ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت سلمہؓ بن الأکوع کا بیان ہے کہ ایک شخص رسول پاک ﷺ کے سامنے اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس کی قدرت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو قدرت نہ رکھے۔ آپ خود دیکھئے کہ اس کو سوائے تکبر کے اور کسی چیز نے دائیں ہاتھ سے کھانے سے نہیں روکا تھا۔ چنانچہ اس بددعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ دائیں ہاتھ کو اپنے منہ تک کبھی نہ اُٹھا سکا۔ [1]

دیکھئے! یہاں یہ دائیں ہاتھ سے کھا سکتا تھا مگر صرف تکبر کی وجہ سے اس نے ایسا جواب دیا کہ میں اس ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، تو زندگی بھر خدا نے اس ہاتھ کو ویسا ہی کر دیا کہ پھر کبھی نہ اُٹھ سکا۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے خود ایک صاحب سے کہا کہ آپ میز پر کھانا کھاتے ہیں۔ نیچے بیٹھ کر کھانا سنت ہے۔ تو انہوں نے فوراً کہا میں نیچے نہیں بیٹھ سکتا۔ مجھ سے نیچے نہیں بیٹھا

---

[1] صحیح مسلم: ۲۰۲۱ / مسند احمد: ۱۶۴۹۳

جاتا۔ حالانکہ اُن بیچاروں کو ملک سے یہاں آئے ہوئے صرف تین چار سال ہوئے ہوں گے۔ تو صرف چند ٹکوں کے غرور اور تکبر نے ان کو سنت پر عمل سے روک دیا۔ اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں۔

آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، کوئی سنت چھوٹ جائے، اگر وہ اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا رہے اور خدا اور رسول ﷺ کا اپنے کو قصوروار سمجھتا رہے تو انشاء اللہ خدا تعالیٰ سے اس کی مغفرت کی قوی امید ہے کہ وہ اس کو معاف کر دے گا۔

لیکن خدا اور رسول ﷺ کے طریقوں کے خلاف چلنا اور پھر اپنی خواہش کے موافق اس کی تاویلات کرنا، باتیں بنانا اور تکبر کی وجہ سے ان طریقوں پر عمل نہ کرنا بلکہ ان کو ہلکا سمجھنا تو اس سے آخرت میں، بلکہ دنیا میں بھی بہت جلد عذابِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اور اس عذاب کا جو پہلا نشانہ ہوتا ہے اور جس پر پہلا وار ہوتا ہے وہ اس کا تکبر ہے۔ اور مال و دولت، طاقت و حسن وغیرہ تکبر کے وہ اسباب ہیں جس نے ان کو سنت اور شریعت پر عمل کرنے سے روکا۔

فرمانِ نبوی ﷺ کی بجا آوری فوراً ہونی چاہیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۝ [1]

اے ایمان والو! تم اللہ و رسول ﷺ کے کہنے کو بجالایا کرو جب کہ رسول ﷺ تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں۔

یعنی اے ایمان والو! تمہاری اصلاح اور مصلحت کی خاطر جب بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تم کو بلاویں تو فوراً تعمیلِ حکم کیا کرو۔ ابوسعیدؓ بن العلاء کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کا گذر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھے آواز دی لیکن نماز کی وجہ سے میں فوراً نہ جاسکا۔ نماز پڑھنے کے بعد میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں اب تک نہیں

---

[1] سورۃ الانفال: ۲۴

آئے؟ کیا تم سے خدا نے نہیں کہا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ جب تمہیں تمہارے ہی بھلے کے لئے بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔'' غرض یہاں فوری تعمیل کا حکم ہے۔اور قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰـأَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَـاثْبُتُـوْا وَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَثِيْراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَ أَطِيْـعُوْا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَـنَـازَعُـوْا فَتَـفْشَـلُوْا وَ تَذْهَـبَ رِيْـحُـكُمْ وَاصْبِـرُوْا اِنَّ الـلّٰـهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ○ [1]

اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو (ان آداب کا لحاظ رکھو کہ) ثابت قدم رہو۔اور اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کرو۔امید ہے کہ تم کامیاب رہو گے۔اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا لحاظ رکھو اور جھگڑے مت کرو، نہ آپس میں اور نہ اپنے امام سے، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ شریفہ میں دشمنوں سے مقابلہ کے وقت میدانِ کارزار میں ثابت قدم رہنے کا اور صبر و تحمل کا حکم دیا کہ بزدلی نہ دکھاؤ۔ اللہ کو یاد کیا کرو، اُسے ہرگز نہ بھولو، اسی سے فریاد کیا کرو، اسی سے دعائیں مانگو، اسی پر بھروسہ اور اعتماد کیا کرو، اسی سے مدد طلب کرو۔یہی کامیابی کا راز ہے۔پس اس وقت بھی خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔وہ جو فرمائیں بجالاؤ، جس سے منع کریں رُک جاؤ۔آپس میں اختلاف اور جھگڑے نہ پھیلاؤ ورنہ بزدلی جم جائے گی اور ذلیل ہو جاؤ گے۔ہوا اکھڑ جائے گی۔قوت اور دلیری رخصت ہو جائے گی۔اقبال اور ترقی رُک جائے گی۔اور خبردار! صبر کا دامن نہ چھوڑنا۔یقین رکھو کہ صابروں کے ساتھ خود خدا تعالیٰ ہوتا ہے۔

[1] سورۃ الأنفال: ۴۵و۴۶

پانچواں باب

صحابہ کرامؓ کی راہ سنت پر استقامت

صحابۂ کرامؓ اِن احکام میں ایسے پورے اترے کہ ان کی مثال تو پچھلے والوں میں درکنار، اگلے والوں میں بھی نہیں ملتی۔ یہی شجاعت، یہی اطاعتِ رسول ﷺ اور یہی صبر و استقلال تھا جس کے باعث اللہ کی مدد سے مالا مال رہے اور بہت ہی کم مدت میں باوجود تعداد اور اسباب میں کمی کے مشرق و مغرب کو فتح کرلیا۔ نہ صرف مفتوحوں کے ملک کے مالک بنے بلکہ ان کے دلوں کو بھی فتح کر کے خدا سے ملا دیا۔ رومیوں، فارسیوں، ترکیوں، سقالیوں، بربریوں، حبشیوں، غرض دنیا کے کل گوروں اور کالوں کو زیرنگیں کرلیا۔ اور خداوندِ پاک کے حکم کو بلند کرلیا۔ دینِ حق کو پھیلایا اور اسلامی حکومتوں کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں مستحکم کردیا۔ **رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ اَرۡضَاھُمۡ۔**

ذرا خیال تو کرو کہ تیس سال میں دنیا کا نقشہ بدل دیا اور تاریخ کا ورق پلٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی انہیں کے گروہ میں حشر فرمائے۔ اٰمین۔ **وَھُوَ الۡبَرُّ الۡجَوَّادُ الۡکَرِیۡمُ۔**

نبی ﷺ پر صرف اداءِ رسالت

فرمانِ نبوی ﷺ سے روگردانی کرنے والے لوگوں کو ارشادِ خداوندی ہے:

قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَیۡہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیۡکُمۡ مَّا	آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم لوگ

حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُo [۱]

اطاعت سے رُوگردانی کروتو سمجھ رکھو کہ رسول ﷺ کے ذمہ وہی تبلیغ ہے جس کا ان پر بوجھ رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے اطاعت کر لی تو راہ پر چلو گے۔ اور بہرحال رسولوں کے ذمہ صرف صاف طور پر بتا دینا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کی یعنی قرآن وحدیث کی اتباع کرو۔ اگر تم اس سے منہ موڑ لو گے اور اسے چھوڑ دو گے تو تمہارے اس گناہ کا وبال میرے نبی ﷺ پر نہیں۔ آپ ﷺ کے ذمے تو صرف پیغام خدا کا پہنچا دینا ہے اور ادائے امانت ہے۔ تم پر وہ ہے جس کے ذمہ دار تم ہو یعنی قبول کرنا اور عمل کرنا وغیرہ۔ اور ہدایت صرف اطاعتِ رسول ﷺ میں ہے۔

اطاعت پر انعاماتِ ربانی

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مطیعین اور پیروکاروں کے لئے استخلاف فی الأرض کا وعدہ فرماتے ہوئے ارشادِ ربّانی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَّعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَّمَنْ

(اے مجموعۂ امت!) تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے اہلِ ہدایت لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو اللہ نے ان

---

[۱] سورۃ النور: ۵۴

كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝ [1]

کے لیے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفع آخرت) کے لئے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد ان کی حالت کو مبدّل بأمن کردے گا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ اور جو شخص بعد (ظہور) اس وعدہ کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ ہیں بے حکمی کرنے والے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے تحت اللہ جلّ شانہٗ کے اس وعدہ پر ایفاء پر بہت مفصّل مضمون تحریر فرمایا ہے جس کا کچھ حصہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمارہا ہے کہ آپ ﷺ کی امت کو وہ زمین کا مالک بنا دے گا، لوگوں کا سردار کردے گا، ملک ان سے آباد ہوں گے، بندگانِ خدا اُن سے شاد ہوں گے۔ آج یہ لوگوں سے لرزاں وترساں ہیں، کل یہ امن و تسکین و اطمینان کے ساتھ ہوں گے۔ حکومت اور سلطنت ان کی ہوگی۔ یہ وعدے صحابۂ کرامؓ کے لیے اس دورِ افلاس میں ایک امتحان بھی تھے۔

حق تعالیٰ کا وعدہ عہدِ رسالت اور دورِ صحابہؓ میں پورا ہوا

الحمدللہ، مکہ، خیبر، جزیرۂ عرب اور یمن تو خود حضور ﷺ کی موجودگی میں فتح ہوگئے۔ ہجر کے مجوسیوں نے جزیہ دے کر ماتحتی قبول کرلی۔ شام کے بعض حصوں کا بھی یہی حال ہوا۔ شاہِ روم ہرقل نے تحفے تحائف روانہ کئے۔ مصر کے والی نے خدمتِ اقدس میں تحفے تحائف بھیجے۔ اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس اور عمان کے شاہوں نے بھی یہی کیا اور اس طرح اپنی

[1] سورۃ النور: ۵۵

اطاعت گذاری کا ثبوت دیا۔ حبشہ کے بادشاہ اصحمہؓ تو مسلمان ہی ہو گئے اور پھر ان کے بعد جو والیٔ حبشہ ہوا اس نے بھی سرکارِ محمدی ﷺ میں تحفے تحائف روانہ کئے۔

پھر جب کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہمانداری میں بلایا اور آپ ﷺ کی خلافت صدیق اکبرؓ نے سنبھال لی اور جزیرۂ عرب کی حکومت کو مضبوط اور مستقل بنائی تو ساتھ ہی ایک لشکرِ جرار سیف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں فارس کی طرف بھیجا جس نے وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ کفر کے درختوں کو چھانٹ دیا اور اسلامی پودے ہر طرف لگا دیئے۔

حضرت ابوعبیدۃ بن الجراحؓ وغیرہ امراء کے ماتحت شاہی ممالک کی طرف لشکرِ اسلام کے جانبازوں کو روانہ کیا۔ انہوں نے بھی یہاں اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ مصر کی طرف مجاہدینِ اسلام کا لشکر حضرت عمرو بن العاصؓ کی سرداری میں روانہ فرمایا۔

مصر و دمشق و حران وغیرہ کی فتوحات کے بعد آپؓ بھی رحلت فرما گئے اور بالہامِ خداوندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے زبردست زور آور کے ہاتھوں میں سلطنتِ اسلام کی باگ دی گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ آسمان کے تلے روئے زمین پر کسی نبی کے بعد ایسے پاک خلفاء کا دور نہیں گذرا۔ آپؓ کی قوتِ خداداد، نیک سیرت، آپؓ کا کمالِ عدل اور آپؓ کی خداترسی کی مثال آپؓ کے بعد دنیا میں تلاش کرنا بے سود اور لاحاصل ہے۔ تمام ملکِ شام، پورا علاقۂ مصر، ملکِ فارس کا بیش تر حصہ آپؓ کے دورِ خلافت میں فتح ہوا۔ سلطنتِ کسریٰ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ خود کسریٰ کو منہ چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہ ملی۔ پوری خواری و ذلّت کے ساتھ بھاگتا پھرا۔ قیصر گرفتار کر لیا گیا۔ نام مٹا دیا گیا۔ شام کی سلطنت سے دستبردار ہونا پڑا۔ قسطنطنیہ میں جا کر پناہ لی۔ ان سلطنتوں کی صدیوں کی دولت اور جمع کئے ہوئے بے شمار خزانے ان بندگانِ خدا نے اللہ تعالیٰ کے نیک نفس اور مسکین خصلت بندوں پر صرف کئے اور خدا کے وہ وعدے پورے ہوئے جو اس نے حبیبِ اکرم ﷺ سے زبانی کئے تھے۔

صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آتا ہے۔ اور مشرق و مغرب کی انتہائی حدود تک دین پھیل جاتا ہے۔ اسلامی لشکر ایک طرف افقِ مشرق تک اور دوسری طرف انتہاءِ مغرب تک پہنچ کر دم لیتا ہے۔ اور مجاہدین کی آبدار تلواریں توحیدِ الٰہی کو دنیا کے گوشے گوشے اور چپّے چپّے میں پہنچا دیتی ہیں۔ اندلس، قبرص، قیران یہاں تک کہ چین تک حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتوحات حاصل ہوئیں۔ کسریٰ قتل کر دیا گیا۔ اس کے ملک کا نام و نشان کھود کر پھینک دیا گیا اور ہزار ہا سال کے آتش کدے بجھا دیئے گئے اور ہر اونچے ٹیلے سے صدائے أللّٰہ أکبر آنے لگی۔ دوسری جانب مدائن، خراسان، اہواز سب فتح کر لئے گئے۔ ترکوں سے جنگِ عظیم ہوئی۔ آخر میں ان کا بادشاہ خاقان خاک میں مل کر ذلیل و خوار ہوا اور زمین کے مشرق و مغرب کے کونوں کونوں نے اپنے خراج سمیٹ کر بارگاہِ خلافتِ عثمانؓ میں بھجوائے۔ آپؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور شروع ہوتا ہے۔

سلطنتِ اسلامیہ کی وسعت

اور اس کے بعد اسی طرح مسلسل اسلامی حکومتیں یکے بعد دیگرے بدلتی رہیں اور بے نظیر و بے مثال اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ جیسا کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تقریر میں بیان فرمایا:

''اللہ کے بندوں نے کچھ دن محنت کی تھی بدر و اُحد کے میدانوں میں۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جانشینوں میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے جس کا نام ہے ہارون رشید۔ بہت مشہور خلیفہ ہے۔ اس کی سلطنت کا میں تمہیں حال بتلاتا ہوں کہ وہ ایک مرتبہ بغداد میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابر کا ایک ٹکڑا اس کے سر کے اوپر سے گذرا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا کہ ابر کس طرف جا رہا ہے۔ کہنے لگا: ''چاہے مشرق میں جا، چاہے مغرب میں جا، جہاں تیرا

جی چاہے وہاں جا۔ اور جہاں تیرا جی چاہے وہاں برس۔ تیرے برسنے کا جو نتیجہ ہے، تیری محنت کا جو ثمرہ ہے، یعنی کھیتی دانہ، غلہ، وہ تو میرے قدموں میں ہی آئے گا۔ اُمْطُرِیْ حَیْثُ شِئْتِ فَیَاْتِیْنِیْ خَرَاجُکِ۔''

یہ لفظ ہیں جو اس کی زبان سے نکلے کتنے بڑے لفظ ہیں۔ جہاں چاہے تیرا جی وہیں برس۔ میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ بغداد ہی میں برس، بلکہ جہاں تک تیری پہنچ ہے وہاں تک چلا جا اور وہاں برس لیکن تیرے برسنے سے جو کھیتی پیدا ہوگی وہ یہیں آئے گی۔ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی عظیم الشان سلطنتیں عطا فرمائی ہیں۔ جب تک خدا اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی بجا آوری کا وہ جذبہ رہا جس پر خدا اپنے یہ وعدے پورے فرماتا ہے، وہاں تک یہ ساری شان وشوکت قائم رہی۔

انعامی وعدے، ایمانی امتحان

لیکن حضرات صحابہؓ سے جب یہ وعدے کئے گئے تو جہاں ایک طرف اس انعامِ خداوندی پر مسرت وخوشی کا موقعہ تھا، دوسری طرف ان کے ایمان اور یقین کا بڑا سنگین اور زبردست امتحان تھا۔ چنانچہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر صحابۂ کرامؓ کے ایمان ویقین کا زبردست امتحان لیا گیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ خندق کھودتے ہوئے ایک بہت بڑا سخت پتھر نکل آیا جس پر کدال کا اثر تک نہیں ہوتا تھا۔ صحابہؓ نے یہ حال آپ ﷺ سے عرض کیا۔ حضور ﷺ نے پتھر کو دیکھا، کدال ہاتھ میں لے کر بسم اللہ پڑھ کر پتھر پر ضرب لگائی تو ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ اُس وقت حضور ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الشَّامِ مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئیں۔

میں نے وہاں کے سرخ سرخ محلات کو بھی دیکھ لیا۔ پھر دوسری ضرب لگائی اور تہائی پتھر چکنا چور کر دیا اور فرمایا:

أَللّٰهُ أَكۡبَرُ اِنِّیۡ أُعۡطِيۡتُ مَفَاتِيۡحَ فَارِسَ وَاللّٰهِ اِنِّیۡ لَأَبۡصُرُ قَصۡرَ الۡمَدَائِنِ الۡأَبۡيَضَ

مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں اور میں اس وقت مدائن کے سفید محل کو دیکھ رہا ہوں۔

پھر تیسری ضرب لگائی اور سارا پتھر چکنا چور کر دیا اور فرمایا:

أَللّٰهُ أَكۡبَرُ اِنِّیۡ أُعۡطِيۡتُ مَفَاتِيۡحَ الۡيَمَنِ وَاللّٰهِ اِنِّیۡ لَأَبۡصُرُ أَبۡوَابَ صَنۡعَاءَ مِنۡ مَكَانِیۡ السَّاعَةَ [۱]

مجھے ملک یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ واللہ میں اس وقت یہاں سے شہر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔

یہ صحابۂ کرامؓ کے ایمان و یقین کا کتنا زبردست امتحان تھا، کتنی بڑی آزمائش تھی اوران کے لیے کتنا سخت امتحان تھا کہ آپ ﷺ اس وقت فرما رہے ہیں جب کہ دشمنانِ خدا مدینہ منوّرہ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اوران سے بچاؤ کے لیے خندق کھودی جارہی ہے۔ غربت اور فاقے ہورہے ہیں۔ بھوک کی وجہ سے یہ حال ہورہا ہے کہ کمر سیدھی نہیں رہ سکتی تو کمر کو سیدھی رکھنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑ رہے ہیں۔ اور سخت سردی کے ایام میں صبح ہی صبح بھوکے پیاسے اس کو کھودتے ہیں۔ چنانچہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيۡشَ اِلَّا عَيۡشَ الۡآخِرَةِ فَاغۡفِرِ الۡأَنۡصَارَ وَالۡمُهَاجِرَةَ

اے اللہ! بلاشبہ زندگی آخرت کی ہی زندگی ہے پس تو انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے جواب میں فرمایا:

نَحۡنُ الَّذِيۡنَ بَايَعُوۡا مُحَمَّداً عَلَى الۡجِهَادِ مَا بَقِيۡنَا أَبَداً

ہم نے محمد ﷺ سے بیعت کی ہے جہاد پر جب تک زندہ رہیں گے

حضورِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو دیکھا کہ مٹی اٹھا اٹھا کر پھینک رہے ہیں اور مذکورہ شعر پڑھے جاتے ہیں۔ تو جواباً فرمایا:

أَللّٰهُمَّ اِنَّ الۡخَيۡرَ خَيۡرُ الۡآخِرَةِ فَبَارِکۡ فِیۡ الۡأَنۡصَارِ وَ الۡمُهَاجِرَةِ

---

[۱] مسند احمد: ۱۸۶۹۴ / مصنف ابن أبی شیبۃ: ۳۶۸۲۰ / مسند ابویعلیٰ: ۱۶۸۵

اے اللہ! بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے
پس تو انصار و مہاجرین کے لئے برکت کے دروازے کھول دے۔

اس طرح افلاس و غربت و تنگدستی و فاقہ کشی کا وقت ہے اور چاروں طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ قافلوں کے قافلے اور بڑے بڑے گروہ لوٹے جاتے ہیں۔ جو کہیں سفر کے لیے نکلتا ہے تو نہ اس کا مال محفوظ، نہ اس کی جان، نہ کسی کی عزت و آبرو۔

عدیؓ بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر تھا تو ایک شخص دربارِ محمد ﷺ میں آکر فقر و فاقہ کی شدت کی شکایت کرتا ہے۔ اور ایک دوسرا شخص آتا ہے۔ وہ راستہ کی بدامنی کی شکایت کرتا ہے۔ ایسے بالکل ناموافق حالات میں ان دونوں اشخاص کے جواب میں سید الکونین فخرِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: ''اے عدی! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لوگے کہ ایک بڑھیا مقامِ حیرہ سے تنِ تنہا چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی۔ اس کو راستے پر اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔''[1]

ایسے سخت کشیدہ حالات میں اس جگہ کے متعلق آپ ﷺ امن و امان کی خوشخبری سنا رہے ہیں جس جگہ یا جس ملک میں قتل و غارت گری، راہ زنی اور ڈکیتی کی واردات نہ صرف اکا دُکا پیش آتی ہوں، بلکہ ان کی روزمرہ کی عادت بن گئی ہو، ایسے ملک میں جہاں کے ڈاکو خاص طور پر مشہور تھے، جنہوں نے تمام بستیوں کو اجاڑ رکھا تھا، سارے ملک میں وحشت پھیلا رکھی تھی۔

اور دوسرے کے جواب میں فرمایا کہ اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے کو جا کر کھولو گے۔ حضرت عدیؓ بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا ہاں! کسریٰ بن ہرمز۔ پھر فرمایا کہ اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لوگے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا اور چاندی لئے لئے پھرے گا اور کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ حضرت

---

[1] صحیح البخاری: ۳۵۹۵

عدیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود ایسی بڑھیا کو حج کرتے ہوئے دیکھا ہے جو کوفہ سے تنہا حج کو آئی تھی اور (راستہ پر) اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ اور کسریٰ کے خزانے فتح کرنے میں بذاتِ خود میں شریک تھا۔ [۱]

اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت میں تیسری چیز بھی پوری ہوگئی کہ زکوٰۃ دینے والے کی تلاش کے باوجود کوئی فقیر نہیں ملتا تھا کہ اُسے دے۔ چنانچہ وہ اپنا مال واپس گھر لے آیا کرتا تھا۔

حالات کی تنگی اور سختی کی شکایت کے موقعہ پر آپ ﷺ کا ان کو ایسی بڑی خوشخبری سنانا، گو وہ سید الکونین ﷺ کے نزدیک کوئی اہم نہ ہو، لیکن صحابہٴ کرامؓ کے نزدیک باقتضاءِ بشریت ان حالات کے مقابلہ میں بیشک بہت ہی بڑی اور نہایت اہم تھی، جس سے ان کے ایمان کا امتحان لیا گیا کہ حالات سے تنگ آ کر، مجاہدات سے گھبرا کر اس میں کوئی شک وشبہ تو نہیں کرتے جس کا نبی اکرم ﷺ ان سے وعدہ کرتے ہیں۔

زبردست امتحان

دراصل اللہ جل شانہٗ کو سرورِ دو عالم ﷺ کی موجودگی میں ہی اس دین کی تکمیلِ باکمال مقصود تھی۔ اس لئے صحابہٴ کرامؓ کی ہر چیز کو اور ان کی ہر صفت کو آزمائش کی بھٹی میں ڈال کر جانچا گیا۔ چنانچہ ابتداءِ اسلام میں مختلف قسم کے مصائب وآلام میں مبتلا کر کے آزمایا گیا کہ آیا ہمارے اور ہمارے رسول ﷺ کے حکم کے مقابلہ میں اپنی جانوں کو زائد عزیز تو نہیں رکھتے۔ اس کے بعد بیوی بچوں سے، خویش واقارب سے الگ کر دیا گیا کہ ہم سے بڑھ کر رشتوں، قبیلوں کی محبت تو نہیں۔ دنیا و مال کی محبت تو نہیں ہے۔

بالآخر سب کچھ چھڑوایا گیا، لیکن صحابہٴ کرامؓ اس میں بھی پورے اترے۔ اللہ اور اس کے

---

[۱] صحیح البخاری: ۳۵۹۵

رسول ﷺ کے حکم کے مقابلے میں جان و مال، خویش و اقارب، بیوی اور بچّے سب کے چھوڑنے پر راضی ہو گئے اور اس کو بھی کر کے دکھایا۔ پھر بھی اس پر بس نہیں، بلکہ جو ہمارے دشمن ہوں ان کو تم بھی دشمن سمجھو۔ اور اگر ہمارے دین اور ہمارے نبی ﷺ کے خلاف لڑیں تو تم ان کے خلاف لڑو۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ نے جنگِ بدر میں اس حکم کو بھی پورا کر کے دکھایا کہ کسی نے بیٹے کو اور کسی نے بھائی کو اور دوسرے رشتہ داروں کو قتل کیا۔ غرض سب اپنے رشتہ داروں کے مقابلے میں آئے۔

آج اس وقت ہمارے لئے ان حالات و واقعات کا پڑھنا تو بہت آسان ہے، لیکن جس نے پرورش کی ہو، جس نے پالا ہو، جن کے ساتھ زندگی بسر کی ہو اور زندگی کی رنگ رلیاں منائی ہوں، ساری زندگی دوستی رہ چکی ہو، ان کو اپنا بدترین دشمن سمجھنا اور اسی پر بس نہیں، بلکہ اس کو ثابت کر کے دکھانا، اپنے ہی ہاتھوں ان کا کام تمام کرنا۔ اور اگر انہیں یہ کہا جائے کہ انسانیت کے بس کی بات نہیں تھی تو بھی بے جا نہ ہوگا۔

لیکن قربان صحابۂ کرامؓ کی اس محبت پر جو ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے تھی کہ اس کے بعد انھوں نے ہر چیز کو اپنے دلوں سے بھلا دیا تھا اور اپنا سب کچھ اس کے لئے قربان اور نثار کر دیا تھا۔

امتحانی سفر

اسی طرح صلحِ حدیبیہ کے موقعہ پر صحابۂ کرامؓ کا بڑا سخت امتحان ہوا کہ چودہ سو کی جماعت مدینہ منورہ سے حدیبیہ تک سفر کی مشقتوں کو جھیلتی ہوئی پہنچتی ہے اور یہاں اس کو روک دیا جاتا ہے کہ تم لوگ اس سال عمرہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح حسرت کے ساتھ مشقت بھرا سفر کر کے مدینہ لوٹ جاؤ۔ اور بظاہر یک طرفہ شرائط پر صلح نامہ مرتب کیا گیا۔

(۱) مسلمان امسال واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔
(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں، وہ بھی نیام میں اور نیام جلیبان، تھیلے وغیرہ میں ہو۔
(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں، ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
(۵) کافروں میں سے اگر کوئی شخص مکہ سے مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے۔ لیکن مسلمان مکہ چلا آئے تو اسے واپس نہ کیا جائیگا۔
(٦) قبائلِ عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

اتنی بڑی طاقت کے ہوتے ہوئے رسولِ خدا ﷺ کا منجانب اللہ اس صلح نامہ پر دستخط کرنا صرف صحابہؓ کے جذبۂ ایمان کا امتحان تھا ورنہ آپ ﷺ کے پاس لشکرِ جرار اور ایسے تربیت یافتہ جانباز تجربہ کار سپاہی تھے کہ وہ صرف تین سو تیرہ دشمن کے ایک ہزار مسلّح لشکر کے ساتھ ٹکرا کر اسے چور چور کر چکے تھے۔ اور ان میں سے اکثر کو فرداً فرداً بھی بارہا اپنے اس تجربہ کو پختہ کرنے کا خود ان کفارِ قریش نے موقع فراہم کیا تھا۔ اس لئے افراد، اسلحہ، طاقت وقوت، ہر لحاظ سے مسلمانوں کا پلّہ بھاری تھا۔

مزید برآں، کفار کی طرف سے اس موقعہ پر ایسی متعدد شرارتیں ہو چکی تھیں کہ تمام فوجِ نبوی ﷺ بالکل مشتعل تھی۔ ان کو اشتعال دلانے کے لئے نہ شعر و شاعری کی ضرورت تھی، نہ رجزیہ اشعار کی، نہ کسی تقریر کی، اور نہ جنگی قصائد کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ چودہ سو (۱۴۰۰) کا یہ لشکر کوئی جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ وہ محض خدا لاشریک کے اس گھر کی زیارت کے لیے آیا تھا جہاں سے وہ نکال دیئے گئے تھے اور جس کی زیارت کے لئے وہ تڑپ رہے تھے۔ اور اس مقدس ومحبوب سرزمین پر چند دن گزارنے آئے تھے جو اُن کا اور

ان کے آباء کا وطن تھا جہاں وہ پیدا ہوئے تھے اور پھلے پھولے تھے۔

آپ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کی محبوب سرزمین

خود رسولِ پاک ﷺ کو اس مقدس سرزمین سے اس قدر محبت تھی کہ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے جارہے تھے تو کعبۃ اللہ کی الوداعی زیارت کر کے فرمایا: ''اے پیاری وادیٔ مکہ! ساری دنیا سے تو مجھے زائد عزیز ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے نہ نکالتے تو میں ہرگز نہ چھوڑتا۔'' [1]

اسی طرح سے ہجرت سے پہلے مدینہ طیبہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔ اور وہاں کی آب و ہوا بہت خراب تھی جو کہ بعد میں آپ ﷺ کی دعا سے ایک بلا کی صورت میں اور پراگندہ بال بدصورت عورت کی شکل میں مدینہ سے نکل کر چل گئی۔ اس لئے اکثر صحابہؓ مدینہ منورہ پہنچ کر بیمار ہوگئے۔ ان میں حضرت بلالؓ بخار کی شدت اور دردِ فراق میں رو رہے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے۔

أَلَا لَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ أَبِيْتَنَّ لَيْلَةً   بِوَادٍ وَّحَوْلِيْ اِذْخِرٌ وَّجَلِيْلُ

(کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ کیا وہ دن بھی کبھی آئیگا کہ میں مکہ کی وادی میں ایک رات بسر کروں اور میرے آس پاس اذخر اور جلیل ہوں۔)

وَهَلْ أَرِدَنَّ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ   وَهَلْ يَبْدُوَنَّ لِيْ شَامَةُ وَطَفِيْلُ

(اور کیا ایسا بھی کبھی ہوگا کہ میں مجنہ کے چشموں پر اتروں اور شامہ و طفیل مجھ کو دکھائی دیں۔) [2]

اس کے سوا بہت سے صحابۂ کرامؓ کے بیوی بچے مکہ مکرمہ ہی میں تھے۔ وہ ہجرت کر کے بیوی بچوں کو چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ تو کعبۃ اللہ اور مقدس سرزمین اور بیوی بچوں اور رشتہ داروں کے ملنے سے جب ان مجاہدین کو روک دیا گیا جو کہ کئی سال سے دردِ فراق اور

---

[1] سنن الترمذی: ۳۹۲۶ / صحیح ابن حبان: ۳۷۰۹

[2] صحیح البخاری: ۱۸۸۹، ۳۹۲۶

آتشِ ہجر میں جل رہے تھے، تو سوچنے کی بات ہے کہ ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ مزید برآں صلح کے تمام شرائط مسلمانوں کے کھلم کھلا خلاف تھے کیونکہ دب کر صلح کی جارہی ہے۔ لیکن خاتم النبیین سید الکونین فخرِ دوعالم ﷺ کے ان مبارک ساتھیوں پر قربان کہ انہوں نے سب کچھ اللہ ورسول ﷺ کے لئے برداشت کرلیا۔

گُلِ دیگر شگفت

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی اپنی کتاب سیرۃ النبی ﷺ میں اس صلح کو امتحان قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ان حالات کا گوارا کرنا صحابۂ کرامؓ کے لئے ان کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا۔ ایک طرف ظاہر میں اسلام کی توہین ہے۔ حضرت ابوجندلؓ بیڑیاں پہنے چودہ سوجاں نثارانِ اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں۔ اور چودہ سو مجاہدینِ اسلام کے سامنے ایک کافر حضرت ابوجندلؓ کے منہ پر طمانچہ ماررہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر سارے مسلمان رورہے ہیں کہ خدا نے ہمیں اور اسلام کو اس قدر عزت عطا فرمائی ہے اور ہمارے بھائی پر اس قدر ظلم ہورہا ہے۔ اور وہ بیچارے اپنی اس مظلومیت کی فریاد بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں **أَیْ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ! أُرَدُّ اِلَی الْمُشْرِکِیْنَ؟** اے مسلمانو! کیا میں دوبارہ مشرکین کے حوالہ کیا جاؤں گا؟ حالانکہ **وَقَدْ جِئْتُ مُسْلِماً أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ لَقِیْتُ؟** میں مسلمان ہوکر آیا ہوں۔ کیا آپ لوگ نہیں دیکھتے ہیں کہ مجھ پر کیا گذررہی ہے؟ راوی کہتے ہیں **فَکَانَ عُذِّبَ فِی اللّٰہِ عَذَاباً شَدِیْداً** کہ محض **رَبُّنَا اللّٰہُ** کہنے کی وجہ سے اُن پر بڑے سخت مظالم ڈھائے گئے۔ اور کوئی قصور نہیں تھا۔ مقصود صرف یہ ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کو رب کیوں مانتے ہو۔ جیسا کہ خود حضرت ابوجندلؓ کا ارشاد منقول ہے: **'وَجَعَلَ أَبُو جَنْدَلٍؓ یَصْرُخُ بِأَعْلیٰ صَوْتِہٖ: یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ! أُرَدُّ اِلَی الْمُشْرِکِیْنَ یُفْتِنُوْنِی فِی الدِّیْنِ'**۔ حضرت ابوجندلؓ چلاّ چلاّ کر مسلمانوں سے کہہ

رہے تھے کہ کیا مجھے دوبارہ کفار کے حوالہ کیا جائے گا کہ وہ مجھے میرے دین اسلام کی وجہ سے تکالیف پہونچائیں۔

سب کے دل جوش سے لبریز ہیں۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کا ذرا ایماء ہو جائے تو تلوار فیصلۂ قاطع کے لیے موجود ہے۔ عہد نامہ لکھا جا رہا ہے۔ دونوں طرف سے معاہدہ پر دستخط بھی نہیں ہوئے ہیں۔ سہیل بن عمرو (جو اہل مکہ کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کرنے کا اختیار رکھتا تھا) کے سامنے ابو جندلؓ اس جلسہ میں پہنچا دیئے گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو جندل کی طرف دیکھا اور فرمایا:

يَا أَبَا جَنْدَلَ! اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ! فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَّكَ وَلِمَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ فَرَجاً وَّمَخْرَجاً اِنَّا قَدْ عَقَدْنَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ صُلْحاً وَّاِنَّا لَا نَغْدِرُ بِهِمْ [1]

اے ابو جندل! صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو! بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور تمہارے کمزور ساتھیوں کے لئے کشادگی اور راستہ پیدا کرنے والے ہیں۔ اور ہمارا اور اس قوم کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ ہم اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

غرض حضرت ابو جندلؓ کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔ اور صحابہؓ کرام کے علاوہ خود ابو جندلؓ کا کتنا سخت شدید امتحان تھا کہ مصائب اٹھاتے اٹھاتے اور مظالم سہتے سہتے سالہا سال گزرتے رہے اور کوئی فریاد رس نہ تھا۔ شعر

مظلوم خستہ را بجز ایزد پناہ نیست یارب قیامت است کہ اندر بسیطِ خاک [2]

جب چپکے سے قید خانہ سے پابہ زنجیر گرتے پڑتے دربارِ نبوی ﷺ میں مجاہدین اسلام کے جمگھٹے میں یہ آس لے کر پہنچتے ہیں کہ سالہا سال کے مظالم اور تکالیف سہنے کے بعد آج

[1] مسند احمد: ۱۸۹۱۰

[2] ترجمہ: ''یارب! یہ کیا قیامت ہے کہ اس وسیع وعریض دنیا میں بیچارے مظلوم خستہ حال کے لئے خدا کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔''

چھٹکارا نصیب ہوگا۔اس وقت تسلی اور حالِ معذرت کے چند الفاظ سن کر اُن کے دل پر کیا گذری ہوگی۔

وہ تکالیف ومصائب سے دوچار ہوتے لیکن ان کے دل کی گہرائیوں میں ایمان ویقین اس درجہ مستحکم پہاڑ کی طرح تھا کہ اس میں ذرا تزلزل نہ آسکا۔موجودہ زمانہ کے سینکڑوں، بلکہ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی قوت ملا کر بھی شاید ایک ابوجندلؓ کے ایمان کی قوت کو نہ پہنچ سکے کہ اس سخت آزمائش میں بھی وہ اپنے اسلام پر جمے رہے۔اور ایسی سخت آزمائش بھی ان میں ایک ذرہ برابر ضعف وتزلزل پیدا نہ کرسکی۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ۔

ایسے دردمند عشاق بے تاب دلوں کے اندر کی جلتی ہوئی آگ کو بجھانے کے بجائے اس کو مزید بھڑکایا گیا۔اور معشوق اور محبوب حقیقی نے صرف ان کا امتحان لینے کے لیے اپنے در تک بلا کر واپس کیا۔اور خواب میں ایک جھلک دکھا کر جلد اس کی تعبیر پوری نہ کی۔تو اس وقت عشاق کا کیا حال ہوا ہوگا وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔کسی قلم میں طاقت نہیں کہ اس کو لکھ سکے۔کسی زبان میں قدرت نہیں کہ اس کو بیان کرسکے۔

اب تک تو ان کو کسی درجہ میں بھی یہی امید تھی کہ ممکن ہے کہ حکم اب بھی بدل جائے اور ان روکنے والوں کو ان کی شرارتوں کا مزہ چکھادیں۔لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہیں قربانی کردو اور سر منڈوادو تو وہ غمزدہ غمگین شکستہ خاطر بلاحس وحرکت بیٹھ گئے۔سناٹا چھا گیا۔حالانکہ ایسے اطاعت شعار کہ مسجد میں حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں ’’بیٹھ جاؤ‘‘ اور دروازے پر ایک صحابی کے کان میں یہ سریلی آواز پہنچتی ہے۔وہیں بیٹھ جاتے ہیں۔

لیکن آج براہِ راست ارشاد کے باوجود کوئی متحرک نہ ہوا۔در تک پہنچنے کے بعد معشوق کا وصال نہ ہوسکنے کے غم کا بھاری پہاڑ دلوں پر تھا۔جب تین دفعہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ فرمایا اور چودہ سو ساتھیوں کو بے ہوش اور نیم جاں پایا تو حضور ﷺ نے سمجھا کہ شاید اس حکم میں تبدیلی کا احتمال ہے اس لئے اس غلط فہمی کو دور فرمانے کے لیے بذاتِ خود آپ ﷺ نے

قربانی فرما کر سر مبارک منڈوایا۔ تب سب کو یقین ہوگیا اور سب نے قربانی کی اور حلق کر کے کپڑے پہن لئے اور صلح کے بعد مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

اپنے در سے ہٹا کر پھر امتحان

معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر ایک کسوٹی اور سراپا امتحان ہی امتحان تھا۔ چنانچہ جب واپسی پر راستہ میں سورۃ الفتح نازل ہوئی ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْنًا o'' کہ ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی۔ سب کے دلوں پر واپس ہٹائے جانے کا صدمہ، دلوں پر غم کا پہاڑ ہے، آنکھیں اشکبار ہیں، اس حالت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ملتا ہے کہ تم اس کو ہزیمت اور شکست سمجھتے ہو؟ یہ شکست نہیں بلکہ اس کو فتح کہو۔ شکست سمجھ کر تم غمگین نہ ہو۔ ہم تو اس کو فتح کہتے ہیں اس لئے خوش ہونا چاہئے۔

بظاہر اس کو فتح حالات و واقعات و مشاہدات کے بالکل خلاف کہا گیا ہے۔ یہ امتحان نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر صرف تسلی مقصود ہوتی، امتحان نہ ہوتا تو پھر آئندہ ملنے والی فتح کا ضرور مختصراً ذکر ہوتا کہ اب تو یہ حال ہے مگر آئندہ یہ سب کچھ تمہارا ہے۔ لیکن دل و زبان دونوں کا امتحان ہے کہ زبان سے بھی اس کو فتح ہی کہو اور دل سے بھی فتح ہی کا یقین کرلو۔ اور وہاں تو یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ دل میں کچھ ہو، زبان پر کچھ۔ یہ تو آج ہماری حالت ہے کہ ع

بر زبان ست یا صمد و در دلش است یا صنم تو بباطن کافری ظاہر مسلمانی چہ شود [1]

وہاں اس وقت اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کے فرمان میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی کیونکہ اس واقعہ کا وحی الٰہی حقیقتِ حال ظاہر کر دیتی۔

سب سے زیادہ رنج حضرت عمرؓ کو تھا۔ چونکہ اس موقعہ پر انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے گفتگو فرمائی تھی۔ اس لئے خصوصیت سے انہیں کو بلوا کر حضور ﷺ یہ سورت سناتے ہیں

[1] ترجمہ: 'زبان پر تو یا صمد کی رٹ ہے اور دل میں یا صنم کی پکار! تو باطن میں جب کافر ٹھہرا تو ظاہر میں کیا مسلمان ہوگا؟'

کہ وہ سب سے زیادہ مشتعل اور جذبہ میں سرشار تھے۔ صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ اس کو فتح سن کر یقین کرتے ہیں یا نہیں۔ اس میں کوئی شک وشبہ تو نہیں کرتے۔

غرض یہ کہ اس سفر کے سارے واقعات وجزئیات دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سفر کا اصل مقصد صحابہ کرامؓ کا ایمانی امتحان تھا کہ اپنے جذبہ وشوق، محبت وچاہت اور اپنی ہر چیز کو خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے مقابلہ میں ہر وقت قربان کر دینے کو تیار رہیں۔ یہ جذبہ اگرچہ پہلے سے صحابۂ کرام میں موجود تھا مگر اس کو آزمائش کی بھٹی میں پکا کر مزید پختہ کرنا تھا اور ظاہر کے خلاف خدا اور رسول ﷺ کے حکموں پر یقین پیدا کرنا تھا جو پہلے سے بھی موجود تھا مگر اس میں اضافہ کرنا اور امتحان لینا مقصود تھا ورنہ ان کا ایمان ویقین کامل تو پہلے ہی سے تھا۔

ماریہ قبطیہؓ کا پختہ یقین

یہ ہی وہ یقین تھا کہ جب حضور اقدس ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کا ہجرت کے بعد انتقال ہو گیا، تو حضرت ماریہ قبطیہؓ رونے لگیں۔ تو سرورِ کونین ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ لختِ جگر ابراہیم تو جنت میں حوروں کی گود میں کھیل رہے ہیں۔ اگر تمہارا دل چاہے تو میں خدا سے اس کی دعا کروں کہ وہ پردوں کو ہٹا دے اور تم جنت میں اس کو کھیلتا ہوا دیکھ لو۔ اس پر حضرت ماریہؓ نے فرمایا: ''بس مجھے آپ ﷺ کے فرمان پر پورا یقین ہے۔'' میں اب دیکھنا نہیں چاہتی۔ ممکن ہے کہ دیکھنے میں میری آنکھ خطا کر جائے اور غلط دیکھ لے۔ لیکن آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک غلط نہیں ہو سکتا۔

تو اس حدیبیہ کے موقع پر ان سے ان کے ایمانی جذبہ ویقین کا امتحان لیا گیا، جس میں وہ پورے اترے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مواقع ہیں۔

صحابہ کرامؓ کو طرح طرح کے ابتلاء وآزمائش میں ڈالا گیا مگر بڑے سے بڑا اور نازک سے نازک ترین امتحان بھی ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکا اور بڑے سے بڑا زلزلہ اور طوفان ان

کے پاؤں میں لغزش نہ پیدا کرسکا۔ یہ تھے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کہ انہوں نے اپنے نفس کوشریعت کے تابع بنالیا تھا کہ اگر زندہ رہنا ہے تو اتباعِ رسول اللہ ﷺ پر اور مرنا ہے تو بھی اسی پر۔ اور ہر حالت میں آپ ﷺ کے طریقوں پر چلنا ہے۔ ان کے لئے اسوۂ رسول ﷺ ایسا ہی تھا جیسا کہ مچھلی کے لئے پانی کہ وہ بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح یہ حضرات آپ ﷺ کے طریقہ پر عمل کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔

آپ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ

حضور اقدس ﷺ کا ہر قول و فعل قابلِ اتباع ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ۝[1]

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ ﷺ کا عمدہ نمونہ موجود ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ہم لوگوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کا اتباع کیا۔ آپ ﷺ نے ہر چیز پر عمل کر کے دکھایا جس کا اللہ پاک ہی نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا تھا۔

اس آیت پر علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس امر پر بہت بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کل اقوال و افعال اور احوال اقتداء و پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگِ احزاب میں جو صبر و تحمل، عدیم المثال شجاعت کی مثال حضور ﷺ نے قائم فرمائی، جس میں راہِ خدا کی تیاری، شوقِ جہاد اور سختی کے وقت بھی آپ ﷺ کا اپنے رب پر اعتماد و یقین، یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان اُنہیں اپنی زندگی کا جزوِ عظیم بنالیں۔ اور اپنے پیارے رسول ﷺ کو اپنے لیے بہترین نمونہ بنالیں۔ اور ان اوصاف سے اپنے آپ کو بھی

[1] سورۃ الأحزاب: ۲۱

متصف کریں۔

اس لئے قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق فرماتا ہے جو اس وقت اضطراب و گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کر رہے تھے کہ تم لوگوں نے میرے نبی ﷺ کی تابعداری کیوں نہ کی حالانکہ وہ تم میں موجود تھے۔ اور ان کا نمونہ تمہارے اندر موجود تھا۔ تمہیں صبر و استقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ صبر و تحمل، استقلال و تدبر کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تم جب کہ خدا اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو، پھر کوئی وجہ نہیں تھی کہ تم اپنے رسول ﷺ کو اپنے لئے نمونہ اور نظیر قائم نہ کرتے۔

غرض حضور سرورِ کائنات ﷺ کو اللہ جل شانہٗ نے اس امت کے لئے نمونہ بنا کر بھیجا۔ اسلام قیامت تک آنے والے سارے انسانوں کے لئے ہے اور امت کے ہر محاذ پر رہنمائی کرے گا۔ کیونکہ ببانگِ دُہل خدا کا یہ اعلان ہے:

اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً ٥ [1]

کہ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کیا۔

جنت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی معیّت

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت پر ایک زبردست انعام کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقاً ٥ ذٰلِکَ

جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مان لے گا تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاءؑ و صدیقینؓ و شہداءؒ اور صلحاء کے ساتھ ہوں گے۔ اور یہ

[1] سورۃ المائدۃ: ۳

الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيماً ۝ [1]

حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اللہ کافی جاننے والے ہیں۔

خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت جو کہ انسانیت کے لحاظ سے بھی ایک انسان کا فرض ہے اس کو بجا لانے پر خداوند تعالیٰ کیسے کیسے انعامات کا وعدہ فرماتا ہے۔ اتنے بڑے وعدوں کی صحیح معنی میں قدر تو وہاں پہنچ کر ہی ہوگی۔ لیکن اس وقت بھی اگر میدانِ حشر کی تکالیف کو اور خدا اور رسول ﷺ کے منکرین کے بُرے انجام پر بھی غور کیا جائے تو پوری زندگی کا ایک ایک سانس خدا اور رسول ﷺ کی اتباع میں گذر جائے اور اُس کے بعد بھی صرف ان تکالیف اور مصائب اور عذاب وسزا سے جس کا خدا اور رسول ﷺ کے نافرمانوں کے لئے وعدہ کیا گیا ہے، ان سے صرف نجات مل جائے تب بھی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور ایسی بڑی کامیابی ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔

لیکن خدا اور رسول ﷺ کی انسانوں کے ساتھ ان بے پناہ شفقتوں پر قربان کہ صرف اپنے ہی فائدے کے لئے کچھ کریں، اس پر بھی انعامات۔ اور انعام بھی اتنا عظیم مقرر کیا کہ جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت نصیب ہوگی۔

جنت کا تذکرہ

جنت، پھر وہ بھی سارے انبیاء کرام کے سردار فخرِ دوعالم ﷺ کو جو جنت ملے گی، اس جنت کا اندازہ آپ کو اس سے ہو سکے گا کہ جنت والوں میں سے ادنیٰ درجہ کے جنتی کو اس دنیا سے دس گنا بڑی جنت ملے گی۔ وہ جنت میں داخل ہو کر اپنے دائیں بائیں نگاہ اٹھائے گا اور باغات دیکھ کر پوچھے گا کہ یہ کس کے لئے ہیں؟ تو اُسے جواب دیا جائے گا کہ یہ تیرے ہی

---

[1] سورۃ النساء: ۶۹

لئے ہیں۔ اور جب وہ آگے بڑھے گا تو اس کے لئے ایک سُرخ یاقوت یا سبز رنگ کے زبرجد کا موتی سامنے لایا جائے گا جس میں ستر مکان ہوں گے۔ اور ہر مکان میں ستر کمرے ہوں گے۔ ہر کمرے میں ستّر دروازے ہوں گے۔ اس سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا یہاں تک کہ وہ اپنی مسند تک پہنچ جائے گا۔ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ جائے گا۔

پھر اس کی حوریں اس کے پاس آئیں گی۔ ان کا یہ حال ہوگا کہ ایک حور عین اس کے سامنے مسند پر سامنے آکر بیٹھ جائے گی۔ اس پر ستّر جوڑے ہوں گے۔ اور ہر ایک کا رنگ الگ الگ ہوگا۔ اور اتنی خوبصورت ہوگی کہ ان کپڑوں کے باوجود گوشت اور خون اور ہڈی حتیٰ کہ ہڈی کے درمیان کا گودہ بھی نظر آئے گا۔ یہ ادنیٰ جنتی اُسے دیکھ کر پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گی کہ میں حور عین ہوں جواب تک تیرے لئے محفوظ رکھی گئی ہوں۔ تو وہ چالیس سال تک اس کی خوبصورتی کو دیکھتا رہے گا۔ اور ذرا اس سے نظر نہ ہٹائے گا۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے جنتی کے لئے اسّی ہزار خادم ہوں گے اور بہتّر بیویاں ملیں گی۔ اور اس کے لئے زبرجد اور یاقوت کا ایک محل تیار کیا جائے گا جس کا طول وعرض جابیہ سے لے کر صنعاء تک ہوگا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ کیا میں تمہارے سامنے جنت کے کمروں کا حال نہ بیان کروں؟ تو میں نے کہا: ”کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔“ تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں موتی کی قسم کے حجرے ہوں گے جس میں اندر کی چیزیں باہر سے نظر آئیں گی اور باہر کی چیزیں اندر سے نظر آئیں گی۔ اور ایسی ایسی لذتیں اور نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں۔[۱]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں بیان کیجئے کہ

---

[۱] البعث والنشور للبیہقی: ۲۵۳ / حلیۃ الاولیاء: ج۲، ص۳۵۶

جنت کی تعمیر کیسے ہوگی؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سونے اور چاندی کی اینٹیں ہیں اور مُشک اس کا گارا ہےاورس کے کنکر یاقوت اور موتی ہیں۔اوراس کی مٹی زعفران کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے اُس کا تنا سونے کا ہے اور اس کی شاخیں زمرد اور موتیوں کی ہیں۔ جب ہوا چلتی ہے تو اس سے سریلی آواز پیدا ہوتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے زیادہ سریلی آواز کہیں نہیں سنی۔ [۱]

اسی طرح حضور اقدس ﷺ نے جنت کے درختوں کی، وہاں کے نہروں اور پھلوں کی، دیواروں اور دروازوں کی، غرض ایک ایک چیز کی کیفیت بیان فرمائی۔ مختصر یہ کہ **مَــالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَـمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ** ۔نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی آدمی کے دل میں اس کا وسوسہ گذرا۔ [۲]

تو جب ادنیٰ جنتی کے لئے ایسی ایسی نعمتیں ہیں تو مقربان وخواص، پھر فخرِ دوعالم نبی کریم ﷺ کے لئے کیا سے کیا ہوگا۔ ہم جیسے سیاہ کاروں کے لئے حضور ﷺ کی غلامی کے طفیل سب سے بڑی نعمت آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہو اور وہ بھی ایسی نعمتوں کے ساتھ اس سے بڑا اور کیا انعام ہوسکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ ہمارے دلوں میں ان نعمتوں کی قدر عطا فرمائے اور آپ ﷺ کے مبارک طریقوں کے لئے ہمارے دلوں میں جگہ پیدا فرمائے۔ **اٰمین ثم اٰمین۔**

افسوس صد افسوس کہ ایسے بڑے بڑے وعدوں کے باوجود ان طریقوں پر عمل تو درکنار، آج تو مسلمانوں کے دلوں سے ان طریقوں کی عظمت بھی نکل گئی۔

سنت سے محبت پر انعام

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس

---

[۱] صفۃ الجنۃ للاَصبہانی: ۴۳۳

[۲] متفق علیہ۔ صحیح البخاری: ۳۲۴۴ ، مسلم: ۲۸۲۵

ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''بیٹا! اگر تو اس بات پر قادر ہو کہ تیری طرف سے کسی کے لئے دل میں کینہ نہ ہو تو اس کو اختیار کر کہ یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو پسند کرتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرا جنت میں رفیق ہے۔ [1]

ہمیں اپنی حالت پر سوچنا چاہئے کہ ہم کتنے دور جا چکے ہیں کہ سنت کی محبت بھی ہمارے دلوں سے نکل چکی ہے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ صرف اپنی سنت سے محبت رکھنے پر بھی رفاقتِ جنت کا وعدہ فرما رہے ہیں۔ اصل میں قاعدہ یہ ہے کہ:

مَنْ تَهَاوَنَ بِالْاٰدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّةِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَّةِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ [2]

جو شخص شریعت کے آداب کو خفیف اور ہلکا سمجھے اُسے سنت سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے اور جو شخص سنت کو خفیف اور ہلکا سمجھتا ہے اسے فرائض سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے اور جو فرائض کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔

گناہوں سے ہی بچنا اس جہاں میں ہوشمندی ہے
وہ توبہ ہی نہیں توبہ جو نذرِ جام ہوجائے

غمِ فرقت ہی کیا کم ہے مِرے دل کو جلانے کو
ستم ہو اس پر تو یہ گُل چراغِ شام ہوجائے

---

[1] سنن الترمذی: ۲۶۷۸

[2] یہ امام عبداللہ ابن المبارکؒ کا قول ہے، کما فی مدارج السالکین لابن القیم: ج ۲، ص ۳۸۱

آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے صحابہؓ کی غیر معمولی محبت

مذکورہ بالا آیات کا شانِ نزول ہی سیّد الکونین ﷺ کے ایک صحابیؓ کے کمالِ عشق ومحبت پر ہوا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ بہت ہی کمزور ہوگئے۔ بدن بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ حضرت ثوبانؓ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ!

مَـابِـیْ وَجَـعٌ غَیْـرَ اَنِّـیْ اِذْ لَمْ أَرَکَ اشْتَـقْتُکَ وَاسْتَـوْحَشْـتُ وَحْشَةً عَـظِیْـمَةً حَتّٰـی أَلْـقَـاکَ فَـذَکَـرْتُ الْآخِرَةَ حَیْثُ لَا أَرَاکَ هُنَاکَ لِأَنِّی اِنْ دَخَلْـتُ الْـجَـنَّةَ فَـأَنْتَ تَکُوْنُ فِیْ دَرَجَاتِ النَّبِیِّیْنَ وَاِنْ لَّمْ أَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَحِیْنَئِذٍ لَّا أَرَاکَ أَبَداً [1]

مجھے کوئی بیماری نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ جب مجھے آپ ﷺ کی زیارت نہیں ہوتی تو مجھے سخت رنج طاری ہوتا ہے اور بڑی زبردست ایک وحشت طاری ہوتی ہے یہاں تک کہ خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوکر زیارت کرکے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی نہ کرلوں۔ تو اب میں آخرت کی سوچتا ہوں کہ وہاں مجھے آپ ﷺ کی زیارت نہ ہوسکے گی۔ اس لئے کہ جنت میں داخلہ مل بھی گیا تو آپ ﷺ تو انبیاء کرامؑ کے درجے پر ہوں گے اور میں وہاں تک پہنچ نہیں سکوں گا۔ اور اگر مجھے جنت میں داخلہ نہ ملا تو اس وقت تو مجھے کبھی زیارت نصیب نہ ہوسکے گی (تو اس غم میں گھل رہا ہوں)۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَمَـنْ یُّطِـعِ اللّٰـهَ وَالـرَّسُوْلَ

---

[1] اسباب النزول للواحدی: ج۱، ص۱۶۵

(الآیۃ)‘‘۔ ۱؎ اس کے بعد ثوبانؓ کو اطمینان ہوا۔

یہ تھی ان حضرات کے یہاں حضورِ اکرم ﷺ کی قدر۔ اس لئے اللہ جلّ شانہٗ نے امت میں اپنے محبوب نبی ﷺ کی صحبت کے لئے ان حضرات کو منتخب فرمایا کہ ان حضرات میں سید الرسل ﷺ کے ساتھ رہنے کی صلاحیت واستعداد تھی، جسے اِن صحابہ نے آپ ﷺ کے لئے قربان کر دیا تھا۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو نسبتِ نبوی ﷺ کے طفیل اور صحبت کی برکت سے وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے صحابی کے مرتبہ کو بڑے سے بڑا غوث اور قطب بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اگر چہ حضور ﷺ کی امت میں ایسے ایسے اللہ کے بندے، اللہ کے ولی پیدا ہوئے کہ ان کے مجاہدے بڑے بڑے صحابہ سے بھی زیادہ ہیں۔ ان کی نمازیں، ان کے روزے، ان کا راتوں کو رونا، ان کی تہجد، ان کی تلاوت بعض صحابۂ کرامؓ سے بھی زائد ہوئی ہیں، مگر وہ صحابۂ کرامؓ کے قدم کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ دراصل یہ سنتِ نبوی اور محبتِ محمدی ﷺ کا پاس ولحاظ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے افعال واعمال پر نقد وتبصرہ کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ صحابہ معصوم ہیں، معصوم تو صرف انبیاءِ کرام ہیں۔ ان سے گناہ کا صدور ممکن نہیں۔ لیکن صحابہ کرامؓ کے کسی فعل پر لب کشائی کا حق نہیں، اس کی وجہ صرف یہ نسبتِ صحابیت ہے۔

لیکن جس شخص کو حضور ﷺ سے کوئی محبت ہی نہ ہو، اور نہ احکامِ خداوندی کا پابند ہو تو پھر یہ وہی شخص ہوسکتا ہے جو اس نسبت کی پرواہ کئے بغیر شیطان کی رہبری میں آکر جو چاہے گا لکھتا رہے گا، جو چاہے گا بکتا رہے گا۔ جس کا فیصلہ انصاف کرنے والا خدا کل قیامت کے

۱؎ سورۃ النساء،: ۶۹۔ ترجمہ:’اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، تو یہ لوگ ان کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے۔ اور انکی رفاقت کتنی اچھی ہے۔‘

دن اپنے رسول ﷺ اور جاں نثار صحابہ کے سامنے کرے گا۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ ۝ [۱]

اطاعتِ رسول ﷺ اطاعتِ الٰہی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظاً ۝ [۲]

جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی کرے سو ہم نے آپ ﷺ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا جو بندہ رسول حضرت محمد ﷺ کا اطاعت گذار ہے وہی درحقیقت صحیح معنوں میں میرا اطاعت گذار ہے۔ اور آپ ﷺ کا نافرمان میرا نافرمان ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ آپ کا قول وعمل وحیِ الٰہی کے مطابق ہوتا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف میں متعدد جگہ اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ نجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ [۳]

اور نہ آپ اپنی خواہشِ نفسانی سے باتیں سناتے ہیں۔ ان کا ارشاد میری وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے ان پر۔ ان کو ایک قوی فرشتہ تعلیم کرتا ہے۔

---

[۱] سورۃ الشعراء، آیۃ ۲۲۷۔ ترجمہ: 'اور عنقریب ظالم لوگ جان لینگے کہ وہ کیسی پلٹنے کی جگہ پر پلٹتے ہیں۔'

[۲] سورۃ النساء: ۸۰

[۳] سورۃ النجم: ۳ تا ۵

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا علم کامل ہے۔ آپ ﷺ کا عمل مطابقِ علم ہے۔آپ ﷺ کا راستہ سیدھا ہے۔اور آپ ﷺ عظیم الشان شریعت کے شارع ہیں۔اور آپ ﷺ اعتدال والے راہِ حق پر قائم ہیں۔آپ ﷺ کا کوئی قول،کوئی فرمان اپنی نفسانی خواہش اور ذاتی اغراض سے نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ جس چیز کی تبلیغ کا آپ ﷺ کو حکمِ الٰہی ہوتا ہے،آپ ﷺ اس کو زبانِ مبارک سے فرماتے تھے اور وہی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا تھا۔کمی بیشی،زیادتی ونقصان سے آپ ﷺ کا کلام پاک ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کی شفاعت سے جو نبی نہیں ہوگا دو قبیلوں کے آدمیوں کے برابر یا ایک قبیلہ کے لوگوں کے برابر لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ دو قبیلے یہ ہیں: قبیلۂ ربیعہ،قبیلہ مضر۔اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا قبیلۂ ربیعہ مضر میں سے نہیں ہے (کہ آپ ﷺ نے الگ الگ شمار فرمایا)؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو وہی کہتا ہوں جو مجھ سے کہلوایا جاتا ہے۔ [۱]

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ حضور اکرم ﷺ سے سنتا تھا اُسے حفظ کرنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا۔ پس بعض قریشیوں نے مجھے اس سے روکا۔اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھی انسان ہیں۔کبھی کبھی غصہ و غضب میں کچھ فرما دیا کرتے ہیں۔چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا۔ پھر میں نے اس کا ذکر حضور علیہ السلام سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھ لیا کرو۔خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میری زبان سے سوائے حق بات کے اور کوئی کلمہ نہیں نکلتا ہے۔ [۲]

مسند بزار کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں جس امر کی خبر خدا تعالیٰ کی طرف سے دوں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا ہے۔'' [۳]

---

[۱] مسند احمد: ۲۲۲۹۷

[۲] مسند احمد: ۶۵۱۰ ، سنن ابی داؤد: ۳۶۴۶ ، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۴۲۶۴

[۳] مسند البزار: ۸۹۰۰

نیز ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بجز حق کے اور کچھ نہیں کہتا۔ اس پر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ تو کبھی کبھی خوش طبعی بھی کیا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُس وقت بھی میری زبان سے ناحق نہیں نکلتا ہے۔ [۱]

اس لئے اللہ جلّ شانہٗ نے جگہ جگہ آپ ﷺ کی اتباع کا لوگوں کو حکم دیا ہے۔ کیونکہ اطاعتِ رسول ﷺ درحقیقت اطاعتِ الٰہی ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ أَطَاعَنِیْ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِیْرِیْ فَقَدْ أَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصَی أَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ [۲]

جس نے میری اطاعت کی بیشک اُس نے خدا کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی بیشک اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی پس اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

عصیانِ رسول ﷺ عصیانِ الٰہی کیوں نہ ہو جب کہ خود باری عزّ اسمہ کا ارشاد ہے:
وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۔اس بناء پر آپ ﷺ کے ارشاد کو نہ ماننا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو ٹھکرانا ہے۔

آپ ﷺ باعثِ فرق ہیں

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ جَائَتْ مَلٰئِکَۃٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ نَآئِمٌ فَقَالُوْا اِنَّ لِصَاحِبِکُمْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس چند فرشتے آئے اور آپ ﷺ سو رہے تھے۔ فرشتوں نے کہا

[۱] مسند أحمد: ۸۴۸۱
[۲] صحیح البخاری: ۷۱۳۷ / صحیح مسلم: ۱۸۲۵

هٰـذَا مَثَلاً فَـاضْـرِبُـوْا لَـهُ مَثَلاً قَـالَ بَـعْـضُـهُـمْ اِنَّـهُ نَـائِـمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْـعَيْـنَ نَـائِـمَةٌ وَّالْـقَلْبُ يَقْظَانَ فَقَالُوْا مَثَلُـهُ كَـمَثَـلِ رَجُـلٍ بَنٰى دَاراً وَّجَعَلَ فِيْهَـا مَـاْدُبَةً وَّبَـعَثَ دَاعِياً فَمَنْ أَجَابَ الـدَّاعِـيَ دَخَـلَ الـدَّارَ وَ أَكَـلَ مِـنَ الْـمَـاْدُبَةِ وَمَـنْ لَّـمْ يُـجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَـدْخُـلِ الـدَّارَ وَ لَمْ يَاْكُلْ مِنَ الْمَاْدُبَةِ فَـقَالُوْا أَوِّلُوْهَا لَهُ يَفْقَهُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ: اِنَّهُ نَآئِمٌ وَّقَالَ بَعْضُهُمْ: اِنَّ الْعَيْنَ نَآئِمَةٌ وَّالْـقَـلْـبُ يَـقْظَانُ فَقَالُوْا: اَلدَّارُ الْجَنَّةُ وَالـدَّاعِـيُ مُـحَـمَّـدٌ ﷺ فَمَنْ أَطَاعَ مُـحَـمَّـداً فَـقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّداً فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ ﷺ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ [1]

کہ تمہارے اس صاحب کے لیے ایک مثال ہے۔ اس مثال کو بیان کرو۔ بعض فرشتوں نے کہا کہ آپ ﷺ سو رہے ہیں۔ اور بعضوں نے کہا کہ آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ تو فرشتوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے ایک مکان بنا کر اس میں عام دعوت کے لیے دستر خوان بچھایا اور چنا۔ اور ایک بلانے والے کو بھیجا۔ پس جس نے بلانے والے کا کہنا مانا وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانا کھالیا اور جس نے بلانے والے کا کہنا نہ مانا وہ نہ گھر میں داخل ہوا نہ دستر خوان سے کھانا کھایا۔ پھر کسی فرشتے نے کہا کہ اس کی تفسیر حضور ﷺ کے لئے بیان کرو تا کہ حضور ﷺ اس کو سمجھ لیں۔ کسی فرشتہ نے کہا کہ آپ ﷺ سو رہے ہیں۔ اور کسی نے کہا کہ حضور ﷺ کی آنکھ سوتی ہے اور دل بیدار رہتا ہے۔ تب فرشتوں نے بیان کیا کہ وہ مکان جنت ہے اور بلانے والے محمد ﷺ ہیں جس نے محمد ﷺ کا کہنا مانا اس نے بیشک اللہ کا کہنا مانا۔ اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے

---

[1] صحیح البخاری: ۷۲۸۱

نے بیشک اللہ کی نافرمانی کی۔ اور محمد ﷺ مومن اور کافر لوگوں میں باعثِ فرق ہیں۔ (یعنی آپ ﷺ کے فرمانبردار مؤمن اور آپ ﷺ کے نافرمان کافر ہیں۔)

عذاب سے بچو

عَنْ أَبِیْ مُوْسیٰ رضی اللہ عنہ قَالَ قَال رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَ مَثَلُ مَابَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتٰى قَوْماً فَقَالَ يَا قَوْمِ! اِنِّیْ رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَیَّ وَ اِنِّیْ أَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَآءُ فَأَطَاعَهُ طَآئِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَأَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا وَكَذَّبَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ فَأَصْبَحُوْا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِیْ فَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِهٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَكَذَّبَ مَاجِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ [1]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اور اس دین کی مثال جس کو دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے اُس آدمی جیسی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے قوم! میں نے اپنی ہی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں کھلا ڈرانے والا ہوں۔ بچو اور نجات حاصل کرو۔ پس اس میں سے ایک جماعت اس کا اعتبار کر کے دھیرے دھیرے سے بڑی سہولت سے نکل گئی اور نجات پا گئی اور اس کی قوم میں سے ایک جماعت نے اس کی تکذیب کی اور اپنے مکانوں میں ہی رات کاٹ کر صبح کر دی اور صبح ہوتے ہی ان پر لشکر ٹوٹ پڑا اور ان کو ہلاک کر دیا۔ اور جڑ بنیاد سے اکھیڑ ڈالا۔ پس یہ مثال میری اور میرے لائے ہوئے دین کی اتباع کرنے والے لوگوں کی ہے اور ان

---

[1] صحیح البخاری: ۷۲۸۳ ، صحیح مسلم: ۲۲۸۳

لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے دین کو جھٹلایا۔

لہٰذا قبل اس کے کسی عذاب دینے والوں کا لشکر سکرات کے وقت یلغار کر کے عذاب شروع کر دے، پھر وہاں کوئی کمک نہ پہنچ سکے جو اس کو دفع کرے، ابھی سے سدِّ باب کرو اور سرحدوں کی حفاظت کر لو۔ اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کے مبارک طریقوں پر عمل کیا جائے اور اس حدیث شریف میں تو واضح طور پر فرمایا کہ آپ ﷺ کا کہا ماننے والے وہ لوگ ہیں جو اس حق کے پیچھے چلیں جس کو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں، نہ وہ جو زبان سے تو دعویٰ کریں مگر عمل اس کے خلاف ہو۔

نجات صرف اسی فرقہ کے لئے جو آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر ہو

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیَأْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتیٰ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَّنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَّکَانَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذٰلِکَ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَّتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسولِ پاک ﷺ نے کہ میری امت پر ضرور ایسا زمانہ گذرے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر گذرا، جس طرح جوتے کا تلہ ایک دوسرے کے مطابق ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے کھلم کھلاّ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس کام کو کرے گا۔ اور بے شک بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں تقسیم

قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِیْ [1]

ہوئے۔اور میری امت تہتّر فرقوں میں منقسم ہوگی۔ بجز ایک فرقے کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔صحابہؓ نے پوچھا: ''یارسول اللہ ﷺ! جنت میں جانے والا فرقہ کون ہوگا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جواس راستہ پر جمارہا جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔''

اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کا طریقہ بھی معیارِ نجات ہے۔اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا: ''أَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ'' کہ میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں۔جیسا کہ ستاروں کے ذریعہ رات کی اندھیری میں سمت متعین کر کے لوگ راستہ پر چلتے ہیں اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچتے ہیں، اسی طرح ضلالت و گمراہی کے تاریک زمانہ میں تم میرے کسی ایک صحابی کو مقتدا بنا کر اس کے طرزِ زندگی کو اپنا لوگے تو کامیاب ہو جاؤ گے اور منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔

[1] سنن الترمذی: ۲٦٤١

چھٹا باب

دوراستے: سنت اور بدعت

خَیْـــرُ اُمُـوْرِ الـدِّیْـنِ مَـا کَـانَ سُـنَّۃً وَشَـرُّ الْاُمُـوْرِ الْـمُـحْدَثَاتُ الْبَدَائِعُ [۱]

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید [۲]

انسان کا ازلی دشمن شیطان ہے۔ اول تو وہ ایمان ہی سے محروم رکھنے کی یا محروم کرنے کی فکر کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان کی دولت عطا فرمادے اور اس کی حفاظت اپنی طرف سے فرمادے تو اس کے بعد اعمالِ ایمان سے روکتا ہے۔

وَقَالَ الشَّیْطَانُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰہَ وَعَـدَکُمْ وَعْـدَ الْـحَقِّ وَوَعَـدْتُّـکُمْ فَـاَخْـلَـفْتُکُمْ وَمَـا کَـانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُـلْـطَـانٍ اِلَّا اَنْ دَعَـوْتُـکُمْ فَـاسْتَـجَبْتُمْ لِیْ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْا اَنْـفُسَـکُمْ مَا اَنَا بِمُصْرِخِکُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِـمُـصْـرِخِـیَّ اِنِّـیْ کَـفَـرْتُ بِـمَـا اَشْـرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظَّالِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ [۳]

اور جب قیامت میں تمام مقدمات فیصل ہوچکیں گے تو شیطان جواب میں کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کر رکھے تھے اور میں نے بھی کچھ وعدے کئے تھے۔ سو میں نے ان وعدوں کے خلاف کیا۔ اور میرا تم پر اور تو کچھ زور چلتا نہ تھا بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تھا تو تم نے (باختیارِ خود) میرا کہنا مان لیا۔ تو تم مجھ پر ساری ملامت مت کرو۔ اور زائد ملامت

[۱] ترجمہ: ’امورِ دین میں سب سے بہتر وہ ہے جو سنت ہے، اور سب سے بری نئی ایجاد کردہ بدعات ہیں۔‘

[۲] ترجمہ: ’جو شخص بھی پیغمبر علیہ السلام کی راہ سے ہٹ کر چلے گا، وہ منزل کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔‘

[۳] سورۃ ابراھیم: ۲۲

اپنے آپ پر کرو۔ اور نہ میں تمہارا مددگار
(ہوسکتا) ہوں اور نہ تم میرے مددگار
(ہوسکتے ہو)۔ میں خود تمہارے اس فعل
سے بیزار ہوں کہ تم اس سے قبل (دنیا میں)
مجھ کو خدا کا شریک قرار دیتے تھے۔

اس لئے قرآن پاک میں اللہ جلّ شانہٗ نے اور احادیث میں سید الرسل ﷺ نے جگہ جگہ اس پر متنبہ فرمایا کہ شیطان لعین تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اس کے پیچھے نہ چلنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور شیطان انسانوں کو طرح طرح سے گمراہ کرتا ہے اور کس کس طریقہ سے، کون سے حیلے بہانے سے گمراہ کرتا ہے، اس پر علامہ ابن الجوزیؒ نے ایک مستقل کتاب **تلبیس ابلیس** لکھی تھی کہ علماء کو کیسے گمراہ کرتا ہے اور صوفیوں کو، تاجروں کو، غرض ہر پیشہ والے کو الگ الگ طریقہ سے گمراہ کرتا ہے۔ ہر ایک کو وہ ایک لکڑی سے نہیں ہانکتا ہے۔ بلکہ ہر انسان کے لیے جدا جدا مکر و فریب کام میں لاتا ہے۔ اس موضوع پر یہ بے نظیر کتاب ہے۔

ابلیس حضور ﷺ کی پیروی اور اتباع سے ہٹا کر اپنی پیروی کی طرف بلاتا ہے۔ اور آپ ﷺ کے مبارک اور پاکیزہ طریقوں کے مقابلہ میں اپنے طریقے پیش کرتا ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں۔ بدعت کے لغوی معنیٰ ہیں نئی چیز کے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں ایسی نئی بات کو بدعت کہا جاتا ہے جس کی دین میں کوئی اصلیت موجود نہ ہو اور اسے دین کی طرف منسوب کیا جائے۔

سنت اور بدعت کی تعریف حدیث سے

یہ ہی تعریف حضور اقدس ﷺ نے اس طویل حدیث میں بدعت کی فرمائی ہے:

عَنْ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ — حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ

قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهِ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِیْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! کَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا فَقَالَ أُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ کَانَ عَبْداً حَبَشِیّاً فَاِنَّهٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَیَرٰی اِخْتِلَافاً کَثِیْراً فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ [1]

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے صبح کی نماز ہم کو پڑھائی۔ اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوکر وعظ فرمایا جو ایسا بلیغ تھا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل خوف سے لرزنے لگے۔کسی صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ تو ایسا وعظ ہے گویا الوداعی اور آخری وعظ ہو۔ لہٰذا ہم کو کوئی وصیت فرما دیجئے۔ (یعنی کوئی ایسی پختہ بات فرما دیجئے جس کو مضبوط پکڑے رہیں۔) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں تقوی اور اللہ کی اطاعت اختیار کرنے کی اور امیر کی اطاعت اختیار کرنے کی خواہ وہ حبشی غلام کیوں نہ ہو۔ میرے بعد جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا۔پس میرے طریقے کو اور خلفاء راشدین جو کہ ہدایت یافتہ ہیں کے طریقے کو مضبوط پکڑے رہنا اور اس کا اتباع کرنا اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔نئی نئی باتوں سے احتراز کرتے رہنا کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے۔اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت، خدا کی قسم! طریقۂ رسول ﷺ ہے۔ اور

---

[1] سنن ابوداؤد: ۴۶۰۷ / سنن الترمذی: ۲۶۷۶

بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی سنتوں اور طریقوں اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے خلاف کسی دوسری چیز کو دین بنا کر اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔

اس سے پہلے خدا اور رسول ﷺ کی مخالفت اور سنت کی مخالفت کی وعیدیں قرآن و حدیث سے جو ہم نے لکھی ہیں وہ ساری یہاں بھی صادق آتی ہیں۔ اس لئے ایسی آیات و احادیث جو وہاں نہیں لکھی ہیں اُسے یہاں ذکر کرتا ہوں۔ اور بعض جگہ کسی مصلحت کی بناء پر تکرار بھی ممکن ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآئَتْ مَصِيْراً o [۱]

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔ اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

اسی طرح ایک جگہ ارشادِ باری ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوْا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوْا اللّٰهَ شَيْئاً وَّسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ o يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ أَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ o [۲]

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان کو راستہ نظر آ چکا تھا، یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ نے ان کی کوششوں کو مٹا دیا۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی

---

[۱] سورۃ النساء: ۱۱۵

[۲] سورۃ محمد: ۳۲، ۳۳

اطاعت کرو۔اور(کفار کی طرح اللہ ورسول کی مخالفت کر کے) اپنے اعمال برباد مت کرو۔

تو اس طرح جن لوگوں کو شیطان بدعت میں پھنسا دیتا ہے تو وہ زندگی بھر شریعت سے ہٹ کر غلط مجاہدے کر کے اپنی محنت ضائع اور برباد کرتے رہتے ہیں۔اور سوائے خسارہ اور نقصان کے اور کچھ نہیں ملتا اور اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

صراطِ مستقیم

اس لئے سنت وشریعت کو جو کہ طریقۂ رسول ﷺ کا نام ہے مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہئے۔اور اس کے سوا کسی طریقہ پر عمل نہ ہونا چاہئے ، نہ اس پر اعتقاد رکھنا چاہئے۔اس کو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥ [۱]

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے۔اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جُدا کر دیں گی۔اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (اس راہ کی خلاف کرنے سے) احتیاط کرو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے اپنے سامنے سیدھی لمبی لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ راہِ خدا ہے۔پھر اس کے دائیں بائیں دو دو لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ شیطانی راستے

---

۱ سورۃ الأنعام: ۱۵۳

ہیں۔ اور بیچ کی لکیر پر انگلی رکھ کر یہ مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ ۱

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی مثال اس راستہ کی طرح بیان فرمائی کہ جس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں جن میں بہت سے دروازے ہیں اور سب بالکل کھلے پڑے ہیں اور اُن پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ اس سیدھی راہ کے سرے پر ایک پکارنے والا ہے جو کہتا ہے کہ لوگو! تم سب اس صراطِ مستقیم پر آ جاؤ۔ متفرق مت ہو۔ راستہ کے بیچ میں بھی ایک شخص ہے۔ جب کوئی شخص ان دروازوں کے پردوں کو ہٹا کر دیکھنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہائے افسوس! اسے نہ دیکھ اور نہ کھول۔ اگر دیکھ لے گا اور کھول لے گا تو اس راہ سے دور جا پڑے گا۔ پس سیدھی راہ اسلام ہے اور دونوں دیواریں خدائی حدود ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ سرے پر پکارنے والا شخص خدائی کتاب ہے۔ اور اوپر سے پکارنے والا خدا کی طرف سے نصیحت کرنے والا ہے جو ہر مومن کے دل میں ہے۔ ۲

راہِ نجات کا ایک شوشہ بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا

حضرت ابن مسعودؓ سے کسی نے پوچھا کہ صراط مستقیم کیا ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ جس پر ہم نے اپنے نبی ﷺ کو چھوڑا۔ اس کا دوسرا سرا جنت میں جا ملتا ہے۔ اس کے دائیں بائیں بہت سی راہیں ہیں جن پر لوگ چل رہے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ جو ان راہوں میں سے کسی راہ پر ہو لیا وہ جہنم میں پہنچا۔ پھر آپ نے یہی آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ ۳

---

۱ مسند أحمد: ۱۵۲۷۷ / سنن ابن ماجہ: ۱۱ / مسند عبد بن حمید: ۱۱۴۱

۲ سنن الترمذی: ۲۸۵۹ / المستدرک للحاکم: ۲۴۵ / مسند أحمد: ۱۷۶۳۴

۳ تفسیر امام رازی، امام زمخشری، امام نیساپوری وغیرہ: تفسیر سورۃ الأنعام، آیت ۱۵۳

اس آیت شریفہ اوران احادیث سے معلوم ہوا کہ راہِ حق اور سیدھا راستہ صرف ایک ہے۔اسی ایک راستہ پر چل کر نجات مل سکتی ہے۔جیسا کہ اس آیت شریفہ میں بھی خدا تعالیٰ نے اپنے راستہ کے لئے **سبیل** واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے۔اور جو گمراہی کے راستے ہیں، ان کے لئے سبل جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدائی راستہ اور راہِ حق و راہِ نجات ایک ہی ہے۔اوراس کے مقابلہ میں ضلالت وگمراہی کے راستے بہت سے ہیں۔اور راہِ نجات جیسا کہ ابنِ مسعودؓ نے فرمایا وہ ایک ہی ہے۔ اور وہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ ہے۔ اس پر صحابۂ کرامؓ چلے اور کامیابی و کامرانی کے ساتھ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور ان کے بعد تابعین، تبع تابعین اور بزرگان دین اسی طریقہ پر چلتے رہے۔

خدااور خدا کا رسول ﷺ تو یہ کہتا ہے کہ اس دین کو اب ہم نے مکمل اور صاف ستھرا کردیا ہےاور قیامت تک چلے گا۔اورکوئی دین اورکوئی طریقۂ زندگی اسلام کے سوا مقبول نہیں۔اور قرآن کہتا ہے۔**اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ** کہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

اسی طرح خدا تو کہتا ہے کہ:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ○ [1]

جوشخص اسلام کے سوا دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

اور اتنے چودہ سو سال تک تو وہ قابل عمل رہا اور مختلف زبانوں میں اور مختلف ملکوں میں لوگوں نے اپنے آپ کو، اپنے طور وطریق کو بدل کر اسلام کے مطابق عمل کیا اور اب اس صدی والوں کے لئے یہ مصیبت آپڑی کہ وہ نفس وشیطان کے طریقوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔تو

---

[1] سورۃ آل عمران: ۸۵

کیا (نعوذ باللہ) اسلام ہی میں تحریف کردیں؟ اوراسی کومسخ کردیں اوراسی کواپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیں۔حالانکہ حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے:

لَایُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبِعاً لِّمَاجِئتُ بِہٖ [۱]

کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس شخص کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہوجائے جس کو لے کر میں آیا ہوں۔

موجودہ فتنے کے جواب کے لئے حضور ﷺ کی یہی حدیث کافی ہے کہ یہ لوگ بھی اسلامی احکام کواپنی نفسانی خواہشات کے خلاف دیکھ کراسلام ہی کی تحریف کی فکرمیں ہیں۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کے لائے ہوئے دین اورآپ ﷺ کے مبارک طریقوں میں ہرجگہ کامیابی ہے۔اور ہرملک میں، ہرزمانے میں کامیابی ہے۔اوراس کے سوا سب میں ناکامی ہے۔اور یہ دین اوراس کے طریقے قیامت تک باقی رہیں گے جس وقت تک یہ دنیا فنا کردی جائے گی۔

تو قیامت میں فیصلہ اسی دین پر ہوگا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔رسول پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن (خدائی دربار میں) اعمال آئیں گے۔نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ کوشمار کرکے فرمایا کہ پھر اسلام آئے گا اور کہے گا کہ خداتُو سلام ہے اور میں اسلام ہوں۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو خیر پر ہے۔آج تیرے ہی بارے میں پکڑوں گا اور تیری ہی وجہ سے انعام دوں گا۔ [۲]

ان فتنوں کی چودہ سوسال پہلے پیشینگوئی

اس لئے اسلام کواور نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کواورآپ ﷺ کے مبارک

[۱] أخرجہ النووی فی الأربعین وقال: حدیث حسن صحیح۔
[۲] مسند أحمد: ۸۷۴۲ / مسند ابویعلی: ۶۲۳۱ / المعجم الأوسط للطبرانی: ۶۱۱۷

طریقوں اور مبارک سنتوں کو مضبوط پکڑے رہنا چاہئے۔ اوراس طرح اس پر کار بند اور عمل پیرا رہنا چاہئے کہ بڑے سے بڑا فتنہ بھی نہ ہلا سکے۔ فتنے اور فتنہ پرور لوگ تو ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے پہلے ہی سے فرما دیا ہے:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَأْتُوْنَکُمْ بِالْأَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا اٰبَآئُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاهُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یُفْتِنُوْنَکُمْ [۱]

حضرت ابوہریرہؓ نقل فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں دھوکہ دینے والے جھوٹے لوگ ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی باتیں پیش کریں گے جن کو نہ تم نے سنا ہوگا نہ تمہارے باپ دادا نے سنا ہوگا۔ تو تم اپنے آپ کو ان سے بچاتے رہنا کہ کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ پھنسا دیں۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضورِ پاک ﷺ فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِیْ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَّبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِیْ أُمَّتِهٖ قَبْلُ اِلَّا کَانَ فِیْ أُمَّتِهٖ حَوَارِیُّوْنَ وَأَصْحَابٌ یَّأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِأَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلُوْفٌ یَّقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِیَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس کے بھی چند مددگار اور اصحاب ضرور ہوتے تھے جو نبی کی سنتوں کو لیتے تھے اور نبی کا کہنا مانتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ اور وہ کام کرتے ہیں جس کے لئے ان کو نہیں کہا گیا ہے۔ تو جو اُن سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ

---

[۱] صحیح مسلم: ۷

مُـؤمِـنٌ وَلَيْـسَ وَرَآءَ ذٰلِکَ مِـنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ [۱]

مؤمنہے ۔اور جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے۔ اور جو اپنے دل سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے۔ اور اس کے بعد ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا درجہ نہیں ہے۔

اسی طرح ان فتنوں کی حضور اکرم ﷺ نے ایک اور حدیث میں خبر دی ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! جہنم کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ جو اُن کی مان کر جہنم کی طرف جائے گا تو وہ جہنم کی طرف پھینک دیں گے۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے سامنے ان کی پہچان بیان کر دیجئے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہم ہی لوگوں میں سے ہوں گے۔ اور ہماری ہی زبان میں کلام کرتے ہوں گے۔ میں نے کہا: اگر یہ فتنہ مجھ تک پہنچ جائے تو پھر مجھے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جماعۃ المسلمین اور اُن کے امام کو لازم پکڑ لو۔ میں نے کہا کہ اگر مسلمانوں کی (اس وقت) نہ کوئی جماعت ہو اور نہ کوئی امام ہو تو پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سارے فرقوں سے الگ، بالکل الگ رہو، اگرچہ تجھے کسی ایک ہی درخت کی جڑ پر قناعت کرنا پڑے، یہاں تک کہ تجھے موت آ جائے اور تو اس حال میں ہو۔ [۲]

احادیث میں فتنۂ بدعت پر تنبیہ

شیطان اور اس کے متبعین اور اس کے پیروکاروں نے ہر زمانہ میں، ہر مکان میں، اسلام

---

[۱] صحیح مسلم: ۵۰

[۲] متفق علیہ۔ صحیح البخاری: ۳۶۰۶ / صحیح مسلم: ۱۸۴۷

کے مختلف شعبوں میں اپنی طرف سے نئے نئے طریقے ایجاد کر کے پیش کئے اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے طریقے سے پھرنے کی کوششیں کیں۔ ان فتنوں پر حضور ﷺ نے امت کو پہلے ہی سے متنبہ فرما دیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی ہمارے اس دین میں ایسی کوئی چیز نکالے جو دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

اسی طرح حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ (خطبہ دیتے ہوئے) حمد وصلوٰۃ کے بعد کہ بہترین کلام اللہ کا کلام (یعنی کتاب اللہ) ہے اور بہترین طریقہ جناب محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور بدترین امور وہ ہیں جو نئے نکالے ہوئے ہیں۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ [2]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: لوگوں میں سے اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ مبغوض تین انسان ہیں: ایک حرم میں گناہ کرنے والا، ایک اسلام میں جاہلیت کے طریقہ کو تلاش کرنے والا اور ایک ناحق خون کا پیاسا، جو اس کے خون بہانے کی فکر میں ہو۔ [3]

اس حدیث پاک میں کتنی سخت ترین وعید ہے کہ جو اسلام اور سنت کے بتلائے ہوئے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے وہ اللہ عزّ وجلّ کا مبغوض ہے۔

اسی طرح مقدام بن معدیکربؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دن نماز پڑھائی۔ پھر ہماری طرف رخِ انور فرما کر تشریف فرما ہوئے۔ اور ایک بہت بلیغ وعظ فرمایا

---

[1] متفق علیہ۔ صحیح البخاری: ۲۶۹۷ / صحیح مسلم: ۱۷۱۸

[2] صحیح ابن خزیمۃ: ۱۷۸۵

[3] صحیح البخاری: ۶۸۸۲

کہ جس سے آنکھوں سے آنسو بہہ گئے اور دل دھڑک اٹھے۔

تو ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو کسی رخصت کرنے والے کا سا وعظ ہے۔ لہٰذا آپ ہمیں وصیت فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور سننے کی اور اطاعت کرنے کی اگرچہ تمہارا امام حبشی غلام کیوں نہ۔ یہ اس لئے (کہہ رہا ہوں) کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ سخت اختلاف دیکھے گا۔ تو تم میری سنتوں پر اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر جو ہدایت یافتہ ہیں قائم رہنا۔ اور مضبوطی سے سنتوں پر عمل پیرا رہنا۔ اور دانتوں سے اسے مضبوط پکڑے رہنا۔ اور نئی نئی باتوں سے اپنے کو بچاتے رہنا۔ اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ [۱]

اسی طرح آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت پر ایک وقت آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا۔ بالکل برابر برابر جیسا کہ ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے کسی آدمی نے کھلم کھلا زنا کیا ہے تو میری امت میں سے ایسا ہی آدمی ہوگا جو اس کو کرے گا۔ اور بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں پڑ گئے۔ اور میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سوائے ایک کے سب کے سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابۂ کرامؓ نے پوچھا وہ کونسا فرقہ ہے یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا۔ [۲]

اس لئے صحابۂ کرام کے طریقوں کو جو اصل میں حضور ﷺ کا طریقہ ہے پکڑے رہنا چاہئے۔ اس طریقہ کو صحابۂ کرام سے تابعین نے لیا۔ ان سے تبع تابعین نے لیا۔ اور ان سے سلسلہ بسلسلہ ہاتھوں ہاتھ آج بالکل محفوظ ہم تک پہنچا۔

---

[۱] سنن أبوداؤد: ۴۶۰۷ / سنن الترمذی: ۲۶۷۶ / مسند أحمد: ۱۷۱۸۲

[۲] سنن الترمذی: ۲۶۴۱ / المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۴۶۴۶

اسلام میں رائے زنی گمراہ کن ہے

حضور ﷺ سے لے کر ہمارے زمانہ تک جس پوری جماعت کے ذریعہ ہمیں اسلام ملا ہے، ہر بات میں انہیں کا اتباع کرنا چاہئے۔ عقل مانے یا نہ مانے، آنکھیں بند کر کے اُسے قبول کر لینا چاہئے۔

اگر چہ اس جماعت کا حضور ﷺ سے منقولہ حکم شرعی کوئی ایسا نہیں جس کا عقل سے ٹکراؤ ہو اور عقل کے خلاف ہو۔ البتہ جس درجہ کا یہ حکم اونچا ہو اُس درجہ کی عقل بھی اس کے سمجھنے کے لئے چاہئے۔ اس لئے کوئی اس کی بات ہماری ناقص عقل میں نہ آسکے تو اس کی وجہ سے دین کی بات میں تحریف نہیں کرنا چاہئے۔ اس فن کے ماہر علماء کرام سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یا پھر اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں ہیں جس میں اسلاف کے ہر نقل کو عقل سے منوالیا گیا ہے۔

غرض کسی حال میں بھی اس جماعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے ورنہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

اہلِ سنت والجماعت سے الگ رہنے والا گمراہ ہے

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بکری کا بھیڑیا جو تنہا اور اکیلے اور ایک طرف کو چرنے والی بکری کو کھا جاتا ہے تو جماعت صحابہؓ اور تابعین اور تبع تابعین اور اسلاف کی جماعت سے الگ ہونے والے کو بھی شیطان گمراہ کر دیتا ہے۔ تم اپنے آپ کو ان گھاٹیوں سے بچاؤ۔ جماعت کو اور عامۃ المسلمین کو لازم پکڑے رہو۔ [1]

دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوا تو اس نے

---

[1] مسند أحمد: ۲۲۰۲۹

اسلام کے قلادہ کو اپنی گردن سے نکال پھینکا۔ [۱]

ایک اور حدیث میں وارد ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع ہونے نہیں دے گا۔ اور اللہ کی مدد جماعت کے ساتھ ہے۔ جو اس جماعت سے الگ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ [۲]

نیز حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم سوادِ اعظم (مسلمانوں کی ساری جماعت جس طرف ہو) کا اتباع کرو۔ اس لئے کہ جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں جائے گا۔ [۳]

اس لئے اسلام جو سلف سے توارث وتعامل اور روایت سے چلا آ رہا ہے جس پر اب تک کی ساری امت قائم رہی، اسی پر عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے جمے رہنا چاہئے۔

سنت اور خواہشات

ایک اور روایت میں ہے کہ بہتّر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور صرف ایک جنت میں جائے گا۔ اور وہ اہلِ سنت والجماعۃ ہے۔ اور عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ خواہشات ان میں اس طرح سرایت کی ہوئی ہوگی جیسے باؤلے کتے کے زہر کا اثر کاٹے ہوئے آدمی میں سرایت کر جاتا ہے کہ اس کی کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا باقی نہیں رہتا ہے جس میں زہر کا اثر نہ پہنچا ہو۔ [۴]

اس لئے خواہش کو چودہ سو سال والے جناب رسول اللہ ﷺ کے مبارک طریقوں پر عمل کرنا چاہئے۔ اور اپنی خواہشات کو حضور اقدس ﷺ کے قول وفعل کے آگے بالکل قربان

---

[۱] سنن أبوداؤد: ۴۷۵۸ / سنن الترمذی: ۲۸۶۳ / مسند أحمد: ۱۷۱۷۰

[۲] المستدرک للحاکم: ۴۰۷۔ اس حدیث کا مضمون متفرق طور پر کتب حدیث میں بکثرت منقول ہے۔

[۳] المستدرک للحاکم: ۳۹۱

[۴] سنن أبوداؤد: ۴۵۹۷ / مسند أحمد: ۱۶۹۳۷

کردینا چاہئے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد پہلے بھی گذر چکا ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ اس لئے اپنی خواہش کے مطابق چیزیں دین میں داخل کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ بدعت کے ایجاد کرنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو قوم بھی کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں سنت اٹھا لیتے ہیں۔ [1] لہٰذا سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ضروری ہے۔

اسی طرح حضرت حسّانؓ بھی فرماتے ہیں کہ جو قوم بھی اپنے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کرتی ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اُن سے سنت اُٹھا لیتے ہیں۔ پھر اس سنت کو قیامت تک ان کی طرف واپس نہیں کرتے۔ یعنی وہ قوم سنت کی برکت سے ہمیشہ کے لئے محروم کردی جاتی ہے۔ [2]

اس لئے جو آدمی دین میں کوئی ایسی نئی چیز داخل کردے جس کے متعلق حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: جس نے کسی بدعتی کا اکرام اور عزت کی تو اس نے اسلام کے مٹانے میں امداد کی۔ [3]

بدعت گویا خدا اور رسول ﷺ پر بہتان

دین میں کسی نئی بات کا ایجاد کرنا اللہ جلّ شانہٗ پر بہت بڑے جھوٹ کی تہمت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

---

[1] مسند أحمد: ۱۶۹۷۰

[2] سنن الدارمی: ۹۸ / حلیۃ الأولیاء: ج ۶ ص ۷۳۔ البتہ اس قول کا انتساب سیدنا حسان بن ثابتؓ کی جانب کرنے میں ملا علی قاریؒ اور ابن عطیہؒ کو وہم ہوا ہے (کذا فی المرعاۃ شرح المشکوۃ)۔ دارمی اور حلیۃ کی روایت میں یہ حسان بن عطیہ المحاربی الدمشقی کے مقولہ کے طور پر مروی ہے۔

[3] المعجم الأوسط للطبرانی: ۶۷۷۲ / شعب الایمان للبیہقی: 9018

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيناً تو اس نے جو اپنی طرف سے بدعت نکالی، تو گویا نعوذ باللہ دین میں ابھی کوئی کمی باقی تھی۔

اسی طرح حضور ﷺ پر بھی خیانت کا معاذ اللہ اتہام ہے کہ گویا حضور ﷺ نے دین کی کسی بات کو نعوذ باللہ ہم تک نہیں پہونچایا تھا۔

جیسا کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اسلام میں نئی بات ایجاد کی اور اس نئی بات کو بہتر سمجھا تو اس نے محمد ﷺ کو احکامِ خداوندی کی تبلیغ میں (معاذ اللہ) خیانت اور کمی کرنے والا ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (الآية) کہ آج میں نے دین کو مکمل کر دیا۔ تو جو کام حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں دین میں داخل نہ تھا (جس کو نہ خود آپ ﷺ نے کیا نہ کرنے کی ترغیب دی) وہ آج بھی شامل نہیں ہوسکتا۔ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيْنٌ فَلَا يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْناً۔ [1]

سنت کے سوا سب طریقے مردود ہیں

جیسے حضور اقدس ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے طریقۂ زندگی کے سوا کسی دوسرے طریقہ کو اپنانے کی اجازت نہیں۔ قیامت تک حضور ﷺ کے طریقے چلیں گے۔ اور اس میں کوئی تغیر نہیں ہوسکتا۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے پاس ایک سفید چمکدار صاف ستھرا دین لے کر آیا ہوں۔ اور اگر موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ [2]

حضرت جابرؓ سے ایک اور روایت ہے، جو غالباً پہلے بھی گذر چکی ہے، کہ حضرت عمر بنؓ

---

[1] کتاب الاعتصام للشاطبی: ج ۱، ص ۶۵

[2] مسند احمد: ۱۵۱۵۶ / شعب الایمان للبیہقی: ۱۷۴

الخطاب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں تورات کا ایک نسخہ لے کر حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے یا رسول اللہ! یہ تورات کا ایک نسخہ ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے سکوت فرمایا۔ تو حضرت عمرؓ نے اُسے پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور متغیّر ہونے لگا۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ کو کہنے لگے کہ تمہیں گم کرنے والیاں گم کریں! تم رسول اکرم ﷺ کا چہرۂ انور نہیں دیکھتے؟ اس پر حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا اور کہنے لگے: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غصہ سے، اور اس کے رسول ﷺ کے غصہ سے۔ ہم اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر دل سے راضی ہیں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر موسیٰ تم میں آجائے اور تم اُن کا اتباع کرنے لگو اور مجھے چھوڑ دو تو بھی تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے اور میرے زمانۂ نبوت کو پاتے تو وہ بھی میرا ہی اتباع کرتے۔ [1]

اسی لئے قربِ قیامت کے وقت جب حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتریں گے تو وہ بھی شرع محمدی ﷺ ہی کے پیرو ہوں گے۔ اور آپ ﷺ ہی کے طریقہ پر چلیں گے۔

اتباعِ سنت میں برکت ہے

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد ساری شریعتیں اور سارے طریقے منسوخ ہیں۔ شرع محمدی اور سنت نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے سوا اور کوئی مقبول نہیں ہے۔ اور قیامت تک کے لئے آپ ﷺ کے طریقہ ہی میں برکت رکھ دی گئی ہے کہ پہلے زمانہ کے لوگ ہزار سال کی محنتوں اور ریاضتوں سے بھی اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتے، جس مرتبہ پر ایک محمدی صرف

---

[1] سنن الدارمی: ۴۴۹

چند سال کی ریاضتوں میں پہنچ جاتا ہے۔

تو آپ ﷺ کے طریقوں اور سنتوں میں بڑی برکت ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

عَمَلٌ قَلِيْلٌ فِيْ سُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلٍ كَثِيْرٍ فِيْ بِدْعَةٍ وَّكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ [۱]

کہ سنت کے دائرے میں رہ کر تھوڑا عمل بھی مبارک اور بہتر ہے بدعت میں پھنس کر بہت زیادہ اعمال کرنے سے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سنت کے دائرے میں رہ کر میانہ روی کے ساتھ عمل کرنا بہت بہتر ہے بدعت میں پھنس کر بڑے مجاہدہ کرنے سے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت والے طریقہ پر میانہ روی کے ساتھ عبادت کرنا بہتر ہے بدعت کے طریقہ پر بہت زیادہ محنت کرنے سے۔ [۲]

حضور اقدس ﷺ کے طریقہ کو چھوڑ کر جو کوئی بھی نفسانی یا شیطانی راستہ اختیار کرے گا، اُسے آپ ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ دو آدمی ایسے ہیں جن کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ میری امت میں دو قسم کے آدمی ہیں جن کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی: ایک تو ظالم بادشاہ اور دوسرا وہ جو دین کے اندر غلو کرے، حتی کہ غلو کرتے کرتے طریقۂ اہل سنت والجماعۃ سے نکل جائے۔ [۳]

اس لئے دین میں زیادتی اور غلو کرنے سے اور بدعتوں سے بہت ہی بچنا چاہئے کہ بدعت شیطان کا بہت بڑا جال اور بہت بڑا مکر ہے۔

---

[۱] مسند الشہاب للقضاعی: ۱۲۷۰ / السنۃ للمروزی: ۸۸

[۲] المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۴۸۸ / السنۃ للمروزی: ۸۹

[۳] المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۰۷۹

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ واللہ! میں نہیں جانتا کہ آج روئے زمین پر کوئی دوسرا ایسا ہو کہ جس کا مرنا شیطان کو میرے مرنے سے زائد پسند ہو۔ عرض کیا گیا یہ کیوں؟ فرمایا کہ شیطان کہیں مشرق یا مغرب میں کوئی بدعت نکالتا ہے، جس کا حکم پوچھنے کے لئے کوئی مسلمان میرے پاس آتا ہے تو میں اُس مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر لگا دیتا ہوں۔ پس شیطان کی نکالی ہوئی بدعت جوں کی توں اس پر پھینک کر ماردی جاتی ہے۔ [1]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی طریقہ سنت پر ہو اور بدعت سے لوگوں کو روکتا ہو اور سنت والے طریقہ کا حکم کرتا ہو، تو ایسے آدمی کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ [2]

اسی طرح آپ ہی کا ارشاد ہے کہ جس نے کوئی ایسی رائے ایجاد کی جو قرآن میں نہیں اور نہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے موافق ہے تو اُسے پتہ نہیں کہ کل قیامت میں اُس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

بدعتی سے قطع تعلق

حضرت ابو ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں کہ بدعتی جس قدر جدوجہد کرتا ہے، اسی قدر اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس کو گناہ کی نسبت بدعت زیادہ پسند ہے۔ اس لئے کہ گناہ سے تو گناہ سمجھنے کی وجہ سے توبہ کی جاتی ہے۔ مگر بدعت ایسی گمراہی ہے کہ اس سے توبہ ہی نہیں کی جاتی کیونکہ اس کو گناہ نہیں سمجھا جاتا ہے۔

آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس نے بدعتی سے علم سُنا تو اللہ تعالیٰ اُس کو نفع نہ دے گا۔ اور

---

[1] أخرجہ اللالکائی فی شرح أصول الاعتقاد (ج ۱ ص ۵۵) وابن الجوزی فی مقدمۃ التلبیس۔

[2] یہ روایت ابن عباسؓ سے موقوفاً تفسیر قرطبی (ج ۷، ص ۱۴۱) میں اور شرح أصول الاعتقاد (ج ۱، ص ۲۹) میں منقول ہے۔

جس نے بدعتی سے مصافحہ کیا تو اس نے اسلام کو صدمہ پہنچایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ فلاں آدمی نے آپ کو سلام عرض کیا ہے۔ تو ابنِ عمرؓ نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کر لی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو وہ بدعت میں پھنس گیا۔ تو اس کے سلام کے جواب میں میری طرف سے وعلیکم السلام مت کہیو۔ [1]

بدعتی کو سلام کرنے پر گریہ

سعیدؔ بن کریزؒ بیان کرتے ہیں کہ سلیمان تیمی بیمار ہوئے۔ تو حالتِ مرض میں بہت کثرت سے رونا شروع کیا۔ آخر آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت! آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا موت سے اس قدر گھبراہٹ ہے؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ایک روز میرا گذر ایک بدعتی پر ہوا تھا جو تقدیر کا منکر اور مخلوق کو قادر کہتا تھا۔ میں نے اس بدعتی کو سلام کر لیا تھا۔ تو اب مجھے سخت خوف ہے کہ میرا پروردگار کہیں مجھ سے اس کے متعلق حساب نہ کرے۔

بدعتی سے تعلق پر سزا

فضیلؔ بن عیاضؒ، جو بہت بڑے اولیاء اللہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ جو کوئی کسی بدعتی کے پاس بیٹھا ہو اس سے بھی تم بچتے رہنا۔

نیز آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس کسی نے کسی بدعتی سے محبت کی، تو اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال مٹا دیتا ہے، اسلام کا نور اس کے دل سے نکال دیتا ہے۔ (جب بدعتی سے محبت یا تعلق رکھنے والے کا یہ حال ہے تو خود اس بدعتی کا کیا حال ہوگا۔)

آپ ہی کا ارشاد ہے کہ بدعتی کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں پہنچتا۔ اور جس کسی نے

---

[1] سنن الترمذی: ۲۱۵۲ / سنن الدارمی: ۳۹۳ / مسند أحمد: ۶۲۰۸

بدعتی کی اعانت کی تو خوب یاد رکھو کہ اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔ اور خود رسول پاک ﷺ کی یہ حدیث بھی پہلے گذر چکی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: **مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَىٰ هَدْمِ الْإِسْلَامِ** کہ جس نے کسی بدعتی کی عزت کی، اُس نے اسلام کے ڈھانے اور گرانے میں مدد کی۔ [۱]

محمد بن نضرؒ فرماتے ہیں کہ جس نے بدعتی کی بات سُننے کے لئے کان لگایا تو اس سے حفاظتِ الٰہی نکال لی جاتی ہے، اور اپنے نفس کے بھروسہ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

بدعتی کا عمل مقبول نہیں

لیثؒ بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں بدعتی کو دیکھوں کہ پانی پر چلتا ہے تب بھی اس کو قبول نہ کروں گا۔

امام شافعیؒ نے جب حضرت لیث بن سعدؒ کا یہ کلامِ حکمت سنا تو فرمانے لگے کہ امام لیث نے پھر بھی کم کہا۔ اور میں اگر بدعتی کو دیکھ لوں کہ ہوا میں اڑتا پھرتا ہے تب بھی اس کو قبول نہ کروں۔

ردّ بدعت پر ثواب

محمد بن سہیلؒ بخاری فرماتے ہیں کہ ہم لوگ امام غزالیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے بدعتیوں کی مذمت شروع کی تو ہم نے عرض کیا کہ اگر آپ یہ ذکر چھوڑ کر ہم کو حدیث سناتے تو زائد پسند تھا۔

امام غزالیؒ یہ سن کر بہت غصہ ہو گئے اور فرمایا کہ بدعتیوں کی تردید میں میرا کلام کرنا مجھے ساٹھ برس کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔

---

[۱] المعجم الأوسط للطبرانی: ۶۷۷۲ / شعب الایمان للبیہقی: ۹۴۶۴

غرض بزرگانِ دین سے اس طرح بہت سخت جملے بدعت اور بدعتیوں کے بارے میں نقل کئے گئے ہیں۔اور کیوں نہ ہوتے کہ شیطان اس بدعت کے ذریعہ سے آپ ﷺ کی لائی ہوئی صاف ستھری شریعت کو بگاڑنا چاہتا ہے۔اس لئے احادیث میں بھی آپ ﷺ نے ایسی چیزوں کو مردود قرار دیا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ کہ جو کوئی ایسا کام کرے جس کے متعلق ہمارا فرمان نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔ [1]

صحابۂ کرامؓ کا بدعت سے بغض

بدعت کے بارے میں سارے صحابۂ کرام کے ذوق کو حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نقل فرماتے ہیں کہ لَمْ أَرَ أَحَداً مِّنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَانَ أَبْغَضَ اِلَيْهِ الْحَدَثُ فِيْ الْإِسْلَامِ يَعْنِيْ مِنْهُ۔میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی اور چیز سے بغض رکھتے ہیں جس قدر بدعت سے رکھتے ہیں۔ [2]

سہل بن عبداللہ تستریؒ کا ارشاد

جو مبتدع سے دوستی رکھے اس سے سنت علیحدہ ہو جائے گی اور جو مبتدع کے ساتھ ہنسے گا حق تعالیٰ اس کا نورِ ایمان چھین لے گا۔

مجدّد الف ثانیؒ کا ارشاد

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ بدعت کے کاموں سے ظلمات میں زیادتی اور

---

[1] صحیح مسلم، ۴۵۹۰

[2] سنن الترمذی: ۲۴۴

نورانیت میں کمی ہوتی ہے۔اور اتباع سنت سے ظلمات میں کمی اور نورانیت میں زیادتی ہوتی ہے۔

بدعتی سے محبت پر تیس سال کی سزا

فتاویٰ بزازیہ میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیسا معاملہ کیا؟ کہنے لگے کہ مجھ پر عتاب ہوا اور تیس سال جواب دہی کے لئے مجھے ٹھہرائے رکھا اس قصور پر کہ میں نے ایک بدعتی کو شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔اور مجھ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے دین کے دشمن سے تو نے عداوت کیوں نہ رکھی؟

خواجہ معصومؒ سرہندی کا ارشاد

خواجہ معصومؒ سرہندی کے چند مکاتیب ردّ بدعت کے متعلق نقل کئے جاتے ہیں۔ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

بدعتی سے دور رہو۔ بدعتی کی صحبت میں نہ بیٹھو۔ بلکہ اپنی مجلس میں بھی اس کو جگہ نہ دو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ:أَهْلُ الْبِدْعَةِ كِلَابُ أَهْلِ النَّارِ۔کہ اہل بدعت جہنم کے کتے ہیں۔[1]

جس راہ پر پیغمبر خدا ﷺ چلے ہیں وہی راہِ اجتباء (پسندیدہ) ہے جو محبوبیت ذاتیہ سے نکلی ہے۔اس راہ پر چلنا ہی شریعت پر چلنا ہے۔جو شخص چاہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے راستہ پر چلے وہ شریعت کو پورے طریقہ سے اختیار کر لے،اتباع سنت،اجتناب عن البدعۃ پر راسخ ہو اور کتاب وسنت کی شمعوں کے درمیان چلے تاکہ بدعت کی تاریکیوں اور شیطان کی راہوں

[1] أخرجه الدارقطني في الأفراد: ۳۹۹۹

میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ ؎۱

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ وظائفِ بندگی کی بجا آوری، فرائض و سنن اور واجبات کی ادائیگی، بدعت و محرمات و مکروہات سے بچنے کے ساتھ مربوط ہے۔ جس قدر بھی اتباع شریعت اور اجتناب از بدعت میں کوشش ہوگی اسی قدر نورِ باطن بڑھے گا۔ اور جناب اقدس بارگاہ الٰہی کی طرف راستہ کشادہ ہوگا۔ اتباعِ سنت یقینی طور پر نجات دہندہ، نتیجہ بخش اور رافع درجات ہے۔ احتمالِ تخلف نہیں رکھتی اور اس کے ماوراء خطر در خطر ہے اور راہ شیطان ہے۔ **فَالْحَذَرُ كُلَّ الْحَذَرِ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ.**

دین قدیم (اسلام) جو کہ وحی قطعی سے ثابت ہوا ہے، سخنہائے باطل اور اوہام و خیالات سے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ؎۲

دورِ فساد میں تمسک بالسنۃ کی اہمیت

سینکڑوں احادیث میں حضور پاک ﷺ نے امت کو سنت کے اہتمام کی تاکید فرمائی ہے جن کا اس جگہ احاطہ مشکل ہے۔ اور پھر جس زمانہ میں مسلمان سنتوں کو چھوڑے ہوئے ہوں، بے راہ روی اختیار کئے ہوئے ہوں، اُس وقت پر سنت پر عمل کرنے والے کے لئے بڑے بڑے انعام اور ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِیْ فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ ؎۳

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو میری سنتوں پر قائم رہا میری امت کے فساد کے وقت تو اس کے لیے سو شہیدوں کے برابر ثواب ہے۔

؎۱ حکایات: ص ۲۳۱

؎۲ مکتوب: ص ۹۸

؎۳ البیہقی فی الزہد الکبیر: ۲۱۷ / ابن عدی فی الکامل: ج ۲ ص ۳۲۷

یعنی جب امت سنتوں کو چھوڑ کر بدعتوں میں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں میں لگی ہوئی ہو، تو اس وقت آدمی مضبوطی سے سنتوں پر عمل کرے گا تو اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ہوگا۔ اور ایک شہید کا کیا رتبہ ہے؟ شہداء کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ٥ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ٥ [1]

اور جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گے، ان کو مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے پروردگار کے مقرب ہیں۔ ان کو رزق ملتا ہے۔ وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ حضرت مقدام بن معدیکرب ؓ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید کے لیے اللہ کے نزدیک چھ خصوصیتیں ہیں:

۱۔ پہلی ہی پیشی میں اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

۲۔ جنت میں اس کا ٹھکانا اس کو بتا دیا جاتا ہے۔

۳۔ عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔

۴۔ اور (قیامت والے صور کی آواز کی) بڑی زبردست گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔

۵۔ اور اُس کے سر پر وقار (عزت) کا تاج رکھا جائے گا، جس میں سے ایک یاقوت دنیا میں جو کچھ ہے ان سب سے افضل ہے۔

۶۔ اور بہتّر حور عین شہید کے نکاح میں دی جائیں گی۔ اور اس کے ستّر ستّر رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ [2]

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۷۰

[2] سنن الترمذی: ۱۶۶۳

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے شہداء کی تین قسمیں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک وہ مؤمن ہے جس نے اپنے جان و مال سے خدا کے راستہ میں جہاد کیا۔ پھر جب یہ اپنے دشمن سے مقابل ہوا تو یہاں تک لڑتا رہا کہ شہید ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شہید جس کو مشقتوں کے ساتھ آزمایا گیا ہے، یہ اللہ کے عرش کے نیچے کے خیمے میں ہوگا۔ اس سے صرف انبیاء کرام علیہم السلام درجۂ نبوت کی وجہ سے بڑھ سکتے ہیں۔ [۱]

اس سے کچھ اندازہ ہوا ہوگا کہ کتنا بڑا مرتبہ شہید کا ہے۔ ایسے ایسے سو شہداء کا ثواب اس کو دیا جائے گا جو زمانہ کے فساد کے وقت سنتوں پر عمل کرے۔ کیونکہ شہید میدان جنگ میں لڑ کر ایک دفعہ اپنی جان دیتا ہے اور زمانہ کے فساد کے وقت جب کوئی حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کرے گا تو اول تو غیر اقوام اور غیر مسلمین اس کو انوکھا پن محسوس کر کے ستائیں گے اور اس کا مذاق بنائیں گے۔

اور اگر کہیں خدا نے ان کے دلوں کو نرم کر دیا اور بجائے حقارت کے اس کو عزت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے تو پھر بعض مسلمان رسول اللہ ﷺ کے اس شیدائی کی تحقیر و تذلیل کا بیڑہ اٹھاتے ہیں۔

اور اس پر پھر بحث و مباحثہ نہیں بلکہ مجادلہ تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے کہ تم چونکہ ہماری قوم میں سے ہو، تمہارا ہمارا رنگ ایک ہے، تو تم ایسا رنگ ڈھنگ اختیار کرتے ہو، تو اس سے ہمیں بھی عار محسوس ہوتا ہے اور تم سب کو ذلیل کر رہے ہو وغیرہ وغیرہ۔

پس اس طرح کی باتوں سے اس کو پریشان کیا جاتا ہے۔ تو مجاہد اور شہید ایک مرتبہ جان دے کر خلاصی پا لیتا ہے۔ اور اس خدا کے بندہ کو محبت رسول ﷺ کا دعویٰ ہے، اس لئے یہ رنگ اختیار کئے ہوتا ہے اور اس کو خوب رگڑا جاتا ہے۔ اس کی محبت و عشق کا امتحان ہوتا

---

[۱] سنن الدارمی: ۲۴۱۱ / السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۸۹۹۳ / المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۱۰

ہے۔اوراس کی بار بار نفس کشی ہوتی ہے۔جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے۔

وَمَا لِمُحِبٍّ فِی الْھَوٰی غَیْرُ شِقْوَۃٍ　　وَذُرُوْفِ دُمُوْعٍ وَّ اشْتِیَاقٍ وَّخَیْبَۃٍ [1]

اوراُردو میں کسی شاعر نے اس کواس طرح بیان کیا ہے۔

زخم پہ زخم کھا کے جی　　اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر! لبوں کو سی!　　عشق ہے دل لگی نہیں

ایک طرف تو اتنا بڑا ثواب ملے گا اور دوسری طرف جو اس کا اصل مطلوب تھا اس سے سرفراز کیا جائے گا۔ بقول میر خسروؒ۔

ع　دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست [2]

تو اس عاشق کا دل خوش کرنے کے لیے اسے جنت کی بہاروں کے ساتھ آقائے دو جہاں ﷺ کا قرب ومعیّت عطا کی جائے گی۔

یہ سب ثمرہ اپنوں کے اور غیروں کے طعن وتشنیع برداشت کرنے کا اور حضور ﷺ کی سنتوں پر مضبوطی سے عمل کرنے کا ہوگا۔

اس لئے شہید کے لئے فرمایا گیا کہ انبیاء کرام سے ایک درجہ نیچے ہوگا۔ اور خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے مطیع اور فرمانبردار کو یہ رتبہ دیا گیا کہ اس کو انبیاء کرام کی صحبت نصیب ہوگی جیسا کہ قرآن میں یہ آیت گزری:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ

اور جو شخص اللہ ورسول ﷺ کا کہنا مان لے گا، تو ایسے لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا

---

[1] ترجمہ: 'محبت کے مارے کے لیے محبت میں سوائے افسردگی، آنسو بہانے، اضطراب وسوزش اور کم مائیگی کے کچھ بھی نہیں ہے۔'

[2] ترجمہ: 'عشق کے مریض کے لئے محبوب کے دیدار کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے۔'

وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقاً ؈ [۱] ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء کے ساتھ۔ اور یہ حضرات بڑے اچھے رفیق ہیں۔

تو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کہنا مانے اور اس پر عمل کرے، اس کو انبیاء کی صحبت میں جنت میں رہنا نصیب ہوگا۔ اور جو حضور پاک ﷺ سے محبت رکھتا ہو اور آپ ﷺ کی سنتوں پر مداومت ومواظبت کرتا ہو تو اس کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کَانَ مَعِیْ فِیْ الْجَنَّةِ کہ جنت میں اسے میرے ساتھ رہنا نصیب ہوگا۔ یہی سب سے بڑا انعام ہے۔ جس کو نصیب ہو جائے تو بڑا خوش قسمت ہے۔ اور اصلی زندگی اسی کا نام ہے۔ اس کے سوا چاہے حیات کہہ دیں مگر وہ ممات ہے۔ بقول کسے ع

زندگانی نتواں گفت کہ مردہ است زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد [۲]

غرض حضور ﷺ نے اتباع سنت کی بہت ہی تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے:

مَنْ أَحْیٰی سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِیْ قَدْ أُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَیْرِ أَنْ یَّنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَیْئاً [۳]

کہ جس نے میری سنتوں میں سے کسی سنت کو جو مردہ ہو چکی تھی زندہ کیا، تو اس کو اُن سب لوگوں کے برابر ثواب ملے گا جو اس پر عمل کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کمی نہیں جائے گی۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ مبارکباد دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ دین حجاز کی طرف سمٹ جائے گا جس طرح سانپ اپنے سوراخ کے اندر گھس جاتا ہے۔ اور دین صرف

---

[۱] سورۃ النساء: ٦٩

[۲] ترجمہ: 'زندگی کہہ نہیں سکتی کہ یہ مردہ ہے۔ حقیقی زندگی تو اسے نصیب ہے جسے محبوب کا وصال نصیب ہے۔'

[۳] سنن الترمذی: ۲٦۷۷

حجاز میں محفوظ ہو کر رہ جائے گا جس طرح پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی پر جگہ پکڑ لیتی ہے۔ بے شک دین اجنبی ہونے کی حالت میں ظاہر ہوا تھا۔تو عنقریب یہ پھر اجنبی بن کے رہ جائے گا جیسا کہ یہ ظاہر ہوا تھا۔پس مبارکباد ہوان غرباء (اجنبی لوگوں) کے لئے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو میرے بعد لوگ میری سنتوں کو خراب کریں گے تو یہ ان کی اصلاح کریں گے۔ [۱]

ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ أَكَلَ طَيِّباً وَعَمِلَ فِيْ سُنَّةٍ وَّ أَمِنَ النَّاسُ بَوَآئِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ كَثِيْرٌ فِيْ النَّاسِ قَالَ وَ سَيَكُوْنُ فِيْ قُرُوْنٍ بَعْدِيْ [۲]

جس نے حلال کھایا اور سنتوں پر عمل کیا اور لوگوں کو اپنی شرارتوں سے محفوظ رکھا، تو یہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔تو ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ایسے آدمی آج کل تو بہت ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا: میرے بعد زمانہ میں بھی ہوں گے۔

ایک اور حدیث پاک میں حضور ﷺ صحابہ کرامؓ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ جس چیز کا تم کو حکم کیا گیا ہو، اس کا اگر دسواں حصہ بھی تم میں سے کسی نے چھوڑا تو ہلاک ہو جائے گا۔پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے، اس کا اگر دسواں حصہ بھی ان میں سے کوئی کر لے گا تو نجات پائے گا۔ [۳]

یہ حدیث بہت بڑی ڈھارس باندھ رہی ہے ان کے لیے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین پر کسی درجہ میں بھی عمل کرنے کی توفیق دی ہے۔انہیں اپنے عمل کو تھوڑا اور قلیل سمجھ کر چھوڑ نا نہیں چاہیے۔ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔ جتنا جس درجہ میں بھی سنتوں پر عمل ہو سکے کرتے رہنا چاہیے۔نہ معلوم خدا کو ہماری کونسی ادا پسند آ جائے جس پر کام بن جائے

---

[۱] سنن الترمذی: ۲۶۳۰

[۲] المستدرک للحاکم: ۷۰۷۳

[۳] سنن الترمذی: ۲۲۶۷ ، المعجم الصغیر للطبرانی: ۱۱۵۶

اور بیڑا پار ہو جائے۔

اور طریقۂ سنت پر مضبوطی سے کاربند رہنا چاہیے۔ جیسا کہ حضور پاک ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جاتا ہوں۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب یعنی قرآن۔ اور ایک اللہ کے رسول ﷺ کی سنت۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: "تَرَكْتُ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ" میں تم میں دو بوجھل بھاری چیزیں چھوڑ کر جاتا ہوں۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب، دوسرے میری سنت۔ [۱]

جب بھی سنت کا دامن ہاتھ سے چھوٹے گا پھر گمراہی ہی گمراہی ہے۔ جیسا کہ ابنِ مسعودؓ کا ارشاد ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جلّ شانہ کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو، تو اس کو چاہئے کہ نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہو (یعنی مسجد میں)۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لیے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں۔ ان میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں۔

اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے، جیسا کہ فلاں شخص نماز پڑھتا ہے، تو تم نبی اکرم ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے ہو گے۔ اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ [۲]

---

[۱] اس حدیث کی تخریج مقدمہ میں گذر چکی ہے۔ البتہ اس روایت میں الثقلین کے بجائے أمرين کا لفظ ہے۔ الثقلین کا لفظ خطیب بغدادی نے الفقيه والمتفقه: ۲۷۲ پر نقل کیا ہے۔

[۲] صحیح مسلم: ۱۵۲۰

ساتواں باب

صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی اطاعت

اب یہ بھی دیکھتے چلیں کہ صحابۂ کرام، تابعین، تبعِ تابعین اور بزرگانِ دین کو اتباعِ سنت، اتباعِ شریعت اور اللہ جلّ شانہ کے ایک ایک حکم کا کتنا پاس وخیال وفکر رہتا تھا۔

ویسے تو ان حضرات کی زندگی بعینہٖ رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا نمونہ تھی۔ یہ حضرات حضور ﷺ کی مبارک زندگی کو چھوڑ کر سرِ مُو بھی ہٹنے کو تیار نہ تھے۔ سفر میں، حضر میں، پریشانی اور راحت میں، غرض ہر حالت میں وہ اس کی جستجو میں رہتے تھے کہ آقائے نامدار ﷺ نے اس موقعہ پر کیا عمل کیا۔ پھر اس طریقہ پر عمل کر کے بڑے مزے لے لے کر نہایت فخر اور ناز کے ساتھ کہتے تھے کہ میں نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ان حضرات کے نزدیک ایک لمحہ کے لئے حضور اقدس ﷺ کے کسی ایک عمل کی مخالفت اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ اور یہاں ہمارے دور کا یہ حال ہے کہ ایک بڑی تعداد جدید طبقے میں ایسی پیدا ہوگئی ہے جو حضور ﷺ کے طریقۂ زندگی کو ترقی کے لیے رکاوٹ سمجھتی ہے۔ اور اس کی بیخ کنی اور جڑ اکھیڑنے کے بھی درپے ہے۔ یہ خود اپنے اوپر اور دوسروں پر کتنا بڑا ظلم ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ٥

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک خطبہ

حضرت صدیق اکبرؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا اوراس میں اللہ کی حمدوثنا (جس کا وہ لائق واہل ہے) بیان کر کے ارشاد فرمایا:

'اما بعد۔لوگو! میں تمہارا امیرِ کارواں ہوا ہوں حالانکہ میں تم سے بھلا نہیں ہوں۔اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری اعانت کرنا۔اوراگر میں ٹھیک کام نہ کروں تو اصلاح کرنا۔سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔اور تمہارا کمزور میرے نزدیک قوی ہے۔میں اس کے دُکھ درد کو ضرور زائل کردوں گا۔اور تمہارا قوی میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے پورا حق ان شاءاللہ وصول کروں گا۔

کسی قوم نے بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں ذلت اُتاردی۔اور جب کسی قوم میں فحش باتیں پھیل گئیں تو اس قوم کے تمام لوگوں پر عام طور پر بلائیں نازل ہوتی رہیں۔اور جب تک میں اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔اگر میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری فرمانبرداری نہیں۔(نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ)۔' [۱]

فتنۂ ارتداد میں اتباعِ رسول ﷺ

حضور اقدس ﷺ نے مرض الوفات میں حضرت اُسامہؓ کو امیرِ لشکر بنا کر ایک لشکر روانہ فرمایا جس میں خود حضرت عمرؓ بھی تھے۔یہ لشکر ابھی مدینہ سے باہر ہی پہنچا تھا کہ اس کو آپ ﷺ کے وصال کی خبر پہنچی۔تو آقائے دو جہاں ﷺ کے فوراً بعد جب فتنۂ ارتداد قبائل اور نواحی مدینہ میں پھیل گیا، اس وقت حالات ایسے نازک تھے کہ علامہ ابن الاثیرؒ اپنی تاریخ

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام: ج ۲ ص ۶۶۱

میں لکھتے ہیں کہ:

اِرْتَدَّ الْعَرَبُ اِمَّا عَامَّةً أَوْ خَاصَّةً مِّنْ كُلِّ قَبِيْلَةٍ وَّظَهَرَالنِّفَاقُ وَ اشْرَأَبَّتِ الْيَهُوْدِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ وَبَقِىَ الْمُسْلِمُوْنَ كَالْغَنَمِ فِىْ الَّيْلَةِ الْمُمْطِرَةِ لِفَقْدِ نَبِيِّهِمْ وَقِلَّتِهِمْ وَكَثْرَةِ عَدُوِّهِمْ [1]

عرب کے قبائل مرتد ہوگئے، یا تو قبیلہ کا قبیلہ یا ہر ایک قبیلہ میں سے خاص خاص لوگ۔ اور منافق جن کا وجود ہی باقی تھا ظاہر ہوگئے۔ یہودیت اور نصرانیت نے سر اٹھایا۔ اور مسلمان اپنے نبی ﷺ کی وفات پانے اور اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے بے یارو مددگار رہ گئے جیسے بکریوں کا ریوڑ اندھیرے اور بارش کی رات میں بغیر چرواہے کے رہ جاتا ہے۔

سارے صحابہ رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی بھی یہی رائے ہوئی کہ حالات اس وقت سازگار نہیں ہیں تو اس لشکر کی روانگی مؤخر کر دی جائے۔

چنانچہ **التاریخ الکامل** میں لکھا ہے کہ تمام صحابہؓ کی رائے متفق تھی کہ ایسے وقت جب کہ مسلمان نہایت پریشان اور بے سروسامان ہیں اور چاروں طرف کی مخالفت کے اندر گھرے ہوئے ہیں، اس لشکر کا جس میں جلیل القدر صحابہؓ مہاجرین وانصار ہیں، مدینہ منورہ سے دور چلا جانا دوراندیشی کے خلاف ہے۔ اور خاص کر اہلِ مدینہ کے لیے خوفناک صورت ہے۔ خود حضرت اسامہؓ کی رائے تھی کہ بڑے درجہ کے منتخب مسلمان میرے ساتھ ہیں۔ میں مطمئن نہیں ہوں کہ اس لشکر کی روانگی کے بعد خلیفہ اور امہات المؤمنین اور مسلمانوں کے اہلِ وعیال کو کن دقتوں کا سامنا ہو۔

بالآخر حضرت عمرؓ نے خود جا کر امیر لشکر اور مسلمانوں کے خیال کا اظہار کیا مگر خلیفۂ اولؓ نے یہ سن کر فرمایا:

---

[1] الکامل لابن الأثیر: ج۱، ص۳۶۲ (ذکر انفاذ جیش أسامة بن زید)

وَلَوْ خَطَفَتْنِیَ الْکِلَابُ وَالذِّئَابُ لَأَنْفَذْتُهُ کَمَا أَمَرَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَرُدُّ قَضَآءً قَضٰی بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ لَمْ یَبْقَ فِیْ هٰذِهِ الْقُرٰی غَیْرِیْ لَأَنْفَذْتُهُ [1]

اگر کتے اور بھیڑیئے بھی مجھ کو اچک لے جائیں، تب بھی میں اس لشکر کو روانہ کروں گا۔ اور میں اس فیصلہ کو رد نہ کروں گا جس کو رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں۔ اور اگر ان بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے گا تب بھی میں اس لشکر کو روانہ کروں گا۔

آخر حضرت اُسامہؓ لشکر لے کر تشریف لے گئے۔ اور خلیفۂ اعظمؓ کا یہ عزم و استقلال تدبیر ظاہری کی صورت میں ظاہر ہو کر مخالفت کے بڑے حصہ کو دبا دینے کے لیے کافی ہو گیا۔ دشمنوں میں سے اکثر لوگ یہ سمجھ کر کہ اگر مسلمانوں کے پاس کافی قوت اور بڑی جمعیت نہ ہوتی تو اُن کا اتنا بڑا اور جرار لشکر دارالخلافۃ کو غیر محفوظ چھوڑ کر نہ نکلتا، یہ سوچ کر وہ مسلمانوں سے ڈر گئے اور ان کی مخالفت سے رُک گئے۔ اسی طرح سے بہت سے صحابہؓ حضرت اُسامہؓ کی نوعمری کو دیکھ کر یہ خیال کرتے تھے کہ ایسے بڑے لشکر کی سرداری (جس میں خود حضرت عمرؓ اور بڑے درجہ کے چند دیگر صحابہؓ بھی شامل تھے) کسی معمر اور تجربہ کار آدمی کے سپرد کی جائے تو بہتر ہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے انصار کا یہ خیال حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں ظاہر فرمایا۔ جس کو سن کر وہ غصہ میں کھڑے ہو گئے۔ اور جھنجھلا کر فرمایا:

ثَکِلَتْکَ أُمُّکَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ! اِسْتَعْمَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَأْمُرُنِیْ أَنْ أَعْزُلَهُ [2]

اے خطاب کے بیٹے! تمہاری ماں تم کو گم کردے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حاکم بنایا تھا اور تم کہتے ہو کہ معزول کردوں۔

چنانچہ اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے اس لشکر کو بھی روانہ فرمایا جس میں تین ہزار

---

[1] الکامل لابن الأثیر: ج۱، ص۳۶۲ (ذکر انفاذ جیش أسامة بن زید)

[2] الکامل لابن الأثیر: ج۱، ص۳۶۲ (ذکر انفاذ جیش أسامة بن زید)

مجاہد تھے، ایک ہزار سوار تھے۔

اس کے علاوہ مرتدین سے جہاد کے لیے لشکر روانہ فرمایا۔ اس کے بعد صدیق اکبرؓ ایک بیماری میں مبتلا ہو گئے، جس میں چند ماہ کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔ تو وفات سے پہلے حضرت عمرؓ سے ان حوادثات میں اطاعت رسول ﷺ پر عمل درآمد ہونے کے ثمرات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمہیں کوئی مصیبت اگرچہ کتنی ہی بڑی ہو، تمہارے دینی کام میں اور اللہ کی وصیت میں مانع نہ ہو۔ کیا تم نے دیکھا کہ سید عالم ﷺ کی وفات کے وقت میں نے کس طرح کام کیا؟ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے غفلت برتی ہوتی تو ہم رسوا ہو جاتے اور ہمیں ضرور سزا دی جاتی اور سارا مدینہ آگ سے بھڑک جاتا۔

کمالِ اطاعت کا سبب

غرض صدیق اکبرؓ کی ساری زندگی سرورِ کونین ﷺ کی حیات طیّبہ کا عملی نمونہ تھی۔ ہر ہر قدم پر اور ہر حرکت وسکون میں آپ کا مطمحِ نظر یہ ہی رہتا تھا کہ اس موقع پر، اس حال میں آپ ﷺ نے کیا لائحہ عمل اختیار کیا ہے اور اس موقعہ پر اور ایسی صورتحال میں آپ ﷺ نے کیا فرمایا تھا۔

دراصل جس سے جتنی محبت اور جتنا عشق ہوتا ہے اتنا ہی معشوق کے کاموں کو کرنے کو بلکہ ہر چیز میں اس کی نقل کو دل چاہتا ہے۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کو جو آپ ﷺ سے عشق و محبت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس عشق ومحبت کے بیسیوں واقعات کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ صرف اندازے اور نمونے کے لیے ایک دو باتیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔

آپ ﷺ کے وصال کے بعد دردِ ہجر اور غمِ فراق کا حضرت صدیق اکبرؓ کو اتنا تاثر تھا کہ ان کو آپ ﷺ کے اسم گرامی سننے کی تاب باقی نہیں رہی تھی۔

چنانچہ زمانۂ خلافت میں جب آپ حضرت عمرؓ کو نائب مقرر فرما کر عمرہ کے لئے تشریف

لے گئے، تو چند آدمی آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ آتے ہی انہوں نے کہا:
اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کے سلام میں اپنے محبوب ﷺ کا اسمِ مبارک سن کر زاروقطار رونا شروع کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے والد اُبوقحافہ کے ساتھ اُن کے گھر تشریف لے گئے اور غسل فرما کر پھر دوبارہ آئے تو لوگ آپ سے ملنے کے لئے آئے۔ آپ ان کے ساتھ آگے آگے چل رہے تھے۔ اور انہیں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں صبر کی تلقین کرتے ہوئے زارزار رو رہے تھے۔

پھر اس دردِ ہجر اور غمِ فراق میں آپ بیمار ہو گئے اور اس مرض کی خاصیت یہی ہے کہ دن بہ دن بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اس میں علاج و دوا تو جلتے چولھے میں لکڑیوں اور ایندھن کا کام دیتی ہے۔ بلکہ اس مرض کا صرف تذکرہ بھی زخم پر نمک پاشی سے کم نہیں۔ اگر آپ ایسے مریض کو کسی دریا کے کنارے، پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی شاہی باغ کی کسی شاندار کوٹھی میں بھی رکھیں، مگر پھر بھی یہ خلوت، یہ تفریح اور یہ سارے پُرکشش مناظر اس کے مرض میں اضافہ کرنے کے لیے اور اس کی شدت بڑھانے کے لئے عین دست و بازو ہی ثابت ہوں گے۔

لیکن یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کہتے تو ہیں مرض اور کہا تو جاتا ہے عشق و جنون، مگر اس پر ناز کیا جاتا ہے اور اس کی زیادتی کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ بقول تاجور صاحب:

ع نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے — وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
غموں کو فکر دو عالم نے کردیا آزاد — ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

غرض صدیق اکبرؓ اس مرض میں گھلتے رہے اور اسی آگ میں جلتے رہے۔ اور آپ کا بدن مبارک اس مرض میں گھلتا رہا۔ اور آپ روز بروز لاغر و کمزور ہوتے رہے۔ اس لئے آپ کی حیات کے آخری ایام میں جب کسی طبیب نے آپ کا معائنہ کیا تو کہا کہ ان کا دل اندر سے ہانڈی کی طرح اُبل رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کوئی بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے۔

غرض اس راہِ عشق میں چلتے چلتے معشوق کے پاس جا پہنچے۔ بقول شاعر:

ع اے مرغِ سحر! عشق ز پروانہ بیاموز کاں سوختہ را جاں شد وآواز نیامد [1]

آپؓ کا وصیت نامہ

اپنی اس اطاعت رسول ﷺ اور دین کی پیروی کا تذکرہ حضرت صدیق اکبرؓ نے خود اپنے وصیت نامے میں فرمایا ہے۔ آپ نے اس کو اس وقت فرمایا تھا جب کہ آپ نے اپنی جگہ حضرت عمر فاروقؓ کو نامزد کیا تھا۔ تو یہ سن کر بعض حضرات آپ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ اپنے رب سے کیا کہیں گے جب آپ سے اللہ پاک حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنانے میں سوال کرے گا؟ آپ حضرت عمرؓ کو خلیفہ بناتے ہیں حالانکہ آپ ان کی سختی کو خوب جانتے ہیں۔ (آپؓ بستر مرگ پر لیٹے ہوئے تھے۔) آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اٹھاؤ۔ کیا اللہ کے بارے میں تم مجھ کو ڈراتے ہو؟ وہ آدمی خسارہ میں ہے جس نے تمہارے کام میں ظلم کا توشہ لیا۔ میں کہوں گا کہ اے میرے اللہ! میں نے لوگوں پر ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جو تیری مخلوق میں بھلا ہے۔ (اس کے بعد فرمایا) جا! میری طرف سے جو میں نے کہا ان لوگوں تک پہنچا دے جو تیرے پیچھے ہیں۔ اس کے بعد لیٹ گئے اور یہ وصیت نامہ لکھوایا۔

'بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو ابو بکرؓ بن اُبی قحافہ نے اپنی آخری زندگی میں دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اور آخرت میں قدم رکھتے ہوئے کیا ہے۔ وہ آخرت جہاں کافر بھی مؤمن ہوگا اور فاجر بھی یقین کرلے گا اور آخرت کا جھٹلانے والا بھی اس کی تصدیق کرلے گا۔ بے شک میں اپنے بعد تم لوگوں پر عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ بنا چکا ہوں۔ ان کا حکم ماننا اور ان کی اطاعت کرنا۔

---

[1] ترجمہ: 'اے مرغِ سحر! سچا عشق تو اس پروانے سے سیکھ کہ جس نے جل کر جان تک دے دی اور آواز تک نہ ہونے دی۔'

میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین، اپنے نفس اور تم لوگوں کے ساتھ بھلائی میں کمی نہیں کی۔ اگر میں نے عدل کیا اور میرا ان کے متعلق بھی یہی گمان ہے اور ان کے بارے میں یہ ہی علم ہے۔ اور اگر اس کے خلاف کیا، تو ہر آدمی کے لئے اس کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا ہے۔ میں نے تو بھلائی ہی کا ارادہ کیا ہے اور غیب کا مجھے علم نہیں۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ○ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' [1]

حضرت عمرؓ کو اتباع سنت کی تاکید

اور اس کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس آدمی بھیج کر اُنہیں بلایا اور بہت سی باتیں بتلائیں۔ اس میں پھر خاص طور پر سنت نبویہ پر گامزن رہنے کی تاکید فرمائی۔

چنانچہ فرمایا کہ اے عمرؓ! بغض رکھنے والے نے تم سے بغض رکھا، اور محبت کرنے والے نے تم سے محبت کی۔ اور یہ پرانے زمانے سے ہوتا چلا آ رہا ہے کہ بھلائی سے دشمنی اور عداوت کی جاتی ہے اور شرارت سے محبت کی جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے خلافت کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: لیکن منصب خلافت کو تمہاری ضرورت ہے۔ تم نے سرور دو عالم ﷺ کو دیکھا ہے۔ تم اُن کی صحبت میں رہ چکے ہو۔ اور تم نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمارے نفسوں کو اپنے نفس پر ترجیح دی ہے۔ اور یہاں تک کہ ہم لوگ آپ ﷺ ہی کے دیئے ہوئے عطیات میں صرف بچا ہوا آپ ﷺ کے اہل کو ہدیہ دیا کرتے تھے۔

اور تم نے مجھے دیکھا اور میرے ساتھ رہے ہو۔ میں نے تو اس ذات گرامی کے نقشِ قدم کی پیروی کی ہے جو مجھ سے پہلے تھی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وصحبہ و بارک وسلم)۔ خدا

---

[1] طبقات ابن سعد: ج۳، ص۲۰۰ / أسد الغابۃ: ج۲، ص۳۲۶

کی قسم! یہ باتیں سونے کی حالت میں نہیں کر رہا ہوں کہ خواب دیکھ رہا ہوں۔اور میں کسی وہم کے طور پر یہ شہادتیں نہیں دے رہا ہوں اور بیشک میں ایسے راستہ میں ہوں جس میں کجی نہیں۔

اے عمر! تمہیں معلوم ہونا چاہئے بے شک اللہ پاک کے لیے کچھ حقوق رات میں ہیں جن کو وہ دن میں قبول نہیں فرماتا۔اور کچھ حقوق دن میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ رات میں قبول نہیں کرتا ہے۔اور قیامت کے دن جس کسی کے بھی ترازوئے اعمال وزنی ہوں گے وہ محض ان لوگوں کے اتباع حق کی وجہ سے وزنی ہوں گے۔اور حق بھی یہی ہے اس کے وزنی ہونے کا کہ اس میں سوائے حق کے کچھ نہ ہو۔

اور بروزِ قیامت جن لوگوں کے اعمال کا پلّہ ہلکا ہوگا یہ وہی ہیں جنہوں نے باطل کی پیروی کی ہوگی۔اور میزانِ اعمال کے لیے حق بھی یہی ہے کہ بجز باطل کے اور کسی چیز سے اس کا پلّہ ہلکا نہ ہو۔ بیشک سب سے پہلی وہ چیز جس سے میں تم کو ڈراتا ہوں، وہ خود تمہارا نفس ہے۔اور میں تم کو لوگوں سے بھی پرہیز کا حکم دیتا ہوں۔لوگوں کی نظریں بہت بلند و بالا دیکھنے لگی ہیں اور ان کی خواہشات کا مشکیزہ ہواؤں سے بھر گیا ہے اور لوگوں کے لیے لغزش سے خیریت ہو جائے گی۔

پس تم لوگوں کو لغزشوں میں پڑنے سے بچاؤ۔اس لئے کہ لوگوں کو ہمیشہ تمہاری جانب سے خوف رہے گا اور تم سے ڈرتے رہیں گے جب تک کہ تم خدا سے ڈرتے رہو گے۔ یہ میری وصیت ہے اور میں تمہیں سلام کرتا ہوں۔ [1]

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے لئے دعائیں کیں۔اس کی بھی دعا کی کہ اے اللہ! حضرت عمرؓ کو ان بھلے خلفاء میں سے کر دے جو تیرے نبی رحمت ﷺ کی ہدایت کا اتباع کریں اور تیرے نبی ﷺ کے بعد جو بھلے ہیں ان کا اتباع کریں۔اور اس کے لیے

---

[1] تاریخ دمشق: ج ۳۰، ص ۴۱۵ و ۴۱۶

رعایا کی اصلاح کردے۔ اٰمین۔ [۱]

حضرت عمرؓ کا کمال اتباع

غرض حضرات صحابہ کرامؓ اور اولیاء کاملینؒ اپنے معاشرہ کو اور زندگی کے ہر شعبہ کو اور ہر لمحہ کو سید الکونین فخر دو عالم ﷺ کی حیٰوۃ طیبہ کے ساتھ جانچتے ہوئے چلتے ہیں۔ اور دیکھتے رہتے ہیں کہ ہم اس طریقۂ مبارک کے خلاف تو نہیں چل رہے ہیں۔

اس لئے حضرت عمر بن الخطابؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا۔ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ میں تجارت کیا کرتا تھا۔ اب تم لوگوں نے اس میں مشغول کر دیا۔ اس لئے اب گزارہ کی کیا صورت ہو؟

لوگوں نے مختلف مقدار میں تجویزیں کیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چپ بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا تمہاری کیا رائے ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ توسط کے ساتھ جو تمہیں کافی ہو جائے۔

حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا اور متوسط مقدار تجویز ہوگئی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں خود حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ شریک تھے یہ ذکر آیا کہ حضرت عمرؓ کے وظیفہ میں اضافہ ہونا چاہئے کیونکہ گذر میں تنگی ہوتی ہے۔ مگر ان سے عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لئے ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ، جو حضور ﷺ کی زوجۂ مطہرہ ہونے کی حیثیت سے امّ المؤمنین بھی تھیں، ان کی خدمت میں یہ حضرات تشریف لے گئے۔ اور ان کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں۔

حضرت حفصہؓ نے جب حضرت عمرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو اُن کے چہرے پر غصہ کے

---

[۱] طبقات ابن سعد: ج ۳، ص ۲۰۰ / أسد الغابة: ج ۲، ص ۳۲۶

آ ثار ظاہر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے نام معلوم کرنے کے لئے دریافت کیا۔ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو ان کے چہرے بدل دیتا۔ یعنی ایسی سخت سزائیں دیتا کہ ان کے منہ پر نشان پڑ جاتے۔ تُو ہی بتا کہ حضور ﷺ کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ دو کپڑے گیروی رنگ کے جن کو حضور اقدس ﷺ جمعہ کے دن یا کسی وفد کے آنے کی وجہ سے پہنتے تھے۔

پھر فرمایا کہ کونسا کھانا تیرے یہاں عمدہ سے عمدہ کھایا جاتا تھا؟ عرض کیا کہ ہمارا کھانا جو کی روٹی تھی۔ ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبّہ کی تلچھٹ الٹ کر ایک مرتبہ اس کو چپڑ دیا۔ تو حضور ﷺ خود بھی اس کو مزے لے کر نوش فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے۔

فرمایا کہ کونسا بستر تیرے یہاں عمدہ سے عمدہ تھا جو تیرے یہاں بچھاتے تھے؟ عرض کیا کہ ایک موٹا سا کپڑا تھا۔ گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے۔ اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے اور آدھے کو اوڑھ لیتے۔

فرمایا: حفصہ! ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے طرز عمل سے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔ اور امید (آخرت) پر کفایت فرمائی۔ میں بھی حضور اقدس ﷺ کی اتباع کروں گا۔ میری مثال اور میرے دو ساتھیوں (حضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ) کی مثال اُن تین شخصوں کی سی ہے جو ایک راستہ پر چلیں۔ پہلا شخص ایک توشہ لے کر چلا اور اپنے مقصد کو پہنچ گیا۔ دوسرے نے بھی پہلے کا اتباع کیا اور اسی کے طریقہ پر چلا اور پہلے کے پاس پہنچ گیا۔

پھر تیسرے نے چلنا شروع کیا۔ اگر وہ ان دونوں کے طریقہ پر چلے گا تو ان سے مل جائے گا اور اگر ان کے طریقے کے خلاف چلے گا تو کبھی ان سے نہ مل سکے گا۔ [1]

---

[1] ابن الأثیر فی الکامل: ج۱، ص۴۲۹ / التاریخ للطبری: ج۲، ص۳۱۱

اپنے اتباعِ سنت پر صحابہؓ کرام کو نگراں بنایا

دین و شریعت اور اتباعِ سرورِ دو عالم ﷺ پر اس قدر شدت سے عمل پیرا ہونے کے باوجود ہر وقت اس سے خائف اور ترساں رہتے تھے کہ کہیں سنت کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹ جائے۔ اس وجہ سے بعض مرتبہ صحابۂ کرامؓ کو فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھ کو اس طریق سے ذرا سا ہٹا ہوا پائیں تو مجھے اس پر متنبہ کر دیں۔

اس لئے قیصر روم کے دربار میں جب آنحضرت ﷺ کے مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ سفارت پر تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنے خلیفۂ وقت کی نسبت ایک موقع پر فرمایا کہ ہمارا سردار ہم میں ایک فرد ہے۔ اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا سردار باقی رکھیں گے اور اگر ان کے سوا وہ کسی اور چیز پر عمل کرے تو ہم اس کو معزول کر دیں گے۔

اگر وہ چوری کرے، تو ہم ہاتھ کاٹ دیں گے اور اگر زنا کرے تو سنگسار کر دیں۔ اور اگر وہ کسی کو گالی دے تو وہ بھی اس کو اسی طرح گالی دے۔ اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کا بدلہ دینا پڑے۔ وہ ہم سے چھُپ کر پردہ میں نہیں بیٹھتا۔ وہ ہم سے غرور نہیں کرتا۔ مالِ غنیمت میں وہ اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا مرتبہ رکھتا ہے۔

نیز ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ صاحبو! اگر میں اس طریقۂ نبوی ﷺ سے ہٹ کر دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم کیا کرو گے؟ ایک عامی آدمی وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اڑا دیں گے۔

حضرت عمرؓ نے اس کو آزمانے کے لیے ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں، ہاں! تمہاری شان میں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے میری قوم میں ایسے لوگ پیدا کئے کہ اگر میں ٹیڑھا چلوں تو مجھ کو

سیدھا کر دیں۔

حضرت عمرؓ کی رعایا کی جرأت

حضرت عمرؓ کے اس طرزِ عمل نے باوجود آپؓ کے اتنے بہادر اور بارُعب مدبّر اور سلطان اعظم ہونے کے آپ کے سامنے لوگوں کو جس قدر آزادی وصاف گوئی اور دلیری سے بات کرنے پر جری کر دیا تھا، اس کا اندازہ اس قسم کے تاریخی واقعات کے دیکھنے سے ہی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عراق کے فتح کرنے کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادی کر لی تھی کیونکہ کتابیہ سے نکاح کی اجازت ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ الیمانی کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا کوئی حکمِ شرعی ہے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے لکھ کر بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی ہم پر پابندی ضروری نہیں ہے۔

ایک بدّو کی صاف گوئی

اسی طرح ایک اور بدّو کا واقعہ ہے کہ دورِ فاروقی میں جب عرب میں بڑا زبردست قحط پڑا، تو فاروق اعظمؓ کی عجیب حالت ہوگئی تھی۔ جب تک قحط رہا آپ نے گوشت، مچھلی، گھی، غرض کہ کوئی لذیز چیز نہ کھائی۔ نہایت خشوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ اے خدا! محمد ﷺ کی امت کو میری شامتِ اعمال سے تباہ نہ کرنا۔

حضرت عمرؓ کے غلام اسلمؒ کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ کو جو فکر رہتا تھا، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو حضرت عمرؓ اس غم میں ہلاک ہوجائیں گے حالانکہ آپ نے قحط کا انتظام بے نظیر کیا تھا۔

اس زمانہ قحط میں ایک بدّو آپ کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے۔ شعر

يَا عُمَرُ! اَلْخَيْرُ خَيْرُ الْجَنَّةِ اُكْسُ بَنَاتِيْ وَ اُمَّهُنَّ
أَقْسِمُ بِاللّٰهِ لَتَفْعَلَنَّهُ

ترجمہ: یعنی اے عمر! لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے۔ میری لڑکیوں کو اوران کی ماں کو کپڑا پہنا۔ خدا کی قسم! تجھ کو یہ کرنا ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں تمہارا کہنا نہ مانوں تو کیا ہوگا؟

اس پر بدو نے کہا۔ شعر

تَكُوْنُ عَلٰى حَالِيْ لَتُسْئَلَنَّهُ وَالْوَاقِفُ الْمَسْؤُوْلُ لَتَبْهُتَنَّهُ
اِمَّا اِلٰى نَارٍ وَّ اِمَّا اِلٰى جَنَّةٌ

ترجمہ: یعنی تجھ سے میری نسبت قیامت میں سوال ہوگا اور تو ہکا بکا رہ جائے گا۔ پھر یا دوزخ یا جنت کی طرف جانا ہوگا۔

آپؓ پر رقت وگریہ

یہ سن کر حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ڈاڑھی مبارک تر ہوگئی۔ پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتہ اس کو دے دو۔ اس وقت اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ [۱]

امیر المؤمنین فاروقِ اعظمؓ اتنے بڑے شجاع و بہادر کہ بڑے بڑے سلاطین، قیصر و کسریٰ آپ کا نام سن کر لرزتے تھے۔ لیکن ایسے پریشان لوگوں کو دیکھ کر فوراً آپ پر رقّت طاری ہو جاتی تھی اور اس کی پریشانی پر اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرا کر رویا کرتے تھے۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالا خانہ پر بیٹھی چند اشعار گا رہی تھی۔ ع

تَطَاوَلَ هٰذَا اللَّيْلُ وَازْوَرَّ جَانِبُهُ وَلَيْسَ اِلٰى جَنْبِيْ خَلِيْلٌ اُلَاعِبُهُ

---

[۱] تاریخ دمشق: ج ۴۴، ص ۳۵۰

رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے، اور میرے پہلو میں شوہر نہیں جس سے ملاعبت کروں۔
اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا اور اس کے فراق میں یہ دردانگیز اشعار پڑھ رہی تھی۔
حضرت عمرؓ کو سن کر سخت قلق ہوا۔ اور کہا کہ میں نے زنانِ عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ چار مہینہ۔ صبح ہوئی تو حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینہ سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔ [۱]

ایک محتاج کے حال پر گریہ

ایک دفعہ آپؓ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ پاس جا کر کہا: "دائیں ہاتھ سے کھاؤ"۔ اُس نے کہا: "جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا"۔

حضرت عمرؓ پر یہ سن کر رقت طاری ہوگئی۔ اس کے برابر بیٹھ گئے اور روتے روتے کہنے لگے کہ افسوس! تم کو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا؟ اور کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا۔ اور اس کے لیے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔ [۲]

غرض حضرت عمر فاروقؓ ساری زندگی خود سنت نبویہ پر گامزن رہے اور اسوۂ نبی ﷺ پر عمل کرنے والی امت کے لیے ایک لائحہ عمل اور مثال قائم فرما دی کہ سچی پیروی اور کامل اتباع اسے کہتے ہیں۔

نیز قولاً بھی آپ عوام الناس کو عموماً، اور امراء لشکر اور سرداروں کو خصوصاً، اس کی بہت اہتمام سے تاکید فرمایا کرتے تھے کہ اطاعت رسول اللہ ﷺ سے ایک لمحہ بھر بھی وہ علیحدہ نہ ہوں اور اس کی رسی کو ہمیشہ اپنی گردن میں ڈالے رکھیں۔

---

[۱] السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۸۳۰۷

[۲] الآثار لأبی یوسف: ۹۱۸

امراءِ لشکر کو اطاعتِ رسول ﷺ کی تاکید

چنانچہ آپؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جو جناب سید الکونین فخرِ دو عالم ﷺ کے رشتہ کے ماموں بھی ہوتے ہیں جب عراق کے لئے امیرِ لشکر بنا کر بھیجا، وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے سعد! تم کو اللہ پاک کی جانب سے یہ بات دھوکہ میں نہ ڈال دے کہ تم کو رسول اللہ ﷺ کا ماموں اور رسول اللہ ﷺ کا صحابی کہا جاتا ہے۔

بے شک اللہ پاک بُرائی کو بُرائی کے ذریعہ نہیں مٹاتے۔ لیکن خداوند تعالیٰ برائیوں کو نیکیوں کے ذریعہ دفع کرتے ہیں۔ بیشک اللہ پاک کے اور کسی کے درمیان کوئی رشتہ نہیں۔ رشتہ اور تعلق ہے تو اس کی اطاعت کا ہے۔ لوگوں کے شریف اور غیر شریف اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ اللہ ان سب کا رب ہے اور سب اس کے بندے ہیں۔ ایک دوسرے پر فضیلت پرہیز گاری کی وجہ سے رکھ سکتے ہیں اور ان مراتب کو جو اللہ کے پاس ہیں اللہ کی فرمانبرداری کے ذریعہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اس امر کا دھیان رکھنا کہ نبی کریم ﷺ جس پر جمے رہے، جب آپ ﷺ بھیجے گئے اور یہاں تک کہ آپ ﷺ ہم لوگوں کو چھوڑ کر تشریف لے گئے، اس امر کو لازم پکڑنا۔ وہی امر اَمر ہے۔ یہی میری نصیحت ہے۔ اپنے آپ کو اس کے چھوڑنے سے بچاؤ۔ اگر تم نے اس کو چھوڑ دیا اور اس سے بے رغبتی برتی، تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو خسارے میں مبتلا ہیں۔ [1]

اسی طرح ایک موقعہ پر آپؓ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ہم لوگوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کا اتباع کیا۔ آپ ﷺ نے ہر اُس چیز پر عمل کر کے دکھا دیا جس کا اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کو حکم دیا۔ آپ ﷺ صدقہ

---

[1] تاریخ الطبری: ج۲، ص۳۸۲

مساکین کو برابر دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ پاک نے آپ ﷺ کو اس حالت پر وفات دی۔

پھر حضور ﷺ کے خلیفہ حضرت ابو بکرؓ ہوئے۔ وہ حضور ﷺ کی سنت پر عمل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ پاک نے ان کو وفات دی۔ پھر اللہ پاک نے مجھ کو خلیفہ بنایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا حال

ویسے سرکارِ دوعالم ﷺ کے سارے ہی صحابہ کرامؓ کامل متبع سنت اور آپ ﷺ کی ہر ہر ادا کی نقل اتارنے والے تھے۔ مگر چند صحابۂ کرامؓ کو اس میں بھی امتیازی شان حاصل تھی کہ ان کو حد درجہ اس کا اہتمام رہتا تھا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ہیں۔

مدینہ منورہ میں مقیم ہونے کی حالت میں حضور اقدس ﷺ کے ہر ہر حرکت وسکون کو تو اپنے ذہن میں برابر محفوظ رکھتے ہی تھے کہ آپ ﷺ کس وقت کیا کرتے ہیں، مگر سفر میں بھی آپ کو اس کا بہت اہتمام رہتا تھا۔ حتی کہ حضور اقدس ﷺ جب سفرِ حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کس جگہ اونٹنی سے اترے تھے، کس جگہ استنجاء فرمایا تھا، کس جگہ وضو فرمایا تھا، کس جگہ نماز ادا فرمائی تھی، جو کام جس وقت بھی کیا تھا آپ نے اس کو اور اس جگہ کو برابر یاد رکھا۔

اور جب آپ خود سفر حج کے لیے تشریف لے جاتے یا اُس راستہ سے گزر ہوتا تو جس جگہ حضور اقدس ﷺ نے پیشاب فرمایا، ان کو اگر اُس وقت حاجت نہ بھی ہوتی، تب بھی اُتر کر یہ سنت ادا فرماتے۔ جہاں وضو فرمایا، اس جگہ وضو فرماتے۔

اس لئے سفر حج کے حضور اقدس ﷺ کے مبارک راستہ کی اور اس کی سنتوں کی اور منزلوں کی سب سے زیادہ آپ ہی کی روایت سے نشاندہی ملتی ہے۔

حجاج بن یوسف کے زمانے میں جب جور و ستم کا زور تھا، آپ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ خدام نے روکنا چاہا کہ راستے مأمون نہیں۔ شاید آپ مکہ تک نہ پہنچ سکیں۔ اس لئے اس

وقت سفر مناسب نہیں۔ مگر آپ نے نہیں مانا اور اپنے ارادۂ سفر میں پختہ رہے۔

اور فرمایا کہ جب حضور اقدس ﷺ نے عمرے کے ارادہ سے سفر شروع کیا تھا، اس وقت بھی امن نہیں تھا۔ ہر جگہ خطرہ ہی تھا۔ یعنی کہ اس خطرہ کی وجہ سے التواءِ سفر خلاف سنت ہوگا۔ اور اگر مجھے کعبۃ اللہ تک پہنچنے سے روک دیا گیا تب بھی حضور اکرم ﷺ کی سنت ادا ہو جائے گی کہ آپ ﷺ بھی روک دیئے گئے تھے۔ اور آپ ﷺ نے ہدی ذبح کر کے حلق کروا کر احرام کھول دیا تھا۔

اس لیے میں بھی اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر جا رہا ہوں۔ اگر مجھے روک دیا گیا تو میں بھی وہی کروں گا جو اس موقع پر آپ ﷺ نے کیا تھا۔ [1]

حضرت بلالؓ

حضرت بلالؓ کی دو مخصوص خدمتیں

حضرت بلالؓ کے عشق و فنا فی الرسول سے کون ناواقف ہوگا؟ قبل از اسلام اور ابتدائے اسلام کی زندگی غلامی میں اور نہایت رنج و آلام اور مصائب کے ساتھ گزری۔ آزادی کے بعد سرورِ کونین ﷺ کے قدموں میں پڑے رہتے۔ سفر میں، حضر میں حضور اقدس ﷺ کے مؤذن اور خزانچی تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل میں ساری زندگی لگا دی۔ سابقہ پہلی دو خدمات میں سے ایک خدمت خزانہ تو آپ ﷺ کے وصال پر ختم ہوگئی۔ دوسری خدمت اذان پر بوجہ انتہائی عشق و فرط محبت کے آپ ﷺ کے بعد متحمل نہ رہے۔

---

[1] السنن الکبری للبیہقی : ۹۶۹۴

چنانچہ مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کا وصال ہوگیا اور آپ ﷺ کی ابھی تجہیز و تکفین نہیں ہوئی تھی کہ حضرت بلالؓ معمول کے مطابق پہلے طریقہ پر اذان دیتے رہے۔ جب اس کلمہ پر پہنچے

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ

تو جو لوگ مسجد میں تھے وہ رو پڑے۔ آپ ﷺ کے دفن کئے جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے اذان دینے کے لیے کہا۔ تو حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ اگر آپ نے مجھ کو اس لئے آزاد کیا تھا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں تو یہ البتہ اس کی ایک سبیل ہے۔ اور اگر آپ نے مجھ کو اللہ کے لیے آزاد کیا تھا تو مجھے اس اللہ کے لیے چھوڑ دیجئے جس کے لئے آپ نے مجھے آزاد کیا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا میں نے اللہ کے لیے آزاد کیا تھا۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا میں اب رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے اذان نہیں دوں گا۔

اس کے بعد حضرت بلالؓ کی اذان کے ایک دو اور بھی قصے ہیں۔ جو اسی مضمون کے اخیر میں آرہے ہیں۔

تیسری آخری خدمت

غرض وصال نبوی ﷺ کے بعد حضرت بلالؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مؤمنین کے اعمال میں سب سے افضل عمل اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے۔ میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ اپنے آپ کو مرتے دم تک جہاد فی سبیل اللہ میں لگا دوں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اے بلالؓ! میں تمہیں خدا کی اور حرّیت اور اپنے حقوق کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری عمر زیادہ ہو چکی ہے اور میرے قویٰ کمزور ہو چکے ہیں اور میری

وفات قریب ہے۔ تم جہاد میں نہ جاؤ۔

حضرت بلالؓ یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ٹھہر گئے۔ اور جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات ہوگئی تو حضرت عمرؓ کے پاس آ کر وہی بات کہی جو خلیفۂ اول سے کہی تھی۔ حصرت عمرؓ نے روکا مگر حضرت بلالؓ نہ رُکے۔ اور حضور پاک ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں جہاد کے لیے مدینہ منورہ سے ملک شام چلے گئے۔

چنانچہ فتح بیت المقدس کے موقع پر جب امیر المؤمنین حضرت عمرؓ وہاں کے عیسائیوں کی درخواست پر معاہدۂ صلح کی تکمیل کے لیے بیت المقدس تشریف لے گئے، جس کا واقعہ بھی بڑا عجیب وغریب ہے جو طوالت اور خارج از موضوع ہونے کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کیا جارہا ہے، تو اس سفر میں جب حضرت عمرؓ جابیہ سے، جہاں اطراف کے گورنروں اور حکام کو جمع کیا تھا، یہاں سے جب بیت المقدس کے لیے سواری پر سوار ہوئے، تو جو گھوڑا سواری میں تھا اس کے سُم رگِر گِر کر تمام ہو گئے تھے اور رُک رُک کر قدم رکھتا تھا۔

حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ یہ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ جب حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو کلیل کرنے لگا۔ فرمایا: ’’کمبخت! یہ غرور کی چال تو نے کہاں سیکھی؟‘‘ یہ کہہ کر اُتر کر پیادہ چلے۔ جب بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کے لیے آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔

چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے۔ اور ہمارے لیے یہی بس ہے۔

غرض اس ہیئت میں بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اور سب سے پہلے آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور محراب داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچ کر سورہ صٓ میں سے سجدۂ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا اور اس کے بعد کئی دن یہاں قیام فرمایا۔

حضرت بلالؓ کا زہد

ایک دن حضرت بلالؓ یہاں حضرت عمرؓ کی خدمت میں تشریف لائے اور فوجیوں کی شکایت کی کہ امیرالمؤمنین! ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں اور عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔

حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں۔ جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے، یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔

مسجد اقصیٰ میں بلالی اذان

انہیں ایام میں ایک دن نماز کے وقت حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ آج اذان دو۔ حضرت بلالؓ نے کہا: میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے اذان نہیں دوں گا لیکن آج اور صرف آج آپ کا ارشاد بجالاؤں گا۔

اذان دینی شروع کی۔ تو جب أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر پہنچے تو تمام صحابہؓ کو رسول اللہ ﷺ کا عہدِ مبارک یاد آ گیا۔ اور سب پر رقت طاری ہوگئی۔

ابوعبیدہؓ اور معاذ بن جبلؓ روتے روتے بیتاب ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کی روتے روتے ہچکی لگ گئی۔ اور دیر تک ایک اثر رہا۔

اس کے بعد آپ دمشق میں مقیم رہے۔ اسی دمشق کے قیام میں ایک مرتبہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بلالؓ! یہ کیا ظلم ہے؟ ہمارے پاس کبھی نہیں آتے۔'' تو آنکھ کھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ نے اذان کی فرمائش کی۔ اُن کی درخواست پر انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ اذان دینا شروع کیا اور مدینہ

میں حضور ﷺ کے زمانہ کی اذان کانوں میں پڑ کر کہرام مچ گیا۔عورتیں روتی ہوئی گھروں سے نکل پڑیں۔وہاں سے چندروز قیام کے بعد واپس ہوئے۔پھر شام ہی میں مقیم رہے اور جہادوں میں شرکت فرماتے رہے۔

جب ان کے وصال کا وقت قریب ہوا تو ان کی بیوی روتی ہوئی **وَاحَسْرَتَاهُ وَاحَسْرَتَاهُ** کہہ کر واویلا کرنے لگی۔تو آپ نے فرمایا **سُبْحَانَ اللّٰهِ! غَداً نَلْقِیُ مُحَمَّداً وَّحِزْبَهُ** کیسے مزے کی بات ہے کہ کل کو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام سے ملیں گے۔ [۱]

۲۰ھ کے قریب آپ کا دمشق ہی میں وصال ہوا۔اور دمشق (شام) میں آپؓ کا مزار مبارک ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ

حضرت ابوایوب انصاریؓ کو حضور اقدس ﷺ نے ایک موقع پر ایک باندی عنایت فرمائی۔اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔جب تک یہ ہمارے یہاں رہی تو ہم نے اس کو بھلا ہی دیکھا۔

جب اس کو لے کر حضرت ابوایوب انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گھر پہنچے تو کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا مصداق اس سے بہتر نہیں پاتا کہ اس کو آزاد ہی کردوں۔چنانچہ آپؓ نے اس کو اسی وقت آزاد کردیا۔ [۲]

یہ حضرات ہمیشہ فرمانِ نبوی ﷺ کو احسن سے احسن طریقہ پر بجالانے کی کوشش کرتے تھے۔اور بڑی مسرت اور محبت کے ساتھ اپنی سعادت سمجھ کر جتنے بھی کمال کے ساتھ اس

---

[۱] السیرۃ الحلبیۃ: ج۱، ص۴۷۹

[۲] صحیح ابن حبان: ۵۲۱۶

فرمان نبوی ﷺ کی بجا آوری ہوسکتی بجالاتے۔

حضرت حارثہؓ بن نعمان

آپؓ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ایک رسّی اپنے جھولے سے اپنے حجرہ کے دروازے تک باندھ لی تھی۔جب بھی کوئی مسکین آتا تو اپنی جھولی میں سے کچھ لیتے اوراس رسی کو پکڑ کراس کے سہارے مسکین کوخود اپنے ہاتھ سے دے کرآتے۔
ان کے گھر والے کہتے کہ آپ کی طرف سے یہ کام ہم کردیتے ہیں۔تو فرماتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا انسان کو بری موت سے بچاتا ہے۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

ایک مرتبہ حضوراقدس ﷺ نے مسجد نبوی میں صحابۂ کرامؓ کوخطاب کرکے(کچھ فرمانے کے لیے یاکسی بھی وجہ سے)ارشادفرمایا کہ اِجْلِسُوْا اِجْلِسُوْا (بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ)۔حضرت ابنِ مسعودؓ دروازہ کے پاس تھے۔جیسے ہی انہوں نے یہ ارشاد سنا فوراً وہیں بیٹھ گئے۔پھر حضوراقدس ﷺ نے ان کو جب بلایا تب وہاں سے اٹھے۔ [۲]

حضرت ابوذرغفاریؓ

ایک مرتبہ آپؓ اپنے کھیت میں تالاب میں سے پانی دے رہے تھے کہ کچھ آدمی اُن کے پاس آئے،تو اُن کے پیروں سے نالی کی ڈول ٹوٹ گئی اور پانی باہر بہنے لگا۔

---

[۱] المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۲۲۸

[۲] صحیح ابن خزیمۃ: ۱۷۸۰

حضرت ابوذر غفاریؓ نے پانی کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھا تو فوراً وہیں بیٹھ گئے۔ پھر اس کیچڑ میں لیٹ گئے۔ جو لوگ وہاں موجود تھے، انہیں بڑا تعجب ہوا۔ حضرت ابوذرؓ سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا حرکت ہے؟

حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا کہ ان لوگوں کی لاپرواہی پر مجھے غصہ آیا۔ ساتھ ہی مجھے آنحضرت ﷺ کا ارشاد یاد آیا کہ جب غصہ آئے تو بیٹھ جاؤ۔ پھر بھی غصہ باقی ہو تو لیٹ جاؤ۔ لہٰذا میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی۔ [1]

حضرت ابوالدرداءؓ

آپ نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ملک شام جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں صرف ایک شرط پر اجازت دیتا ہوں کہ تم عامل بنو۔ انہوں نے کہا مجھے عامل نہیں بننا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: پھر میں اجازت نہیں دیتا۔

تو حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ اچھا میں جاؤں گا لیکن لوگوں کو سنتِ نبویہ ﷺ کی تعلیم دوں گا اور ان کی امامت کروں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں اجازت دے دی اور یہ تشریف لے گئے۔

کتنی اہمیت تھی ان حضرات کے یہاں سنّتِ نبویہ ﷺ کی کہ لوگوں کو اس کی تعلیم کے لیے اور لوگوں کو حضور ﷺ کے طریقے سکھلانے کے لیے ملک شام کا سفر اختیار فرمایا۔

چنانچہ اس کو انہوں نے پوری طرح انجام کو پہنچایا۔ جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ پھر کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ اُن حضرات کی نگرانی کے لیے ملک شام تشریف لے گئے اور بغیر کسی کو اطلاع کے وہاں پہنچے تو دن کو آبادی میں داخل نہیں ہوئے۔ جب رات ہوگئی تو حضرت یرفاؓ سے فرمایا کہ اب چلو۔ پھر کئی امراء اور عمال حضرات کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ان کے

---

[1] مسند أحمد: ۲۱۳۸۶

یہاں پہنچنے سے پہلے ہی حضرت یرفاءؓ سے فرمادیتے تھے کہ اے یرفاء! تم دیکھو گے کہ ان کے پاس قصہ گو ہوں گے، چراغ جل رہا ہوگا، اور حریر کے بسترے پر بیٹھے ہوں گے جو مسلمانوں کے مالِ غنیمت سے ہے۔ اور تم اُنہیں سلام کرو تو وہ جواب دیں گے مگر اندر داخلہ کی اجازت اس وقت تک نہیں دیں گے جب تک یہ نہ جان لیں کہ تم کون ہو۔

چنانچہ سب کے پاس تشریف لے گئے۔ بالکل یہی منظر ہوتا تھا جو حضرت عمرؓ فرماتے تھے۔ چنانچہ سب کو حضرت عمرؓ نے اس پر ڈانٹ ڈپٹ کی اور پھر فرمایا کہ اب ہمیں ہمارے بھائی ابوالدرداءؓ کے پاس لے چلو۔ ہم ان کو دیکھیں گے کہ نہ ان کے پاس قصہ گو ہوں گے، نہ چراغ ہوگا، نہ دروازے کو زنجیر ہوگی۔ کنکریوں کو بچھائے ہوئے پالان کو ٹیک لگائے ہوں گے۔ ان پر پتلا کمبل ہوگا جس سے ٹھنڈ پار ہو رہی ہوگی۔ ان کو تم سلام کرنا وہ تمہیں سلام کا جواب دینگے۔ اندر جانے کی اجازت بھی مانگو تو فوراً اجازت دے دیں گے۔ یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم کون ہو۔

حضرت یرفاءؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ چلے۔ دروازہ پر پہنچ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم''۔ انہوں نے کہا: ''وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ''۔ پوچھا: ''اندر آجاؤں؟'' کہا: ''آجاؤ''۔ دروازہ پر دھکا دیا تو دروازے کی زنجیر نہیں تھی۔ چنانچہ ہم دونوں اس تاریک کوٹھری میں داخل ہوگئے۔ تاریکی کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے انہیں ٹٹولنا شروع کیا یہاں تک کہ پالیا۔ ان کے تکیہ کو ٹٹولا تو وہ پالان تھی اور ان کا بستر چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ ان کے کمبل کو ٹٹولا تو وہ پتلا کمبل تھا۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا: ''یہ کون ہے؟ کیا امیرالمؤمنین ہیں؟'' حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''ہاں''۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ بہت دنوں کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی۔ سال ہوگیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے۔ کیا میں نے تم پر وسعت نہیں کی تھی؟ اور کیا میں نے ایسا ایسا نہیں کیا تھا؟ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ عمرؓ! کیا آپ کو وہ حدیث

یاد ہے جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: ''کون سی حدیث؟'' تو فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے ہر ایک کا سامانِ زندگی صرف اتنا ہونا چاہیے جتنا ایک سوار کا توشہ ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''بیشک آپ ﷺ نے یہی فرمایا ہے''۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا: ''اے عمرؓ! ہم نے آپ ﷺ کے بعد کیا کِیا؟'' راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد یہ دونوں حضرات مل کر صبح تک روتے رہے۔ [1]

[1] تاریخ دمشق: ج۴۷، ص۱۳۵ و ۱۳۶

آٹھواں باب

بزرگانِ دین کا اہتمامِ سنت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اہتمامِ سنت

سیدنا و مرشدنا و مولانا حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہم العالی [۱] ایک جگہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ کو جب زہر دیا گیا اور زہر کے اثر کا غلبہ ہوا تو اپنے بھائی حضرت حسینؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور اس کی اجازت منگائی کہ میں ان کے گھر میں اپنے نانا ﷺ کے قریب دفن ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل کی سی سخت جنگ ہوئی تھی، انہوں نے خوشی سے اس کو قبول فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ شاید میری زندگی میں میری شرم ولحاظ کی وجہ سے اجازت دے دی ہو۔ میرے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت لے لینا۔ اگر وہ بخوشی اجازت دیں تو وہاں دفن کر دینا۔ ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا۔

حضرت حسینؓ نے بھائی کے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت چاہی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''نَعَمْ وَ کَرَامَةً'' کہ ہاں، ہاں! بڑے اکرام کے ساتھ۔

یہ ہے مسلمانوں کے اسلاف کی لڑائی اور آپس کی مخالفت۔ امراء بنواُمیہ نے اس وجہ سے کہ حضرت عثمانؓ کو مخالفین نے وہاں دفن نہ ہونے دیا تھا، مزاحمت کی اور کہا کہ جب حضرت عثمانؓ کو وہاں دفن نہیں ہونے دیا تو حسنؓ بھی دفن نہیں ہو سکتے۔

---

[۱] نور اللہ مرقدہ وأعلی مراتبہ۔

لیکن اس کے باوجود حضرت حسینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لیے امیر مدینہ سعید بن العاص کو (جو بنوامیہ کی طرف سے تھے) بڑھایا اور فرمایا کہ یہی سنت ہے۔

کیا ہم بھی سنت کی رعایت میں اپنے دشمنوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں؟ یہاں معمولی سے معمولی اختلاف پر بھی مصلوں سے ہٹا دینا، امامت سے علیحدہ کر دینا روزمرہ کے واقعات ہیں۔

دو چار واقعے ہوں تو کوئی گنوائے۔ جہاں ہزاروں، لاکھوں واقعات اس نوع کے ہوں تو کہاں تک گنوائے جائیں۔ [1]

حضرت علی بن حسین بن علی امام زین العابدینؒ

آپؒ خالص فاطمی سید تھے مگر غرورِ نسب عملاً مٹانے کے لئے انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی ایک غلام سے کردی تھی۔ اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود نکاح کر لیا تھا۔

خلیفہ عبدالملک کو معلوم ہوا تو اس نے خط لکھ کر اس فعل پر ملامت کی۔ حضرت امام صاحبؒ نے اس پر جواب تحریر فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے صفیہ بنتِ حیی بن اخطب کو، جو لونڈی تھیں، آزاد کر کے نکاح کر لیا تھا۔ اور اپنے غلام زیدؓ بن حارث کو آزاد کر کے اپنی پھوپھی زاد بہن زینبؓ بنت جحش کو ان کے نکاح میں دے دیا تھا۔ اور ہم رسول اللہ ﷺ سے زیادہ معزز نہیں ہیں۔''

قربان ان حضرات کے جذبۂ اتباع پر کہ اگر حضور ﷺ نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا تو انہوں نے بھی بعینہٖ اسی طرح کیا۔ ایسے ہی حضور ﷺ نے اپنی قریبی عزیزہ

---

[1] الاعتدال فی مراتب الرجال

کی شادی غلام سے کردی تو انہوں نے بھی اتباع سنت میں اپنے سب سے قریبی رشتہ والی یعنی اپنی صاحبزادی کا نکاح ایک غلام سے کردیا۔ حالانکہ آل رسول ﷺ تھے اور خدا نے دنیوی وجاہت بھی وہ عطا فرمائی تھی کہ خلیفہ کے لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح کرسکتے تھے یا اپنے لئے خود جہاں سے چاہتے نکاح کرسکتے تھے۔

حضرت عثمان خیریؒ

ان کی وفات کا وقت جب قریب آیا اور مرض الموت کی علامات ظاہر ہوگئیں، تو آپؒ کے بیٹے نے کپڑے چاک کرڈالے۔ آپؒ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا: ''بیٹا! تو سنت کے خلاف کرتا ہے۔ اور یہ نفاق کی علامت ہے۔ جیسا آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ برتن میں جو موجود ہوتا ہے وہی ٹپکتا ہے۔''

دیکھیے، ان حضرات کی زندگیاں کتنی قابلِ رشک ہیں کہ زندگی بھر اتباعِ سنت کا اہتمام رہا، آخر سکرات کے وقت جب آدمی ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے اس وقت خود تو کیا کسی دوسرے کا بھی سنت توڑنا گوارا نہیں۔

بشر بن حارث رضی اللہ عنہ

ان سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا: ''اے بشر! تم جانتے ہو تمہیں اللہ نے اپنے ہم عصروں پر کیوں فوقیت دی؟''

میں نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے معلوم نہیں''۔ فرمایا: ''تم کو میری سنت کی اتباع اور صالحین کی خدمت اور بھائیوں کی نصیحت اور میرے اصحاب اور اہلِ بیت کی محبت نے ابرار کے مرتبہ کو پہنچایا۔''

علامہ ابن تیمیہؒ

آپؒ کے اتباعِ سنت کے متعلق حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ [۱] تاریخ دعوت وعزیمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس مقام مقبولیت وصدیقیت کی ابتداء اتباعِ سنت ہے۔ اوراس کی انتہا بھی کمالِ اتباعِ سنت پر ہے۔

حدیث وسنت کے ساتھ ابن تیمیہؒ کا شغف وانہماک اُن کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے۔لیکن یہ شغف وانہماک صرف علمی ونظری نہ تھا،عملی اور ظاہری بھی تھا۔ان کے معاصرین شہادت دیتے ہیں کہ مقامِ رسالت (علی صاحبہا الصلوات والسلام) کا جیسا ادب واحترام،اور اتباعِ سنت کا جیسا احترام ابن تیمیہؒ کے یہاں دیکھا،کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا۔

حافظ سراج الدینؒ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ:

لَاوَاللّٰہِ مَارَأَیۡتُ أَحداً أَشَدَّ تَعۡظِیۡماً لِّرَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَلَا أَحۡرَصَ عَلیٰ اتِّبَاعِہٖ وَنَصۡرِ مَا جَآءَ بِہٖ مِنۡہُ [۲]

خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کا اتنا ادب واحترام کرنے والا اور آپ ﷺ کے اتباع اور آپ ﷺ کے دین کی نصرت کی حرص رکھنے والا ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

یہ چیز اُن پر اتنی غالب اور اُن کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والے کا قلب شہادت دیتا تھا کہ اتباعِ کامل اور سنت کا عشق اسی کا نام ہے۔

علامہ مہدی الدین الواسطیؒ فرماتے ہیں کہ:

مَارَأَیۡتُ فِیۡ عَصۡرِنَا ھٰذَا مَنۡ تَسۡتَجۡلیٰ النُّبُوَّۃُ الۡمُحَمَّدِیَّۃُ وَسُنَّتُھَا مِنۡ أَقۡوَالِہٖ

ہم نے اپنے زمانہ میں ابن تیمیہؒ ہی کو ایسا پایا کہ نبوت محمدی ﷺ کا نور ان کی زندگی

---

[۱] نوراللہ مرقدہ وأعلی مراتبہ۔

[۲] الأعلام العلیۃ فی مناقب ابن تیمیۃ للحافظ البزار: ص ۲۸

وَأَفْعَالِهِ اِلَّا هٰذَا الرَّجُلُ بِحَيْثُ يَشْهَدُ الْقَلْبُ الصَّحِيْحُ أَنَّ هٰذَا هُوَ الْاِتِّبَاعُ حَقِيْقَةً [۱]

میں اور سنتوں کا اتباع ان کے اقوال و افعال میں عیاں تھا۔قلب سلیم اس کی شہادت دیتا تھا کہ حقیقی اتباع اور کامل پیروی اس کا نام ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

آپؒ کی ایک سو اکیس سال کی عمر میں وفات ہوئی۔جس دن آپ کی وفات ہوئی، اس دن باوجود اس قدر ضعف و پیری و کبرسنی کے پیراہن جسم مبارک سے اتار کر وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔اور آستین چڑھا کر مسواک مانگی۔اور بآواز بلند بسم اللہ پڑھ کر وضو شروع کیا۔ آپ ہر محل اور ہر فعل میں ادعیۂ معمولہ پڑھتے جاتے تھے۔دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے مگر منہ دھونے میں سہو ہو گیا۔

شیخ خلیل نے یاد دلایا۔آپ نے از سرنو وضو کیا۔تسمیہ اور ادعیہ جس طور پر کہ آتے ہیں، ہر محل میں باحتیاط تمام پڑھتے تھے۔اور حاضرین تعجب کرتے تھے کہ اس حال میں بھی اس قدر احتیاط ہے۔

قاضی زاہد نے داہنے پاؤں دھونے میں ہاتھ بڑھا کر مدد کرنی چاہیے۔آپ نے روک کر فرمایا کہ ٹھہرو! اور اپنے ہاتھ سے وضو کیا۔پھر کنگھی طلب کی اور ریش میں شانہ کیا اور جائے نماز مانگی اور دو رکعت نماز پڑھی۔

حضرت جنید بغدادیؒ

آپؒ جب اس دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے تو انتقال کے وقت ایک خادم ان کو

---

[۱] العقود الدریۃ من مناقب شیخ الاسلام أحمد بن تیمیۃ لابن قدامۃ المقدسی: ص ۳۲۸

وضو کرا رہا تھا۔ وہ ڈاڑھی میں خلال کرانا بھول گیا۔ آپؒ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ سنت بجالائے۔

لوگوں نے کہا کہ حضرت! ایسے وقت میں اتنی بھی رخصت نہیں۔ فرمایا: ''ہم خدا تک اسی کی برکت سے پہنچے ہیں۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ

آپؒ کا ستہتّر سال کی عمر میں وصال ہوا۔ آخری نو روز شدت علالت میں گذرے حتیٰ کہ پیشاب بھی خون کا آنے لگا تھا۔ اس کے متعلق جب طبیب سے پوچھا گیا تو اُس نے کہا کہ غم اور فکر نے انکے پیٹ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

ایک دن اُن کی طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ تو ان کے شاگرد امام مروزیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو وضو کرایا۔ تو انہوں نے اس تکلیف کی حالت میں بھی مجھے ہدایت کی کہ انگلیوں میں خلال کراؤں۔

یہ حضرات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو ایسا مضبوط پکڑے ہوئے تھے کہ بڑے سے بڑا ظلم وستم اور طاغوتی طاقت بھی ان کو اس جگہ سے نہ ہٹا سکی۔

چنانچہ تاریخِ دعوت وعزیمت میں ہے کہ مسئلۂ خلق قرآن کی مخالفت اور عقیدۂ صحیحہ کی حمایت اور حکومتِ وقت کے مقابلہ کی ذمہ داری تنہا امام احمد بن حنبلؒ کے اوپر تھی جو گروہِ محدثین کے امام اور سنت وشریعت کے اس وقت امین تھے۔

امام احمدؒ کو رقّہ سے بغداد لایا گیا۔ چار بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی تھیں۔ تین دن تک ان سے اس مسئلہ پر مناظرہ کیا گیا۔ لیکن وہ اپنے اس عقیدہ سے نہیں ہٹے۔ چوتھے دن کو والئ بغداد کے پاس لایا گیا۔

اس نے کہا کہ احمدؒ! تم کو اپنی زندگی ایسی دوبھر ہے؟ خلیفہ تم کو اپنی تلوار سے قتل نہیں کرے

گا۔لیکن اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر تم نے اس کی بات قبول نہ کی تو مار پر مار پڑے گی۔اور تم کو ایسی جگہ ڈال دیا جائے گا جہاں کبھی سورج نہیں آئے گا۔

اس کے بعد امامؒ کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا۔اوران کو اس انکار واصرار پر اٹھائیس کوڑے لگائے گئے۔ایک تازہ جلاد صرف دو کوڑے لگاتا تھا۔پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا تھا۔ امام احمدؒ ہر کوڑے پر فرماتے تھے: ''اُعْطُوْنِیْ شَیْئاً مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ أَوْ سُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ ﷺ حَتّٰی أَقُوْلَ بِہٖ''۔ (میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول ﷺ کی سنت کچھ پیش کرو تو میں اس کو مان لوں۔)

حضرت امامؒ ایک جگہ خود اپنا حال بیان فرماتے ہیں کہ انیس کوڑوں کے بعد معتصم خود میرے پاس آیا۔اور کہا احمد! کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ خدا کی قسم! مجھے تمہارا بہت خیال ہے۔

ایک شخص عجیف اپنی تلوار کے دستہ سے مجھے چھیڑتا اور کہتا کہ تم ان سب پر غالب آنا چاہتے ہو۔دوسرا کہتا: ''اللہ کے بندے! خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہے''۔کوئی کہتا کہ امیر المؤمنین! آپ روزے سے ہیں۔اور آپ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں۔

معتصم پھر مجھ سے بات کرتا اور میں وہی جواب دیتا:

اُعْطُوْنِیْ شَیْئاً مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ أَوْ سُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ ﷺ حَتّٰی أَقُوْلَ بِہٖ	میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول ﷺ کی سنت سے کچھ پیش کرو تو میں اس کو مان لوں۔

پھر وہ جلاد کو حکم دیتا کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ۔امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ پھر اس اثناء میں میرے حواس جاتے رہے۔جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں کھول دی گئی ہیں۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے تم کو اوندھے منہ گرا دیا اور تم کو روندا۔امام

احمدؒ کہتے ہیں کہ مجھے کچھ احساس نہیں ہوا۔

اُس وقت کے مسلم اور غیر مسلم امامؒ کے ابتلاء کے یہ حالات دیکھ کر اور سن کر روتے تھے۔ اور مسلم و غیر مسلم سب ہی آپ کے لیے خدا سے دعائیں کرتے تھے اور رویا کرتے تھے۔ جب آپؒ کے شاگردوں سے نہ رہا گیا، تو ایک ساتھی کو امامؒ کے پاس بھیجا۔ اس نے جا کر کہا کہ حضرت! کیا اب بھی مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ پر عمل کرنے کا وقت نہیں آیا؟ آپ کے دل میں عقیدہ وہی ہو، لیکن صرف زبان سے آپ فرمادیں کہ قرآن مخلوق ہے تا کہ ان مصائب سے نجات ملے۔

خدا حضرت امامؒ کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان پر کروڑوں رحمتیں برسائے کہ امت کے لئے خصوصاً رہبرانِ قوم اور علمائے امت کو کیا بہترین سبق دے گئے۔ آپؒ نے فرمایا کہ پہلے بعض لوگ ایسے ہوئے جن کے سر پر آرا رکھ کر چلا دیا جاتا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں ہٹتے تھے۔

یہ صرف میرا ذاتی مسئلہ تو نہیں ہے کہ دل میں کچھ ہو اور زبان سے کچھ کہہ دوں۔ یہ جو لاکھوں مسلمانوں کی نظریں میرے ہونٹوں کو تک رہی ہیں ان کے ایمان اور عقیدے کا کیا ہوگا؟ اس لئے اس وقت ان کے عقیدہ کا بھی میں ذمہ دار ہوں۔

ان حضرات کو اپنی ذات سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کی فکر تھی۔ جس کے لیے انہوں نے سب کچھ برداشت کیا اور سب کچھ قربان کر کے انہوں نے قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ أَحْسَنَ الْجَزَآءِ ۔

قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ

۱۳۰۱ھ میں دار العلوم دیو بند کا چوتھا تاریخی جلسۂ دستار بندی ہوا تھا جس میں حضرت ہی کے دستِ مبارک سے دستار بندی ہوئی۔

اس موقع پر ایک روز غالباً عصر کی نماز کے لیے آپؒ تشریف لے گئے تو تکبیر کہی جا چکی تھی۔ چنانچہ سلام پھیرنے کے بعد آپ کو دیکھا گیا کہ سخت پریشانی کی حالت میں ہیں اور آپؒ فرمارہے ہیں کہ افسوس! بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہوئی۔

حضرتؒ کے یہاں ایک ایک سنت کا چونکہ بہت ہی زیادہ اہتمام تھا، اس لیے ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہلے پہننا سنت ہے۔تو دیکھیں حضرتؒ ان دونوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں۔تو سب نے مل کر اس کا بہت خیال رکھا کہ حضرتؒ اس میں کیا عمل کرتے ہیں۔تو جب حضرت مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر کھڑاؤں پر رکھا۔اور جب سیدھا پاؤں نکالا تو کھڑاؤں انگوٹھے میں ڈال لی۔اس کے بعد بایاں پاؤں کو کھڑاؤں کے اندر ڈالا۔سبحان اللہ! کتنے اہتمام کے ساتھ حضرتؒ نے دونوں سنتوں کو جمع فرمادیا۔

ایک مرتبہ صحنِ مسجد میں طلبہ کو درس دے رہے تھے کہ بارش ہونے لگی۔طلبہ کتابیں اور تپائیاں لے کر اندر بھاگے۔حضرت مولاناؒ نے اپنی چادر بچھائی اور تمام طالب علموں کے جوتے اُٹھا کر اس میں ڈال کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔طلبہ نے جب یہ صورت دیکھی تو وہ پریشان ہوئے اور بعض رو دیئے کہ حضرتؒ یہ کیا؟

فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ طلبہ کے لیے چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں دعا کرتی ہیں۔اور فرشتے ان کے پاؤں کے نیچے پَر بچھاتے ہیں۔ایسے لوگوں کی خدمت کر کے میں نے سعادت حاصل کی ہے۔آپ مجھے اس سعادت سے محروم کیوں کرتے ہیں؟

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ

انگریز کے خلاف جہاد ۱۸۵۷ء میں دیگر اکابر کی طرح حضرت مولانا نانوتویؒ بھی بہ نفس نفیس خود شاملی وغیرہ کے جہاد میں شریک تھے اور زخمی بھی ہوئے تھے۔اور جب انگریز کی

طرف سے حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ تجویز ہو چکا تھا، اس لیے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ ودو میں پھرتے تھے۔

تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ کو کمالِ شجاعت، استقلال اور ہمتِ قلب عطا فرمائی تھی، اس لئے ہر قسم کے نتیجہ سے بے نیاز ہوکر کھلے بندوں پھرتے تھے۔ مگر اعزاء و اقارب، ہمدردوں کی طرف سے جب شدید اور بلیغ اصرار ہوا کہ حضرتؒ وقت کی نزاکت کے پیش نظر ضرور روپوش ہو جائیں، تو تین دن روپوش رہے۔ اور تین دن پورے ہوتے ہی ایک دم باہر نکل آئے اور کھلے بندوں پھرنے چلنے لگے۔

لوگوں نے پھر بمنت روپوشی کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ تین دن سے زیادہ روپوش ہونا سنت سے ثابت نہیں کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں تین ہی دن روپوش رہے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیبؒ

یہ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں۔ بڑے زبردست متبعِ سنت ہیں۔ پچاس برس تک کوئی نماز ان کی جماعت سے فوت نہیں ہوئی، بلکہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہوئی۔ اور چالیس برس تک کسی نماز کی اذان ایسی نہیں ہوئی کہ یہ اذان سے پہلے سے مسجد میں موجود نہ ہوں۔ اور پچاس برس تک صبح کی نماز عشاء کی وضو سے پڑھی۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ

آپؒ کے متعلق مشائخِ کاندھلہ میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا محمود بخش صاحبؒ نے ایک صاحبزادہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ کو اپنی یادگار چھوڑا جو زہد وتقویٰ اور اتباعِ سنت میں یگانہ

روزگار اور شہرۂ آفاق بزرگ تھے۔

اس کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے کہ مولانا مظفرحسین صاحبؒ کبھی طاعتِ خداوندی اور اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔اور اپنے تمام دینی اور دنیوی امور، ظاہری و باطنی مہمات اور مشکلات کو ہمیشہ قرآن وحدیث کے موافق پورا کرتے تھے۔اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں ہمیشہ سرگرم رہتے تھے۔اور سنتِ نبویہ ﷺ کے احیاء میں اپنی ساری مساعی اور پوری جدوجہد صرف کرتے تھے۔اور کوشش کرتے تھے کہ کوئی کام اللہ اور رسول ﷺ کی رضا کے خلاف سرزد نہ ہو۔ اور کوئی قدم سنت کے خلاف زمین پر نہ پڑے۔

بلکہ آپ کے متبعین و مریدین نے آپ کا حال لکھا ہے کہ حضرت مولانا مظفرحسین صاحبؒ کے یہاں بیعت وتلقین کا سلسلہ جاری تھا اور ہر جگہ بکثرت لوگ آپ سے مرید ہو کر کتاب وسنت کے شیدائی بن جاتے تھے۔

حافظ محمد یوسف صاحبؒ اور حافظ محمد یونس صاحبؒ (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ العالی کے نانا) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا مظفرحسین صاحبؒ کی یہ خاص کرامت اور برکت تھی کہ جو بھی ان سے مرید ہو گیا اس کی پھر تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔

اس ناچیز (مؤلف مشائخ کاندھلہ مولانا احتشام الحسن صاحبؒ) کو بھی حضرت مولانا کے جس مرید سے ملنے کا اتفاق ہوا، اس کو تہجد اور نوافلِ مسنونہ کا پابند پایا جن کی صورتوں سے ایمانیت اور نورانیت عیاں نظر آتی تھی۔

نواں باب

اتباع سنت کی تاکید میں بزرگوں کے ارشادات

امام ابو حفصؒ کا ارشاد

جس شخص نے اپنے افعال و احوال کو کتاب و سنت کے ساتھ نہ تولا اور اپنے خطرات کو تہمت نہ لگائی، اس کو آدمیوں کے دفتر میں شمار نہ کرو۔

ابو سلیمان دارائیؒ کا ارشاد

بعض اوقات میرے دل میں صوفیہ کے نکات سے کوئی نکتہ گذرتا ہے۔ بہت دنوں تک پڑا رہتا ہے۔ میں اس کو قبول نہیں کرتا مگر جب کہ دو شاہد عدل یعنی کتاب و سنت شہادت دیں (یعنی تب اس کو قبول کرتا ہوں۔)

حضرت اُدھم بلخیؒ کا ارشاد

لوگوں نے ایک دفعہ حصرت اُدہم بلخیؒ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول نہیں فرماتا؟

آپ نے فرمایا: ''اس وجہ سے کہ تم خدا کو جانتے اور مانتے ہو مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہو مگر آپ ﷺ کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن کریم پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے ہو مگر شکر نہیں گذارتے۔ یہ

جانتے ہو کہ بہشت اطاعت کرنے والوں کے لیے ہے مگر اس کی طلب نہیں کرتے۔ جانتے ہو کہ دوزخ گناہگاروں کے لئے ہے مگر اس سے نہیں ڈرتے۔ شیطان کو دشمن سمجھتے ہو مگر اس سے نہیں بھاگتے، بلکہ اس سے دوستی کرتے ہو۔ موت کو برحق جانتے ہو مگر عاقبت کا کوئی سامان نہیں کرتے، بلکہ دنیا کا سامان جمع کرتے ہو۔ خویش واقارب کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کرتے ہو مگر عبرت نہیں پکڑتے۔ اپنی برائیوں کو ترک نہیں کرتے لیکن دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہو۔ بھلا ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو؟''

حضرت طاؤسؒ کا ارشاد

آپؒ اکثر اپنے گھر میں بیٹھے رہتے۔ جب ان سے اس کا باعث پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ حاکموں کا ظلم اور رعیت کی تباہ کاری اور سنت کے جاتے رہنے کے باعث میں نے یہ تنہائی اختیار کی ہے۔ کیونکہ جو لوگ حق کے قائم کرنے میں غلام اور بیٹے میں فرق کریں وہ ظالم ہیں۔

حاتم زاہدؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ جس نے چار چیزوں کا بغیر چار چیزوں کے دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے۔ جس نے اپنے مولیٰ سے محبت کا دعویٰ کیا بغیر تقویٰ اور پرہیزگاری کے تو وہ جھوٹا ہے۔ اور جس نے مال خرچ کئے بغیر جنت کی محبت کا دعویٰ کیا تو وہ جھوٹا ہے۔ جس نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کیا آپ ﷺ کی سنتوں کا اتباع کئے بغیر تو وہ جھوٹا ہے۔ اور جس نے ترقی درجات کی محبت کا دعویٰ کیا فقراء اور مساکین کی محبت کے بغیر تو وہ جھوٹا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کا ارشاد

کشف و کرامت، حال اور وجد و رقص اور استغراق پر اترنا، پانی پر چلنا وغیرہ کو رضائے حق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ امور مذکورہ غیر اختیاریہ ہیں اور بندہ غیر اختیاری امور

کا مکلّف نہیں۔

نیز یہ حالت جوگیوں کو بھی اور فاسق فاجر نقلی فقیروں کو بھی حاصل ہوجاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ قبور کا عذاب کبھی جانوروں پر بھی منکشف ہوتا ہے۔ ہوا میں مکھی بھی اڑتی ہے۔ پانی پر تنکا بھی تیرتا ہے۔ ان باتوں کو بندگی سے کیا تعلق؟ بندوں سے اطاعت اور بندگی کا مطالبہ ہے۔ اور بندگی کا وہی نمونہ پسندیدہ ہے جو حضور ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے۔

اپنی تمام حرکات وسکنات اور جذبات و کیفیات کو حضور ﷺ کے نقش قدم کے تابع کردینے ہی کا نام سچی غلامی اور سچی بندگی ہے۔ اور یہی بندگی مقبول بندگی ہے۔

اتباعِ سنت کے ساتھ اگر کشف و کرامت، وجد و استغراق اور احوال بھی کسی کو عطا ہوجائیں تو وہ بھی اتباعِ سنت کی برکت سے محمود ہیں، مقصود نہیں۔ اور اگر کوئی کسی ایک عمل میں بھی سنت کے خلاف اپنی ایجاد کردہ اختراعی راہ ورسم کا پابند اور غلام ہے تو وہ باوجود کشف وکرامت اور رقص واستغراق کے نامقبول ہے۔

کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ہمارے رسول! آپ لوگوں سے فرمادیں کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بننا چاہتے ہو **فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ** تو تم لوگ میری اتباع کرو۔ میری اتباع کے صدقہ میں حق تعالیٰ تمہیں محبوب بنالیں گے۔

کیونکہ میری شانِ عبدیت اور میرا طرزِ بندگی حق تعالیٰ کے نزدیک تمام خلائق کی عبادت سے احبّ اور افضل ہے، پس میرے نقشِ قدم پر اگر تم بھی چلو گے تو اس اتباع کی برکت سے تمہاری عبدیت اور غلامی دوسری امتوں سے عنداللہ اُحبّ اور افضل ہوجائے گی۔ اور تم خیر الامم اس سبب سے ہو کہ تمہارا رسول ﷺ بھی سید المرسلین ہے۔ رسول کی سیادت کی رعایت سے ان کے غلاموں کو بھی سیادت کا شرف عطا کیا گیا۔

بریں نازم کہ ہستم امت تو گنہگارم و لیکن خوش نصیبم [۱]

---

[۱] ترجمہ: ''میں تو اس پر ناز کرتا ہوں کہ آپ کا امتی ہوں۔ گنہگار ضرور ہوں لیکن خوش نصیب بھی ہوں۔''

حضرت ابیؓ بن کعبؓ کا ارشاد

عَلَيْكُمْ بِالسَّبِيْلِ وَالسُّنَّةِ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ عَلَى السَّبِيلِ وَالسُّنَّةِ ذَكَرَ الرَّحْمٰنَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ أَبَداً وَّلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ عَلَى السَّبِيْلِ وَالسُّنَّةِ ذَكَرَ الرَّحْمٰنَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَاقْشَعَرَّ جِلْدُهُ مَخَافَةَ اللّٰهِ تَعَالىٰ اِلَّاكَان مَثَلُهُ كَمَثَلِ شَجَرَةٍ يَبُسَ وَرَقُهَا فَأَصَابَتْهَا الرِّيْحُ فَتَحَاتَّ وَرَقُهَا وَاِنَّ اقْتِصَاداً فِيْ السَّبِيْلِ وَالسُّنَّةِ خَيْرٌ مِّنْ اِجْتِهَادٍ فِيْ خِلَافِ السَّبِيْلِ وَالسُّنَّةِ فَانْظُرُوْا عَمَلَكُمْ مَاكَانَ اقْتِصَاداً وَّاجْتِهَاداً أَنْ يَّكُوْنَ عَلىٰ سَبِيْلِ الْأَنْبِيَاءِ وَسُنَّتِهِمْ [۱]

فرماتے ہیں کہ راہ حق وطریقۂ رسالت کو لازم پکڑنا تم پر واجب ہے۔ کیونکہ جس بندہ نے طریقۂ حق تعالیٰ وسنت رسول اللہ ﷺ پر قائم رہ کر اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم کو یاد کیا اور اس کے خوف سے بندہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، تو یہ نہ ہوگا کہ اس کو آگ چھو سکے گی۔ اور جس بندہ نے طریقۂ حق تعالیٰ وطریقۂ سنت پر رہ کر رحمٰن کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور خوف خدا سے اس کا بدن کانپنے لگا، تو اس کی مثال اس درخت کی سی ہے کہ جس کے پتے سوکھ گئے ہوں۔ اور ہوا کا ایک جھونکا اڑا اور اس کے سارے پتے گرے (یعنی اسی طرح اس شخص کے بھی سارے گناہ معاف کردیے گئے)۔ اور راہ الٰہی وسنت پناہی پر قائم رہ کر اعتدال کے ساتھ عبادت کرنا بہت بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ راہِ حق و سنتِ رسول اللہ ﷺ کے خلاف بہت زیادہ جدوجہد کرے۔ لہٰذا تم اپنے اعمال کو

---

[۱] مصنف ابن أبي شيبة: ۳۶۶۷۵ / السنة لالآ لكائی: ۷۔ مشہور کتب میں یہ قول یہیں تک منقول ہے۔ بقیہ مضمون دراصل دو مشہور حدیثیں ہیں جنکی تخریج گذر چکی ہے۔

دیکھ لو! چاہے وہ اعتدال کے ساتھ ہو، چاہے زیادہ جدوجہد ہو، وہ انبیاء کرام کے طریقہ پر اور ان کی سنت کے موافق ہیں یا نہیں۔

وَعَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہُ افْتَرَقَتْ بَنُوْا أُسْرَآئِیْلَ عَلٰی أَحْدٰی وَسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً وَّأَنَّ ھٰذِہِ الْأُمَّۃُ سَتَفْتَرِقُ عَلٰی اثْنَتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً أَحْدٰی وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ وَ وَاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَاھٰذِہِ الْوَاحِدَۃُ؟ قَالَ أَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ

اور حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل اکہتر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ اکہتر (۷۱) فرقے دوزخ میں جائیں گے اور صرف ایک جنت میں جائے گا۔ صحابۂ کرام نے پوچھا۔ یا رسول اللہ ﷺ! وہ ایک فرقہ کونسا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ فرقہ اہلِ سنت والجماعۃ ہے۔

وَعَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِیْ فَلَہُ أَجْرُمِائَۃِ شَھِیْدٍ

نیز حضور اقدس ﷺ سے منقول ہے، میری امت کے فساد کے وقت میری سنتوں پر مضبوطی سے قائم رہنے والے کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

امام اوزاعیؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ طریقۂ سنت پر اپنے جی کو تھامے رہ۔ اور جہاں صحابہ ٹھہر گئے، تو بھی وہاں ٹھہر جا۔ اور جہاں انہوں نے کلام کیا، وہاں کلام کر۔ اور جس چیز سے وہ رُکے رہے تو بھی رُکا رہ۔ اور اپنے دین میں سلف صالحین کی راہ چل۔ کیونکہ جہاں اُن کی کمائی ہوئی، تیری بھی کمائی ہوگی۔ یعنی تجھے جنت میں ان کے ساتھ جگہ دی جائے گی۔

نیز ایک دفعہ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے رب العزت جلّ جلالہٗ کو خواب میں دیکھا۔ مجھے فرمایا: ''اے عبدالرحمٰن! تو ہی میری راہ میں ٹھیک باتوں کی تنقید کرتا ہے اور بری باتوں سے منع کرتا ہے۔'' تو میں نے عرض کیا کہ اے رب! یہ تیرے ہی فضل سے مجھے نصیب ہوا اور میں نے التجا کی کہ اے رب! تو مجھے اسلام پر موت دیجیو۔ تو فرمایا بلکہ اسلام اور سنت پر۔ یعنی اسلام اور سنت پر مرنے کی تمنا کر۔ کیونکہ میں تجھے پسندیدہ دین پر، اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ سنت پر وفات دوں گا۔

سفیان ثوریؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ کوئی قول ٹھیک نہیں جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ پھر کوئی قول وعمل ٹھیک نہیں، جب تک نسبت صحیح نہ ہو۔ اور کوئی قول وعمل ونسبت ٹھیک نہیں ہوتی جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ سنت کے مطابق نہ ہو۔

نیز آپ نے ایک مرتبہ یوسف بن سباط سے فرمایا کہ اے یوسف! اگر تجھے خبر ملے کہ فلاں شخص سرحد مشرق میں سنت کے طریقہ پر مستقیم ہے، تو اس کو سلام بھیج۔ اور اگر تجھے خبر ملے کہ ایک دوسرا آدمی منتہاءِ مغرب میں طریقۂ سنت پر مستقیم ہے، تو اس کو سلام بھیج۔ اس لئے کہ اہلِ سنت والجماعت بہت کم رہ گئے ہیں۔

نیز ایک مرتبہ آپ نے (اپنے علماء شاگردوں سے) فرمایا کہ اہلِ سنت کے حق میں بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو کہ یہ پردیسی بیچارے بہت کم ہیں۔

جنید بغدادیؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ راہیں سب خلق پر بند ہیں، سوائے اس شخص کے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نشان قدم کی پیروی کی۔ پس جس نے سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کی اور آپ ﷺ کا طریقہ لازم پکڑا، تو نیکیوں کی سب راہیں اس پر کھلی ہیں۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب حاصل کرنے کی راہ خلق پر مسدود (بند) ہے، سوائے ان مؤمنوں کے جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور آپ ﷺ کے طریقۂ سنت کے تابع ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

ان ہی کا قول ہے کہ ہمارا یہ تصوف کا مذہب کتاب وسنت واصول سے مقید ہے۔ اور ہمارا علم کتاب وسنت سے بندھا ہوا ہے۔ جس شخص کو کتاب یاد نہیں اور حدیث نہیں لکھتا اور فقہ نہیں سیکھتا اس کی پیروی نہ کی جائے۔

امام شافعیؒ کا ارشاد

جب میں کسی شخص کو جو حدیث وسنت والا ہو دیکھتا ہوں، تو ایسا ہے گویا میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو دیکھ لیا۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا ارشاد

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں: ”قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اس معنی کی تائید کررہا ہے کہ جس بارے میں ایک عزیز کہتا ہے:

مثنوی ؎

او دلیل تو بس و تو راہ مجوئ او زبان تو بس و یاوہ مگوئ

ہرچہ او گفتِ گفت مطلق دان ہرچہ او کرد کردۂ حق دان

خاکِ او باش بادشاہی کن آلِ او باش ہرچہ خواہی کن [1]

---

[1] ترجمہ: ”وہ (آپ ﷺ کی ذات اقدس) تیری رہنمائی کے لئے کافی ہے، سوتو اور کسی کے راستہ کی تلاش میں نہ رہ۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک نے تیرے بولنے کی ضرورت باقی نہیں رکھی، سوتو اب فضول بک بک نہ کر۔ جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا، اسے خدا کا فرمان جان۔ اور جو کچھ آپ ﷺ نے کیا اسے خدا ہی کا کرنا سمجھ۔ آپ ﷺ کے سامنے خاک ہوکر رہ اور بادشاہی کر۔ اور آپ ﷺ کا تابعدار بن کر رہ اور جو چاہے کر۔“

ہرکہ چوں خاک نیست بر درِ او گر فرشتہ است خاک بر سرِ او [1]

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ بعض نا اہل اور فضول لوگ جو اپنے گمانِ فاسد اور جہالت و ہوس کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ اختیار نہیں کرتے اس حدیث کے معنی کی بو سے بے نصیب رہتے ہیں۔ راہبر کے بغیر سیدھا راستہ چلنا محال ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے۔ مثنوی

کور ہرگز کے تواند رفت راست بے عصا کس کور را رفتن خطا ست

راہ دور است وہ پر آفت اے پسر! راہ رو را میباید راہبر [2]

سیدی و مرشدی حضرت شیخ مدظلہٗ کا ارشاد [3]

فرماتے ہیں کہ علماء نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کی مختلف علامات لکھی ہیں۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو ماسوا پر ترجیح دیتا ہے۔ یہی معنی محبت کے ہیں۔ ورنہ محبت نہیں، محض دعویٰ محبت ہے۔

پس حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کی علامات میں سب سے مہتم بالشان یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اقتداء کرے، آپ ﷺ کے طریقوں کو اختیار کرے اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی پیروی کرے، آپ ﷺ کے احکامات کی بجا آوری کرے اور آپ ﷺ نے جن چیزوں سے روک دیا ہے، ان سے پرہیز کرے۔ خوشی ہو، رنج میں، تنگی میں، وسعت میں، ہر حال میں آپ ﷺ کے طریقوں پر چلے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ

---

[1] ترجمہ: ''اسلئے کہ جو شخص بھی آپ ﷺ کے درِ عالی پر خاک بنکر نہ رہے، اسکا سر خاک آلود ہوا گرچہ فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔''

[2] ترجمہ: ''کوئی اندھا شخص بھی کبھی سیدھا چل سکتا ہے؟ اندھے کے لئے بغیر عصا کے چلنا خطا ہے۔ اے بیٹے! راستہ لمبا بھی ہے اور پر خطر بھی۔ اس لئے مسافر کے لئے رہبر کا ہونا ضروری ہے۔''

[3] رحمۃ اللہ علیہ۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ [1]

نیز حضرتؒ نے فرمایا کہ الغرض مسلمانوں کے لیے صلاح و فلاح صرف اتباعِ مذہب، اسوۂ رسول ﷺ اور سلف صالحین کے طریقوں میں منحصر ہے۔ یہی آخرت میں کام آنے والی چیز ہے۔ یہی دنیا میں ترقی کا سبب ہے۔ اسی پر عمل کر کے پہلے لوگ بامِ ترقی پر پہنچے تھے جن کے احوال و حالات آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اور کوئی تاریخ سے واقف شخص اس چیز سے انکار نہیں کرسکتا۔ اس کے خلاف میں مسلمانوں کے لئے ہلاکت ہے، بربادی ہے، آخرت کا خسارہ ہے، دنیا کا نقصان ہے۔

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد

آپ نے فرمایا: صاحبو! جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے انتساب کو صحیح کرو۔ آپ ﷺ کا اتباع جس کے لیے صحیح ہوجاتا ہے اس کا انتساب بھی صحیح ہوجاتا ہے۔ اور اتباع کئے بغیر تیرا یہ کہنا کہ میں آپ ﷺ کا امتی ہوں، تیرے لئے مفید نہیں۔ جب تم آپ ﷺ کے اقوال وافعال میں آپ ﷺ کے متبع بن جاؤ گے، تو روزِ آخرت میں تم کو آپ ﷺ کی مصاحبت نصیب ہوگی۔ کیا تم نے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد نہیں سنا: وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا کہ جو کچھ تم کو پیغمبر دیں اس کو لو۔ اور جس سے باز رکھیں اس سے باز آجاؤ۔ آپ جو کچھ تم کو حکم دیں اس کی تعمیل کرو۔ اور جس بات کی بھی ممانعت کریں اس سے رُک جاؤ۔ یقیناً دنیا میں حق تعالیٰ کے قریب ہوجاؤ گے قلوب کے اعتبار سے، اور آخرت میں قریب ہوجاؤ گے اجسام کے اور نفوس کے اعتبار سے۔

عمرِ ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد

آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء نے

---

[1] سورۃ آل عمران: ۳۱۔ اس آیت شریفہ کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔

جو طریقے جاری کیے ہیں، ان کو اہتمام سے پکڑنا ہی اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے اور دین کی قوت ہے۔ نہ کسی کو ان کی تبدیلی کا حق ہے، نہ تغیّر کا۔ نہ ان کی مخالفت کی رائے قابل غور ہے۔ جو اُن کا اتباع کرے وہ ہدایت یافتہ ہے۔ اور جو اُن چیزوں سے مدد حاصل کرے وہ منصور ہے۔ جو اُن کے خلاف کرے اور مؤمنین کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرے، اللہ جلّ شانہٗ اس کو اپنے اختیار کردہ راستے پر عمل نہ کرنے دیں گے اور جہنم میں پھینک دیں گے جو نہایت ہی برا ٹھکانا ہے۔

شیخ ابوالحسن خرقانیؒ فرماتے ہیں

رسول اللہ ﷺ کا وارث وہ شخص ہے جو رسول کریم ﷺ کے فعل کی اقتداء کرے نہ وہ کہ کاغذ سیاہ کرے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کی پیروی واتباع پر مضبوطی اور ثابت قدمی رکھنا چاہئے اور کوئی مستحب اور ادب بھی فوت نہ ہونے پائے۔

حضرت حسنؓ بن علیؓ کا ارشاد

آپؓ فرماتے ہیں کہ کوئی قول بغیر عمل کے درست نہیں۔ اور کوئی قول اور عمل بغیر صحیح نیت کے صحیح نہیں۔ اور کوئی قول وعمل اور نیت سنت کی موافقت کے بغیر صحیح نہیں۔

ایوب سختیانیؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ میں طریقۂ نبوت ﷺ پر عمل کرنے والوں میں سے جب کسی کے مرنے کی خبر سنتا ہوں تو اس کے جانے سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میرے بدن کا کوئی حصہ

جا تا رہا۔ اور عرب اور عجم کی نیک بختی کے آثار میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سنت کا پابند عالم پیدا فرمائے۔

عبداللہ بن شوذب ؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ کوئی نوجوان جب طاعت الٰہی کی طرف متوجہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کا بھائی چارہ ایسے مردِ صالح سے کرے جو طریقۂ سنت پر مستقیم ہوتا کہ وہ صاحبِ سنت اس نوجوان کو بھی طریقِ سنت پر اُبھار لے جائے۔

معمر بن سلیمان تیمی ؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت میں غمگین تھا۔ تو مجھ سے پوچھنے لگے کہ تیرا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا ایک دوست انتقال کر گیا۔ پوچھنے لگے کیا وہ طریقۂ سنت پر مرا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کہ پھر تو کچھ غم نہ کر۔

عبداللہ بن محیریز ؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ دین ایک ایک سنت کے نکل جانے سے جاتا رہے گا۔ جیسے رسی کہ ایک ایک بَل اتر کر ٹوٹ جاتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی ؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ فضیلت اور ثواب سنت کی تابعداری پر، اور اجر وثواب کی زیادتی شریعت کی بجا آوری پر موقوف ہے۔ مثلاً قیلولہ جو سنت کے مطابق اور سنت کی متابعت کی نیت سے ہو، وہ ان کروڑوں شب بیداریوں سے افضل ہے جو سنت کے مطابق نہ ہوں۔ ایسے ہی عید الفطر کے دن روزہ نہ رکھنا جس کا شریعت نے حکم دیا ہے شریعت کے خلاف کے صیام

دہر سے افضل ہے۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے ایک دمڑی کا دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے افضل ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں حضرتؒ فرماتے ہیں کہ بطور زکوٰۃ ایک درہم کا خرچ کرنا جس کا شریعت نے حکم دیا ہے نفس کشی کے لئے ان ہزار دیناروں کے خرچ کرنے سے بہتر اور فائدہ مند ہے جو اپنی خواہش سے خرچ ہوں۔

اور شریعت کے حکم کے مطابق عیدالفطر کے دن کا کھانا خواہشات کے زائل کرنے میں اپنے طور پر کئی سال روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ اور فجر کی دو رکعت نماز کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا جو سنتوں میں سے ایک سنت ہے، اس سے بہت بہتر ہے کہ ساری رات نماز نفل پڑھتا رہے اور فجر کی نماز بغیر جماعت کے تنہا پڑھے۔

امام رازیؒ کا ارشاد

اَلْعَمَلُ اِذَا کَانَ خَالِصاً غَیْرَ صَوَابٍ لَّمْ یُقْبَلْ وَ کَذٰلِکَ اِذَا کَانَ صَوَاباً غَیْرَ خَالِصٍ فَالْخَالِصُ أَنْ یَّکُوْنَ لِوَجْهِ اللّٰهِ وَالصَّوَابُ أَنْ یَّکُوْنَ عَلٰی السُّنَّةِ [1]

عمل جو خالص ہو، صواب نہ ہو، تو وہ مقبول نہیں۔ اور جو عمل صواب ہو مگر خالص نہ ہو، وہ بھی مقبول نہیں۔ عمل وہی مقبول ہوتا ہے جو خالص ہو اور صواب ہو۔ خالص وہ ہے جو صرف اللہ کے لئے کیا جائے۔ اور صواب وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو۔

امام غزالیؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ تم جو کام حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کے بغیر کرو، اگرچہ وہ عبادت کی شکل میں ہو، لیکن وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے۔ [2]

---

[1] تفسیر کبیر: ج ۸، ص ۲۴۳

[2] مکتوب: ص ۷

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ ؒ کا ارشاد

میں تو اس چیز کو بہت دنوں سے سمجھ چکا ہوں، بلکہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اس زمانہ میں دین و دنیا دونوں کی فلاح حاصل کرنے کے لیے بجز تسنّن بسنة النبی ﷺ اور کوئی صورت نہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی پر چل کر اور اسے اختیار کر کے آج ہمیں دنیا کی بھی فلاح مل سکتی ہے۔ ورنہ اہلِ دنیا پر فلاح کا دروازہ بند اور عاقبت تنگ ہوگئی ہے اور ہوتی جائے گی۔ پھر آگے چل کر حضرت فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ فلاح عالم کے خدائی اصول اور صلاح عالم کا نبوی طریق کا رشتہ ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے۔ اور وہ رشتہ یہی تھا کہ علاوہ دین کے دنیوی امور میں بھی رسول اللہ ﷺ کی سنن کے ساتھ تسنن کیا جاتا۔

حضرت خواجہ معصوم صاحب ؒ سرہندی کا ارشاد

آپ ؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ سعادتِ دارین سرورِ کونین ﷺ کے اتباع پر موقوف ہے۔ جہنم سے نجات اور دخولِ جنت سید الابرار قدوۃ الانبیاء ﷺ کی اطاعت پر موقوف ہے۔ اسی طرح خدا کی رضامندی رسولِ مختار ﷺ کی پیروی کے ساتھ مشروع ہے۔ توبہ، زہد و تقویٰ، توکل و تبتل آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے بغیر مقبول نہیں۔ اور ذکر و فکر، ذوق و شوق آنحضرت ﷺ کے تعلق کے بغیر ناقابل اعتبار ہے۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں: ”سنت نبوی ﷺ کی روشنی کے بغیر صراطِ مستقیم دشوار ہے۔ اور راہِ نبوّت اختیار کئے بغیر حصول نجات محض ایک خیال ہے۔“

سہل بن عبداللہ تستری ؒ کا ارشاد

فرمایا: ”جو مال اہل معاصی سے لیا جائے وہ حرام ہے۔ اور دنیا میں سنت کی مثال ایسی ہے جیسے عقبیٰ میں بہشت۔ جو شخص بہشت میں گیا وہ بلا سے بیخوف ہوگیا۔ اور یوں ہی جو

جادۂ سنت پر ہوگا وہ ہوی اور بدعت سے امن میں ہے۔
اور جو شخص کسب پر طعن کرے وہ سنت پر طعن کرتا ہے۔ اور جو توکّل پر طعن کرے وہ ایمان پر طعن کرتا ہے۔ اور اہلِ توکل کا کسب جادۂ سنت پر ہی درست ہوسکتا ہے۔''

امام زہریؒ کا ارشاد

آپؒ اکابر علماء میں سے ہیں۔ مشہور تابعی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سے پہلے علماء یعنی صحابۂ کرام سے سنا ہے کہ سنت (یعنی حضور ﷺ کے طریقے) کو مضبوط پکڑنے میں نجات ہے۔ اور علم بہت جلد اُٹھ جانے والا ہے۔ علم کی قوت میں دین اور دنیا کا ثبات ہے۔ اور علم کے جاتے رہنے میں اس سب کی اضاعت ہے۔

حضرت معروف کرخیؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ بغیر عمل کے طلبِ بہشت گناہ ہے۔ اور بغیر نگہداشتِ سنت کے انتظارِ شفاعت ایک قسم کا دھوکہ ہے۔ اور نافرمانی میں رحمت کی امید رکھنا جہالت وحماقت ہے۔

عبداللہ دیلمیؒ کا ارشاد

آپؒ بڑے تابعی ہیں۔ بعضوں نے ان کو صحابی بھی بتایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے اکابر سے یہ بات پہنچی ہے کہ دین کے جانے کی ابتداء سنت کے چھوٹنے سے ہوگی۔ ایک ایک سنت اس طرح چھوڑی جائے گی جیسا کہ رسی کا بل اُتارا جاتا ہے۔

دسواں باب

بزرگی کا معیار: اتباع سنت

اللہ والے کی تعریف

شرح عقائد نسفی میں اللہ کے ولی کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

اَلْوَلِیُّ هُوَ الْعَارِفُ بِاللّٰهِ تَعَالیٰ وَصِفَاتِهِ حَسْبَ مَا یَکُوْنُ، اَلْمُوَاظِبُ عَلَی الطَّاعَاتِ، اَلْمُجْتَنِبُ عَنِ الْمَعَاصِیَ، اَلْمُعْرِضُ عَنِ الْاِنْهِمَاکِ فِیْ اللَّذَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ

یعنی ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو طاقت بھر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عارف ہو، اور طاعات پر مداومت کرنے والا ہو، معاصی سے اجتناب کرتا ہو اور لذات و شہوات میں انہماک نہ رکھتا ہو۔

اللہ والے کی پہچان

سیدی ومولائی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ العالی [1] ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ اہل اللہ کون لوگ ہیں۔

اہل اللہ کی پہچان اتباعِ سنت ہے کہ حق سبحانہٗ وتقدّس نے اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو امت کی ہدایت کے لئے نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو، تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا

[1] رحمۃ اللہ علیہ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○ [۱]

تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے ۔ اور تمہارے سب گناہوں کومعاف فرمادیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف فرمانے والے، بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔ اور آپ یہ بھی فرما دیجئے کہ تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ پھر اس پر اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سُن رکھیں) کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتے۔

لہٰذا جو شخص نبی اکرم ﷺ کا کامل متبع ہو، وہ حقیقتاً اللہ والا ہے اور جو شخص اتباعِ سنت سے جس قدر دور ہو، وہ اللہ کے قرب سے بھی اُسی قدر دور ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ سے محبت کا دعویٰ کرے اور سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے۔

اس لئے کہ قاعدۂ محبت اور قانونِ عشق ہے کہ جس کسی سے محبت ہوتی ہے، اس کے گھر سے، درودیوار سے، صحن سے، باغ سے، حتیٰ کہ اس کے کتے سے اور اس کے گدھے سے محبت ہوتی ہے۔

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارِ وَذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِىْ وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

ترجمہ: کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے شہر پر گزرتا ہوں تو اِس دیوار کو اور اُس دیوار کو پیار کرتا ہوں۔ کچھ شہروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا، بلکہ ان لوگوں کی محبت کی کارفرمائی ہے جو شہروں کے رہنے والے ہیں۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

تَعْصِى الْاِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ وَهٰذَا لَعَمْرِىْ فِى الْفَعَالِ بَدِيْعُ

---

[۱] سورۃ آل عمران: ۳۱،۳۲

لَوْكَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَّأَطَعْتَهُ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعُ

ترجمہ: تو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہوتا تو کبھی نافرمانی نہ کرتا۔ اس لئے کہ عاشق ہمیشہ معشوق کا تابعدار رہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے انکار کردیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ جس نے انکار کردیا سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو میری نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا ہے۔ [۱]

ایک جگہ ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ اس کی خواہش اس دین کی تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ [۲]

حیرت کی بات ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بہبودی کے دعویدار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے بہرہ ہوں۔ کسی بات کو ان مدعیوں کے سامنے یہ کہہ دینا کہ یہ خلافِ سنت ہے، حضور ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے گویا برچھی مار دینا ہے۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید

یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کے خلاف جو شخص بھی کوئی راستہ اختیار کرے گا، کبھی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

بالجملہ اس کی تحقیق کے کہ یہ شخص اللہ والوں میں سے ہے، اس کے ساتھ ربط کا بڑھانا، اس کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہونا، اس کے علوم سے منتفع ہونا، دین کی ترقی کا سبب ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا امر بھی ہے۔

---

[۱] صحیح البخاری: ۶۸۵۱

[۲] أخرجہ النووی فی الأربعین وقال: حدیث حسن صحیح۔

امام ابو حفص کبیر حدادؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں:

مَنْ لَّمْ یَزِنْ أَقْوَالَهُ وَأَحْوَالَهُ وَأَفْعَالَهُ بِمِیْزَانِ الْکِتٰبِ وَالسُّنَّةِ وَلَمْ یَعْصِمْ خَوَاطِرَهُ فَلَا تَعُدُّوْهُ فِیْ دِیْوَانِ الرِّجَالِ

جس نے اپنے اقوال و احوال اور افعال کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی ترازو میں نہ تولا اور نفسانی خواہشات کو بُرا نہیں جانا تو اس کو مَردوں کی فہرست میں مت شمار کرو۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد

آپؒ کا ارشاد ہے:

اَلطُّرُقُ اِلٰی اللّٰهِ تَعَالیٰ بِعَدَدِ أَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ وَکُلُّهَا مَسْدُوْدَةٌ عَلٰی الْخَلْقِ اِلَّامَنِ اقْتَفٰی عَلٰی أَثَرِ الرَّسُوْلِ ﷺ

اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے بے شمار راستے ہیں۔ مگر مخلوق پر تمام راستے بند ہیں۔ ہاں صرف اُس شخص کے لیے کھلے ہوئے ہیں جو جناب محمد ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والا ہو۔

ایک دوسرے ارشاد میں حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ تصوف کا مذہب کتاب وسنت واصول سے مقید ہے۔ یہ بھی کہا کہ ہمارا علم کتاب وسنت سے بندھا ہوا ہے۔ جس شخص کو کتاب یاد نہیں اور حدیث نہیں لکھتا اور فقہ نہیں سیکھتا، اس کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

نیز آپؒ کا ارشاد ہے کہ ہماری کتاب، قرآن مجید، تمام کتابوں کی سردار اور سب سے جامع تر کتاب ہے۔ اور ہماری شریعت تمام شرائع سے صاف اور مطابق فطرت انسانی

ہے۔اور ہمارا اہلِ تصوف کا طریقہ کتاب وسنت سے مستحکم کیا ہوا ہے۔جس نے قرآن مجید کو پڑھا اور حدیث شریف کو یاد نہیں کیا اور دونوں کے معانی اور مطالب نہ سمجھا، مجھے اس کی اقتداء ہرگز جائز نہیں۔

اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ ہوا میں چار زانو بیٹھتا ہے، تب بھی اُس کی پیروی نہ کرو جب کہ اللہ کے اوامر اور نواہی کے متعلق اس کے عمل کو نہ دیکھ لو۔

قطب الارشاد حضرت اقدس گنگوہیؒ کا ارشاد

ارشاد الملوک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ طریقت وہ ہونا چاہئے جو دین وشریعت کو مریدوں کے قلوب میں راسخ و پیوست کر سکے۔اور شیخ بننا بغیر اس کے ممکن نہیں۔آگے چل کر فرماتے ہیں کہ شیخ میں جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں کہ قرآن وحدیث کا عالم ہو، اور عالم ہی ہونا نہیں بلکہ صفاتِ کمال سے متصف ہو، دنیا اور جاہ و مال کی محبت سے روگرداں ہو، ایسے مشائخ ربانیین سے طریقت حاصل کئے ہوئے ہو جن کا سلسلہ جناب رسول اللہ ﷺ تک مسلسل ہو۔

اپنے فتاویٰ میں ایک جگہ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ جو صوفی ہو اور خلاف شرع کام کرے وہ قابل بیعت نہیں اور نہ وہ صاحب طریقت ہے، بلکہ شیطان ہے۔

ع خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کا ارشاد

اتمام النعم میں فرماتے ہیں کہ کچھ ضروری نہیں کہ جس کی خصوصیت کرامات وخوارق کے ساتھ ثابت ہو، اس کی آفاتِ نفوس سے پوری خلاصی بھی ہو۔گاہے ظاہری کرامت اس کو بھی مل جاتی ہے جس کی ایمان اور اتباع شریعت پر استقامت کامل نہیں۔

اس کی شرح کرتے ہوئے مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ عوام کرامت اور خوارق یعنی عجیب باتوں کے بہت معتقد ہوتے ہیں۔ جس کے ہاتھ سے کوئی نئی بات ہوتی ہے اس کو ولی جانتے ہیں، بلکہ ولایت کا معیار بھی عوام کی نظروں میں اسی پر ہے۔ حالانکہ اصل کرامت شریعت پر استقامت اور نفس کی بُری خصلتوں سے صفائی ہے۔

اس غلطی کو شیخ زائل فرماتے ہیں کہ یہ کچھ ضروری نہیں کہ جس شخص کے اندر خوارق اور کرامات ظاہر ہوں، اس کے نفس و آفات یعنی امراض باطنیہ و خصائل رذیلہ سے پوری خلاصی ہوگئی ہو۔

اس لئے کہ بعض مرتبہ کرامت اس شخص کو بھی مل جاتی ہے جو ایمان اور اتباعِ شریعت میں پوری طرح پُختہ نہیں ہوتا اور اس کا نفس پاک نہیں ہوتا، بلکہ غیر مسلم کے ہاتھ سے بھی استدراج کے طور پر خوارق ظاہر ہوتے ہیں۔ تو یہ خوارق و کرامات قابل اعتماد شئے نہیں۔ اصل چیز استقامت دین میں اور نفس کا تزکیہ وتصفیہ ہے۔

حضرت مولانا وصی اللہؒ کا ارشاد ہے

فرماتے ہیں کہ ایک ولی کی صفت یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ طاعات پر مواظبت رکھے۔ لیکن آج لوگوں کا معیار یہ ہوگیا ہے کہ کوئی شخص اگر فرائض و واجبات کا بھی پابند نہ ہو، تب بھی وہ ولی ہوسکتا ہے۔ شرع کی مخالفت ان کے نزدیک ولایت میں نہیں۔ ننگ دھڑنگ پر بھی مقبولیت کا گمان کرتے ہیں۔

آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ صریح گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ شیخ سعدیؒ تو یہ فرماتے ہیں:

مپندار سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جُز پیر پے مصطفٰے[1]

[1] ترجمہ: ''اے سعدی! تو اس خیال میں نہ رہ کہ راہِ صفا (یعنی راہِ سلوک) پر آنحضور ﷺ کی کامل اتباع کو چھوڑ کر چلا جاسکتا ہے۔''

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد

اے فرزند! کل کو جو چیز قیامت میں کارآمد ہوگی وہ صاحبِ شریعت ﷺ کی متابعت اور پیروی ہے۔

دُرویشانہ حالات اور عالمانہ وجد، علوم و معارف، صوفیانہ رموز و اشارات اگر آنحضرت ﷺ کے اتباع اور پیروی کے ساتھ ہوں، تو بیشک بہت بہتر ہیں۔ اور اگر یہ باتیں پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سنت کے جوہر کے بغیر ہوں، تو خرابی اور استدراج کے سوا اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ شریعت کی مخالفت کے ساتھ چاہے وہ بال برابر ہی ہو اگر یہ احوال و کوائف حاصل ہو جائیں، تو وہ سب استدراج شمار ہوں گے۔ آخر کار اُسے رسوا کریں گے۔ محبوب رب العالمین ﷺ کی اتباع کے بغیر چھٹکارا ممکن نہیں۔

سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کا ارشاد

آپؒ اپنے فتاویٰ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عموماً حِسّی کرامتوں ہی کو کمال سمجھا جاتا ہے۔ مگر اہلِ کمال کے نزدیک کرامت معنوی کمال ہے۔ یعنی شریعت مصطفوی (علی صاحبہا الف تحیۃ والسلام) پر مضبوطی سے قائم رہنا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر ایک موقع پر سنت اور غیر سنت کے فرق کو سمجھ کر سنت رسول اللہ ﷺ کا مکمل اتباع کرے اور اس کا شوق اور اس کی لگن اور دل سے متوجہ الی اللہ اور اشتغال باللہ اس قدر ہو کہ ایک سانس بھی غفلت میں نہ گذرے۔

حضرت محبوب سبحانی مجدّد الف ثانیؒ کی خدمت میں ایک چشتی بزرگ حاضر ہوئے۔ اور عرض کرنے لگے کہ مجھ کو کئی سال سے نسبتِ حق میں قبض تھا۔ آپ کے حضرت خواجہ باقی

باللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی۔

تو حضرت خواجہ صاحبؒ کی توجہ اور دعا سے میری حالت قبض سے بدل گئی۔ آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالہ کر دیا ہے۔ تو حضرت مجدّد صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس تو اتباعِ سنت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور قوتِ نسبت اور قوتِ باطنی کے اثر سے سرہند شریف کی زمین بھی جنبش کرنے لگی۔

حضرت امامِ ربانیؒ نے ایک خادم سے فرمایا کہ طاق سے مسواک اٹھا لاؤ۔ آپؒ نے مسواک کو زمین پر پٹک دیا۔ اُسی وقت زمین ساکن ہوگئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی رہی۔

اس کے بعد آپؒ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمینِ سرہند جنبش میں آ گئی۔ اور اگر فقیر دعا کرے تو انشاء اللہ سرہند کے مردے زندہ ہو جائیں۔ لیکن میں تمہاری اس کرامت (جنبشِ زمین) اور میری کرامت (کہ دعا سے سرہند کے تمام مردے زندہ ہو جائیں) سے اثناءِ وضو میں بطریقِ سنت مسواک کرنا بدرجہا افضل سمجھتا ہوں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا ارشاد ہے

فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری نظروں میں ایسا کمال والا آدمی ہو جو چوکڑی مار کر اور آلتی پالتی لگا کر ہوا پر بیٹھتا ہو اور پانی پر چلتا ہو، مگر جب تک تم امتحان نہ کرلو کہ اسلامی احکام اور شرعی حدود کی پابندی میں کیسا ہے، ہرگز اس کو نظر میں نہ لاؤ۔

آپ سے ایک دفعہ کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک رات میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ شیطان تو ایک پل میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جاتا ہے حالانکہ وہ لعنۃ اللہ میں گرفتار ہے۔

ایک مرتبہ آپؒ نے اپنے کسی خادم سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ چلو تا کہ ہم فلاں آدمی کو دیکھیں جس نے دعویٰ ولایت کے ساتھ اپنے کو مشہور کر رکھا ہے۔ ان دنوں وہ ایک آدمی تھا جو زہد و پرہیز گاری میں لوگوں میں بہت مشہور تھا۔

خادم بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ اس کے پاس گئے تو جب وہ باہر آیا تو اس نے قبلہ کی طرف تھوکا، تو حضرت بایزید بسطامیؒ اس کے پاس سے واپس آ گئے اور اُسے سلام بھی نہیں کیا۔ اور فرمانے لگے کہ جب یہ شخص جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتوں اور آداب پر مامون نہیں ہے تو جن کرامات کا وہ مدعی ہے تو ان پر کیسے مامون ہو سکتا ہے۔

اور فرمایا کہ اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامت عطا کی گئی ہو یہاں تک کہ وہ ہوا میں اُڑتا ہو، تب بھی اُس سے دھوکہ نہ کھاؤ جب تک کہ تم اس کو نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر کے بجالانے اور نواہی سے رُکنے اور اللہ کی مقررہ حدود کی حفاظت میں کیسا ہے۔

او راہِ حق کے طلبگار عقلمند! دیکھ کہ یہ جتنے بڑے بڑے مشائخ اور طریقت اور سلوک و حقیقت کے بڑے بڑے ماہرین ہیں، سب کے سب شریعت مطہرہ کی بڑی عظمت کرتے ہیں۔ اور اپنے علوم باطنیہ کی بنا سیرت احمدیہ اور ملت حنفیہ پر رکھتے ہیں۔

لہٰذا کج رو جہاں کی ظلمات اور اس کے فاسد مفسد ضال مضل لوگوں کی ظاہری صورت تجھے دھوکہ میں نہ ڈال دے حالانکہ وہ سیدھی شریعت سے ٹیڑھے چل رہے ہیں اور صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں اور علماء شریعت کے دائرے سے خارج ہو چکے ہیں۔

(حضرت بایزیدؒ کا یہ کلام پُر انوار سن کر) سب حاضرین نے کہا کہ خرابی ہو اور پوری پوری خرابی ہو ان لوگوں کے لیے اور ان کے پیچھے چلنے والوں کے لئے اور جو اُن کے راستے کو اچھا سمجھے اُن کے لیے بھی۔ اس لیے کہ یہ لوگ طریقِ حق بجانے سے عبادت گذاروں کو روکنے والے ہیں۔ اور حق کو باطل سے ملاتے ہیں۔ اور جانتے ہوئے بھی حق کو چھپاتے ہیں۔ [۱]

---

[۱] بصائر العشائر: ص ۶۱۲

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد

اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ پیر ایسا چاہیئے جو احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا جزوی علم رکھتا ہو۔ اور جب ایسا ہوگا تو وہ کسی خلافِ شرع کام کے لیے نہ کہے گا۔

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنویؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ دینی اور دنیوی تمام قسم کی کامیابی صرف شریعت محمدی ﷺ کے اتباع میں منحصر ہے۔ اور جو شخص شریعت کے جادۂ مستقیم سے منحرف ہوگا، وہ نہ ولی ہوسکتا ہے اور نہ غوثِ وقت۔

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم تو اہلِ باطن ہیں اور عبادتِ ظاہری کی ہم کو ضرورت نہیں ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں ولی کامل ہونے کا اعتقاد رکھنا اور تمام شرائط کے معدوم ہونے کے باوجود اس کا مرید ہونا کسی طرح درست نہیں۔

خواجہ معصوم سرہندیؒ کا ارشاد

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ نجات کو اتباعِ سنت، اجتناب از بدعت میں یقین کرو۔ اہلِ بدعت اور ملاحدہ سے تعلق وصحبت نہ رکھنا اس لئے کہ یہ لوگ دین کے چور ہیں۔
جو فقیہہ شرعی وضع پر نہیں اور سنت نبوی ﷺ سے آراستہ نہیں، اس کو اپنی مجلس میں راہ نہ دینا۔

حاصل کلام

(اس ارشادِ ربّانی پر پورا پورا عمل ہو)

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ [1]

پیغمبر جو تم کو حکم دیں اسے (بجان و دل) قبول کرو۔ اور جس چیز سے منع کر دیں اس کو چھوڑ دو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اتباعِ سنت میں کوشش کرو۔ بدعت اور اہلِ بدعت سے دور رہو۔ صحبت علماء، فقراء، پابندیٔ شرع کی طرف راغب رہو۔ جس جگہ خلافِ شرع دیکھو، وہاں سے گریزاں اور یکسو ہو جاؤ۔

؎ با عاشقان نشین و ہمہ عاشقاں گزین　　با ہر کہ نیست عاشق ہر گز مشو قرین [2]

اور عاشقِ صادق وہ ہے جو متابعتِ پیغمبر ﷺ پر راسخ ہو۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ سے اسی حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے۔

ایک اور مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ اے بھائی! ناجنس اور مخالفِ طریقت کی صحبت سے بچتے رہنا۔ اور بدعتی کی مجلس سے گریزاں رہنا۔

یحییٰ معاذ رازی قدس سرّہٗ کا مقولہ ہے کہ ان تین اصناف سے اجتناب کرو:

(۱) علماءِ غافلین، (۲) قرّاءِ مداہنین، (۳) متصوفۂ جاہلین۔

جو شخص مسند مشیخت پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کا عمل موافق سنتِ رسول اللہ ﷺ نہیں ہے اور نہ وہ خود زیورِ شریعت سے آراستہ ہے، خبردار! خبردار! اس سے دور رہنا۔ بلکہ (احتیاطاً) اس

---

[1] سورۃ الحشر: ۷

[2] ترجمہ: ’عاشقوں کے ساتھ بیٹھنا رکھ اور انہیں کے ساتھ رہا کر۔ اور ہر اس شخص کا جو عشق کے نشہ سے نابلد ہے، ہرگز دوست نہ بن۔‘

شہر میں بھی نہ رہنا جس میں ایسا مکار رہتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ عرصہ بعد اس کی طرف دل کا کچھ میلان ہو جائے اور کارخانۂ روحانیت خلل پذیر ہو۔ ایسا شخص ہرگز اقتداء کے لائق نہیں ہوتا۔ وہ تو درحقیقت ایک چور ہے پنہاں۔ ہر چند کہ اس سے طرح طرح کے خوارق و عادات دیکھو اور اس کو دنیا سے بظاہر بے تعلق بھی پاؤ، (کبھی اس کی طرف ملتفت نہ ہونا)۔ اس کی صحبت سے اس طرح بھاگنا جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں: ''کامیابی کے تمام راستے بند ہیں سوائے اس شخص کے راستے کے جو آنحضرت ﷺ کے نشان قدم کی پیروی کرے۔''

سید الطائفہؒ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ مقربین صادقین کا راستہ درحقیقت کتاب وسنت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور وہ علماء جو شریعت وطریقت پر عامل ہیں، وہ وارث النبی ﷺ کہلانے کے مستحق ہیں۔ وہ اقوال، احوال اور افعال میں آنحضرت ﷺ کے متبع ہوتے ہیں۔

مکرر لکھتا ہوں کہ آداب نبوی ﷺ کا خیال نہ رکھنے والے اور سنن مصطفوی ﷺ کے چھوڑنے والے کو ہرگز ہرگز عارف خیال نہ کرنا۔ اس کے (ظاہری) تبتّل، انقطاع، خوارق عادات، زہد وتوکل، اور (زبانی) معارفِ توحیدی پر فریفتہ وشیفتہ نہ ہو جانا۔

مدارِ کار اتباعِ شریعت پر ہے۔ اور معاملۂ نجات پیرویٔ نقشِ قدمِ رسول اللہ ﷺ سے مربوط ہے۔ محق ومبطل میں فرق پیدا کرنے والی چیز اتباعِ پیغمبر ﷺ ہی ہے۔ زہد وتوکل اور تبتّل بغیر اتباعِ رسول ﷺ کے نامعتبر ہیں۔ اذکار وافکار اور اشواق واذواق بے توسّلِ سرکارِ دو عالم ﷺ غیر مفید ہیں۔ خوارق وعادات کا دارومدار بھوک اور ریاضت سے ہے۔ اس کو معرفت سے کیا تعلق؟

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ نے فرمایا ہے کہ جس نے آداب سے سستی برتی وہ سنن سے محروم ہو گیا۔ جس نے سنن سے غفلت اختیار کی وہ فرائض سے محروم ہوا۔ اور جس نے فرائض سے تہاون کیا وہ معرفت سے محروم ہو گیا۔

شیخ ابوالخیرؒ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''ہاں! گھاس کا تنکا بھی پانی پر چلتا ہے۔'' (یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔) پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے۔ فرمایا: ''(ٹھیک ہے،) چیل اور مکھی بھی ہوا میں اڑتے ہیں۔'' پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک لحظہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا ہے۔ فرمایا: ''(اس میں کیا رکھا ہے؟) شیطان تو ایک دم میں مشرق سے مغرب میں چلا جاتا ہے۔'' ان باتوں کی کوئی قیمت نہیں۔ مردِ حق دراصل وہ ہے جو مخلوق کے درمیان نشست و برخاست رکھے، بیوی بچے رکھتا ہو، اور پھر ایک لحظہ خدائے عزوجل سے غافل نہ ہو۔

شیخ علی ابن ابی بکر قدس سرّہٗ نے معارج الہدایۃ میں فرمایا ہے کہ ہر انسان کا حسن و کمال تمام امور میں ظاہراً و باطناً، اصولاً و فرعاً، عقلاً و فعلاً، عادۃً و عبادۃً کامل اتباعِ رسول ﷺ میں مضمر ہے۔

گیارہواں باب

سنت کے استہزاء و تمسخر کا دنیا و آخرت میں انجام

جب سے امت نے سید الکونین فخرِ دو عالم ﷺ کا دامن چھوڑا اور آپ ﷺ کے طریقوں کو چھوڑا اور خدا اور رسول ﷺ کے دشمنوں کا راستہ اختیار کیا اور ان کے طریقوں کو پسند کیا اور اپنایا، تب سے اس امت اور اسلام کے دعویداروں میں دشمنانِ خدا کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ کے بہت سے اوصاف پیدا ہو گئے جن کا اسلام کے ساتھ تصور بھی ممکن نہیں۔

منجملہ ان کے ایک **تمسخر بالسنّۃ** اور **استھزاء بالدین** کا مرض بھی ہے، جو دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی کسی دینی بات یا سنتِ نبوی ﷺ کو تکبر کی وجہ سے ہلکا اور گھٹیا سمجھ کر اس سے استہزاء کیا جاتا ہے اور اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ کفر کی صورت ہے۔ اس مذموم حرکت کی وجہ سے آدمی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جیسا کہ صاحب **الفتاویٰ الحدیثیۃ** سے جب پوچھا گیا کہ کیا کسی شخص کے لیے

أَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَّنَالُ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے جن کو آپ ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔)

کے الفاظ سے دعا کرنے میں انکار کی گنجائش ہے؟

تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس سے صرف وہی انکار کرسکتا ہے جو خدا اور رسول ﷺ کا منکر اور جس کے دل پر تکبر کی بیماری غالب ہو، حتّٰی کہ اس تکبر نے اس کو دین اسلام سے نکال کر کفرِ حقیقی تک پہنچا دیا ہے۔

حالانکہ ہمارے ائمہ کرامؒ نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ اپنے ناخن کاٹ لے (کہ یہ سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے) اور وہ شخص سنت سے روگردانی کے خیال سے یوں کہے کہ میں نہیں کاٹوں گا تو وہ کافر ہے۔

پس جب کہ ائمہ کرام کا یہ فیصلہ ہے، تو اس شخص کا کہاں ٹھکانا رہے گا جو اہلِ شفاعت میں ہونے سے انکار کرے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی شفاعت گنہگاروں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ شفاعت تو سات سے زیادہ اقسام کی ہوگی۔ یہاں تک کہ ستر ہزار آدمی جن کے لئے دخولِ جنت بلاحساب طے ہو چکا ہوگا وہ بھی آپ ﷺ کی سفارش اور مدد سے بے نیاز نہیں ہوں گے۔

منافقین کی ایک اہم خصوصیت

دراصل دین یا دینداروں کا مذاق اور تمسخر کرنا کفار و مشرکین اور منافقین کی خصوصیات میں سے ہے۔ ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ منافقین کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ [۱]

اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بیشک تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو

۱؎ سورۃ البقرۃ: ۱۴

صرف استہزاء کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ استہزاء کر رہے ہیں ان کے ساتھ اور ڈھیل دیئے چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران اور سرگرداں ہو رہے ہیں۔

اسی طرح جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے تھے، تو کفار اُن پر سے گذرتے ہوئے اُن کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ جس کو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَصْنَعُ الفُلْکَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ○ [۱]

اور وہ کشتی بنا رہے تھے۔ تو جب ان کی قوم کے سرداروں کا ان پر گزر ہوتا تو ان سے ہنسی کرتے۔ آپ فرماتے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو۔

پھر ان ہنسنے والوں کا کیا انجام ہوا، وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ساری قوم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب الٰہی میں ڈوبا دی گئی۔

اسی طرح جب کفارِ مکہ حضور پاک ﷺ کا اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کا اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال کا استہزاء کرنے لگے تو خدا وحدہٗ لاشریک نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِئُوْنَ ○ [۲]

اور واقعی جو آپ سے پہلے پیغمبر ہوئے ہیں، ان کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا ہے۔ پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آ گھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

---

[۱] سورۃ ہود: ۳۸

[۲] سورۃ الأنعام: ۱۰

اہلِ ایمان کا استہزاء مشرکین مکہ کا مشغلہ تھا

چنانچہ یہی ہوا کہ کفارِ مکہ میں جن سرکشوں پر یہ استہزاء اور تمسخر کا مذاق غالب تھا اور جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مذاق ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، ان کے رات اور دن مشغلہ یہی تھا، انہوں نے اس کو دل بہلانے کا ایک اہم ذریعہ بنالیا تھا، تو ایسے مشرکین دینِ اسلام کی نعمت سے محروم رہے۔

سیدالکونین فخرِ دوعالم ﷺ کے عمِ محترم حضرت حمزہؓ کے قاتل حضرت حبشیؓ کو تو ہدایت ملتی ہے، آپ ﷺ کے چچا کا کلیجہ نکال کر چبانے والی اور اُن کی انتڑیوں کو گلے کا ہار بنانے والی حضرت ہندہؓ کو تو خدائے تعالیٰ دینِ اسلام کی دولت عطا فرماتا ہے، مگر ان مستہزئین کو خدا نے ہدایت نہیں دی۔

بلکہ بدر واُحد وغیرہ کے مختلف میدانوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں انہیں جہنم رسید کردیا۔

قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ ارشادِ ربی ہے:

وَاِذَا رَاٰکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ وَهُمْ بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ کٰفِرُوْنَ ○ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَکُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ○ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً

اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں۔ اور آپس میں کہنے لگتے ہیں کہ کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا (برائی) سے ذکر کیا کرتے ہیں؟ اور خود یہ لوگ حضرتِ رحمٰن کے ذکر پر انکار کیا کرتے ہیں۔ انسان جلدی ہی (کے خمیر) کا بنا ہوا ہے۔ عنقریب ہم (اس کے وقت آنے پر) تم کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آویگا

فَتَبۡهَتُهُمۡ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ رَدَّهَا وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ○ وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ○ [1]

اگر تم وقوعِ عذاب کی خبریں) سچے ہو؟ کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب کہ یہ لوگ آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گا۔ بلکہ وہ آگ تو ان کو ایک دم سے آلے گی، سو ان کو بدحواس کر دے گی۔ پھر نہ اس کو ہٹانے کی ان کو قدرت ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور آپ سے پہلے جو پیغمبر گذرے ہیں ان کے ساتھ بھی (کفار کی طرف سے) تمسخر کیا گیا تھا۔ سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کے ساتھ وہ استہزاء کرتے تھے۔

علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ عادتِ خداوندی یہ ہے کہ وہ ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے، پھر پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔

اس لئے فرمایا کہ میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھلانے والا ہوں کہ عاصیوں پر کس طرح سختی ہوتی ہے۔ میرے نبی ﷺ کا مذاق اڑانے والوں کی کس طرح کھال اُدھڑتی ہے۔ تم ابھی ابھی دیکھ لو گے، جلدی نہ مچاؤ۔ ہمارے یہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ مہلت ہے، بھول نہیں۔

عذابِ خداوندی کو اور قیامت کے آنے کو چونکہ یہ لوگ محال سمجھتے تھے، اس لئے جرأت سے کہتے تھے کہ بتلاؤ تو سہی تمہارے یہ ڈراوے کب پورے ہوں گے۔

اُنہیں جواب دیا جاتا ہے کہ اگر تم لوگ سمجھدار ہوتے اور اس دن کی ہولناکیوں سے

---

[1] سورۃ الأنبیاء: ۳۶ تا ۴۱

آ گاہ ہوتے تو جلدی نہ مچاتے۔اس وقت عذابِ خدا اوپر، نیچے سے اوڑھنا بچھونا بنا ہوا ہوگا۔طاقت نہ ہوگی کہ آگے پیچھے سے خدائی عذاب کو ہٹا سکو۔گندھک کا لباس ہوگا جس میں آگ لگی ہوگی اور کھڑے جل رہے ہوں گے۔ ہر طرف سے جہنم گھیرے ہوئے ہوگی۔ کوئی نہ ہوگا جو مدد کو اٹھے۔جہنم اچانک دبوچ لے گی۔اس وقت ہکے بکّے رہ جاؤ گے۔ مبہوت اور بے ہوش ہوجاؤ گے۔حیران و پریشان ہوجاؤ گے۔کوئی حیلہ نہ ملے گا کہ اسے دفع کرواور اس سے بچ جاؤ۔اور نہ ایک ساعت کی ڈھیل اور مہلت ملے گی۔

سامانِ تباہی

ان آیات میں حضور پاک ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کے مذاق کرنے کی وجہ سے آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ خود اپنی ہلاکت کا سامان تیار کر رہے ہیں۔اپنے جلنے اور جھلسنے کے لیے خود آگ بھڑکا رہے ہیں۔آپ ﷺ کا مذاق کر کے ان کو مزید بھڑکا رہے ہیں۔ وہ وقت آئے گا کہ یہ آگ بڑھتے بڑھتے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔تب ان کو اپنے کیئے کا حال معلوم ہوگا کہ ہم نے کیا کیا تھا۔ ایک اور جگہ ارشادِ ربی ہے:

يٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ مَا يَأۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ٥ [1]

افسوس ایسے بندوں کے حال پر کہ ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔

یعنی بندوں پر حسرت وافسوس ہے کہ بندے کل اپنے اوپر کیسے نادم ہوں گے۔وہ بار بار کہیں گے کہ ہائے افسوس! ہم نے خود اپنا برا کیا۔قیامت کے عذاب کو دیکھ کر ہاتھ ملیں گے کہ انہوں نے کیوں رسولوں کو جھٹلایا اور دل کھول کر ان کی بے ادبی اور توہین کی۔

اگر وہ غور کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان سے پہلے جن لوگوں نے پیغمبروں کی نہ مانی تھی وہ تباہ و

---

[1] سورۃ یٰس: ۳۰

برباد کردیئے گئے۔ ایک بھی تو ان میں سے نہ بچ سکا۔ مسلمانوں کا استہزاء اور مذاق اڑانے والوں کو اپنا انجام جہنم میں پہنچ کر معلوم ہوگا۔ چنانچہ وہ جہنم میں پہنچ کر کہیں گے:

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَانَرٰی رِجَالاً کُنَّا نَعُدُّھُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ○ اَتَّخَذْنٰھُمْ سِخْرِیًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْھُمُ الْاَبْصَارُ ○ [1]

اور وہ لوگ کہیں گے کیا بات ہے، ہم ان لوگوں کو دوزخ میں نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے۔ کیا ہم لوگوں نے ان کی ہنسی کر رکھی تھی یا ان کو دیکھنے سے نگاہیں چکرا رہی ہیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ابوجہل کہے گا کہ بلالؓ، عمارؓ اور صہیبؓ وغیرہ کہاں ہیں؟ وہ تو نظر ہی نہیں آتے۔ غرض ہر کافر یہی کہے گا کہ وہ لوگ جن کو ہم دنیا میں شریر گنتے تھے وہ آج یہاں نظر نہیں آتے۔ کیا ہماری ہی غلطی تھی کہ ہم انہیں دنیا میں خاطر میں نہیں لاتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ لیکن شاید ہمارا یہ معاملہ ان کے ساتھ درست تھا۔ وہ ہوں گے تو جہنم میں ہی لیکن کسی ایسی طرف میں شاید ہوں کہ ہماری نگاہ اُن پر نہیں پڑتی۔

اسی دوران میں اہل بہشت، جنت والوں کی جانب سے آواز آئے گی کہ اہل دوزخ! ادھر دیکھو۔ ہم نے تو اپنے رب کے وعدے کو پالیا۔ تم اپنی کہو۔ کیا خدا کے وعدے سچے نکلے؟ یہ جواب دیں گے: 'ہاں بالکل سچے نکلے'۔

اسی وقت ایک منادی پکارے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَفَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَاسْتَکْبَرْتُمْ وَکُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ○ وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ لَارَیْبَ فِیْھَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ

اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ سو تم نے (قبول کرنے سے) تکبر کیا تھا۔ اور تم (اس وجہ سے) بڑے

---

[1] سورۃ ص: ۶۲ و ۶۳

مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ o وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِئُوْنَ o وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَأْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ o ذٰلِكُمْ بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ o فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o [۱]

مجرم تھے۔ اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں۔ اور اس وقت ان کو اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے۔ اور جس عذاب کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا۔ اور آج تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔ یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ تم نے خدا تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج یہ لوگ نہ تو دوزخ سے نکالے جائے گا اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا۔ سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا، پروردگار ہے تمام عالم کا۔ اور اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

---

[۱] سورۃ الجاثیۃ: ۳۱ تا ۳۷

قرآن پاک میں تمسخر اور مذاق سے لوگوں کو روکتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَـا أَیُّهَـا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَـوْمٍ عَسٰی أَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَـآءٌ مِّـنْ نِّسَـآءٍ عَسٰی أَنْ یَّکُنَّ خَیْراً مِّنْهُنَّ وَلَاتَلْمِزُوْا أَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِـالْأَلْـقَابِ بِئْسَ الاِثْـمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْـمَـانِ وَمَـنْ لَّمْ یَتُبْ فَأُولٰئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ [1]

اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کہ کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں۔ اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے۔ کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے۔ اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آئیں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

اصل میں کسی دوسرے کا تمسخر اور مذاق آدمی تکبر کی وجہ سے اور اپنے کو اس سے بہتر اور اچھا سمجھنے کی وجہ سے کیا کرتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ تمہیں کیا پتہ کہ خدا کے نزدیک کون بہتر ہے؟ ممکن ہے کہ جس کو تم ذلیل اور حقیر سمجھ کر ہنس رہے ہو وہ خدا کے نزدیک تم سے بہتر ہو۔ جب اس آیتِ شریفہ میں مطلق تمسخر اور استہزاء کا ارتکاب کرنے والوں پر قرآن پاک نے ظالم ہونے کا حکم لگایا ہے، تو پھر دین کا اور دینداری کا اور سنت کا تمسخر اور مذاق اڑانے پر اگر کفر کا فتویٰ علماءِ کرام لگا دیں تو بالکل حق ہے۔ بلکہ قرآن پاک میں بھی ان کو کافر کہا گیا ہے۔ چنانچہ مستہزئین کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَذَرِ الَّـذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِباً وَّ لَهْواً وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الـدُّنْیَا وَذَکِّرْ بِهٖ أَنْ تُبْسَـلَ نَـفْـسٌ بِـمَـا کَسَبَتْ لَیْسَ لَهَا

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں

---

[1] سورۃ الحجرات: ۱۱

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیۡعٌ وَّاِنۡ تَعۡدِلۡ کُلَّ عَدۡلٍ لَّا یُؤۡخَذۡ مِنۡہَا اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا کَسَبُوۡا لَہُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ؁ [۱]

ڈال رکھا ہے۔ اوراس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تا کہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب ایسی طرح پھنس نہ جاوے کہ اللہ کے سوا کوئی اس کا مددگار نہ ہو اور نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جاوے۔ یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے ہیں۔ ان کے لیے تیز پانی پینے کے لیے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب۔

چنانچہ اس آیتِ شریفہ میں اُن کی اس حرکت یعنی دین کو کھلونا اور مذاق بنانے کو کفر قرار دیا ہے۔

ان سے قطع تعلق کا حکم ہے

ایسے لوگوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور تعلقات رکھنے کے لئے ہمارے بعض دوست کبھی کبھی پوچھتے رہتے ہیں کہ فلاں صاحب تو اسلام اور اسلامی احکام اور اسلامی طریقوں پر اور سنتوں پر مختلف قسم کے اشکالات واعتراضات کرتے رہتے ہیں اور دین کی باتوں کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ اس سے ہمارے بچوں کا بھی ذہن خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ہمیں اُن کے ساتھ تعلقات رکھنے چاہئیں یا ختم کر دینے چاہئیں؟

اس آیتِ شریفہ میں اس کا بھی جواب موجود ہے کہ ایسے آدمی سے کنارہ کشی کر لینی چاہیئے تا کہ اس کی صحبت سے اور اس کی باتیں سن کر ذہن خراب نہ ہو۔ اور اپنا فریضہ ادا

[۱] سورۃ الأنعام: ۷۰

کرنے کے لیے کبھی کبھی اُن کو قرآن پاک سے بھی نصیحتیں کرتے رہیں تاکہ وہ عذابِ الٰہی سے بچ جاویں۔

معمرؒ کہتے ہیں کہ طاؤسؒ بیٹھے تھے۔ ان کے پاس اُن کا بیٹا بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک شخص فرقۂ معتزلہ میں سے آیا اور ایک شرعی بات میں بداعتقادی کی گفتگو کرنے لگا۔ طاؤسؒ نے اپنے دونوں کانوں میں اپنی انگلیاں ڈال لیں اور بیٹے سے کہا: ''اے فرزند! تو بھی اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں دے تاکہ تو اس گفتگو کو نہ سن سکے۔ اس لئے کہ یہ دل ضعیف ہے۔''

پھر کہا کہ اے فرزند! تو خوب زور سے کان بند کر لے۔ پھر برابر یہی کہتے رہے کہ اے فرزند! خوب زور سے کان بند کئے رہنا یہاں تک کہ وہ معتزلی گمراہ اُٹھ کر چلا گیا۔

مؤمل بن اسماعیل کہتے ہیں کہ عبدالعزیز بن امین رشاد کا انتقال ہو گیا۔ میں اُن کے جنازے میں شریک تھا۔ اُن کا جنازہ **باب الصفا** پر لاکر رکھا گیا۔ وہاں لوگوں نے نماز کے لیے صفیں بنا لیں۔

اتنے میں سفیان ثوریؒ نمودار ہوئے۔ لوگوں نے کہا وہ سفیان ثوریؒ آئے ہیں۔ میں نے بھی سفیان ثوریؒ کو آتے دیکھا۔ لیکن وہ آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے جنازے سے آگے بڑھتے چلے گئے اور اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی کیونکہ یہ شخص مرجئہ تھا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ قرآن میں جہنم کے عذاب کی جتنی آیتیں ہیں وہ (نعوذ باللہ) فقط دھمکانے کے لئے ہیں اور جس نے بھی خالی زبان سے صرف **لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ** کا اقرار کر لیا، تو وہ جنتی ہے چاہے دل میں اس کا اعتقاد بھی نہ ہو اور نماز وغیرہ بھی نہ پڑھے۔ اس کے کچھ گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔

عیسیٰ ضبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہمارے ساتھ حضرت ابراہیمؒ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ پھر ابراہیمؒ کو خبر ملی کہ وہ شخص مرجئہ کے گروہ میں شامل ہو گیا ہے تو ابراہیمؒ نے اس سے

فرمایا کہ اب جب تو ہمارے پاس سے جاتا ہے تو پھر ہمارے یہاں نہ آنا۔

امام بن سیرینؒ کے پاس ایک شخص آیا اور تقدیر کے ابواب میں سے ایک باب پر گفتگو کرنے لگا۔ تو امام ابن سیرینؒ نے اس سے فرمایا کہ تو اُٹھ جا یا میں ہی اُٹھ جاؤں۔

ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ یہ حدیث بیان فرما رہے تھے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الدُّبَّآءَ [۱]

کہ حضور ﷺ کدو کو پسند فرماتے تھے۔

اتنے میں ایک شخص کی زبان سے نکل گیا کہ مجھے تو پسند نہیں۔ تو امام ابو یوسفؒ نے فوراً تلوار میان سے نکال لی۔ اور اس سے فرمایا کہ میں حدیث بیان کرتا ہوں، تو اس کے مقابل میں یہ کہتا ہے مجھے پسند نہیں۔ ابھی توبہ کر! ورنہ تیری گردن اڑا دوں گا۔ چنانچہ فوراً اس نے توبہ کی۔ تب امامؒ نے اس کی جان بخشی۔ حالانکہ اس شخص نے ویسے ہی کہہ دیا تھا، استہزاء یا انکار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر چونکہ سنتِ رسول ﷺ سے ظاہری طور پر معارضہ پیدا ہو رہا تھا، اس لئے قاضی ابو یوسفؒ نے اس کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا۔

جو لوگ نبی کریم ﷺ کے مبارک طریقوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ان لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھنے اور نشست و برخاست کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَا تَجِدُ قَوْماً يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآئَهُمْ أَوْ أَبْنَآئَهُمْ أَوْ اِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيْرَتَهُمْ [۲]

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کے برخلاف ہیں، گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کے کیوں نہ ہوں۔

---

[۱] سنن النسائی: ۶۶۶۴ / مسند أحمد: ۱۲۸۳۴

[۲] سورۃ المجادلۃ: ۲۲

پھر آگے چل کر ایسے مؤمنین کے لئے جو مخالفینِ خدا اور رسول ﷺ سے دوستی نہ رکھتے ہوں، ان کے ایمان کی بڑی تعریف فرمائی گئی ہے اور ان کے لئے بڑے بڑے انعامات اور اپنی رضا و محبت کا اور فلاح کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے جنہیں خدا کے دین سے اور رسول ﷺ کے لائے ہوئے طریقوں اور مبارک سنتوں سے نفرت ہے اُن سے ہمیں بھی نفرت ہی رکھنی چاہئے۔ اگر چہ پھر وہ ہمارے باپ، بیٹے، بھائی یا کنبہ قبیلے کے کیوں نہ ہوں۔

نفرت کے ساتھ خدا اور رسول ﷺ کے سامنے اپنی طرف سے برأت پیش کر دینی چاہئے کہ یا الٰہی! ان کی اس حرکت سے ہم بیزار ہیں۔ لہٰذا جس انجام اور نتیجہ کو یہ پہنچنے والے ہیں، ان سے ہمیں بری فرما۔ اس لئے کہ مخالفینِ خدا اور رسول ﷺ کے لئے جیسے کہ پہلے بھی گذرا بڑی سخت سخت سزائیں اور دنیا و آخرت کی ذلت مقرر ہو چکی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَأَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ○ [۱]

کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ کی اور رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا تو یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اور یہ بڑی رسوائی ہے۔

اس لئے کہ ان میں ایمان نہیں۔ کیونکہ اگر ان میں ایمان ہوتا تو رسول ﷺ سے محبت ضرور ہوتی۔ اور جب آپ ﷺ سے محبت ہوتی تو آپ ﷺ کی سنتوں کے ساتھ مذاق نہیں بلکہ محبت ہوتی۔ جیسا کہ حضور پاک ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ وَمَنْ أَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ [۲]

---

[۱] سورۃ التوبۃ: ۶۳

[۲] اس حدیث پاک کی تخریج پہلے گذر چکی ہے۔ ترجمہ اسکا یہ ہے: ''اور جس کسی نے بھی میری سنتوں کو محبوب رکھا تو اس نے مجھے محبوب رکھا۔ اور جو مجھے محبوب رکھے وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔''

اگر ایمان کو ناپنا ہو، جانچنا ہو، تو دیکھ لو کہ رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت ہے۔ اور پھر اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ حضور ﷺ سے محبت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنی ہے تو اس کے لیے دیکھ لو کہ سنت سے محبت کتنی ہے۔ اس کو سنت کا کتنا پاس و خیال ہوتا ہے۔ سنتِ نبوی ﷺ پر کہاں تک عامل ہے۔ اور جب سنت سے محبت ہوگی اور عمل کرے گا تو اس کو جنت ملے گی۔ لیکن جنت میں بھی یہ حضور پاک ﷺ کے قریب ہوگا۔

اس کے بالمقابل جب سنت سے محبت نہ ہو تو اس کو رسول اللہ ﷺ سے محبت نہیں۔ اور جب آپ ﷺ سے محبت نہیں تو اس کا ایمان کامل نہیں۔

یہ جرم جہنم میں بھی جتایا جائے گا

یہ جرم اتنا عظیم ہے کہ جہنم میں اس کو یہ یاد دلا کر سزا دی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جہنمی لوگ پہلے تو داروغۂ جہنم کو پکاریں گے۔ اس کو پکارتے رہیں گے، پکارتے رہیں گے، لیکن کوئی جواب نہ پائیں گے۔ آخر چالیس برس کے بعد جواب ملے گا۔ داروغۂ جہنم کہے گا:

اِنَّكُمْ مَّاكِثُوْنَ ○　　تم یہیں پڑے رہو۔

پھر وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے اور کہیں گے:

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْماً ضَآلِّيْنَ ○ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ○ [۱]

اے ہمارے پروردگار! واقعی ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور بے شک ہم گمراہ تھے۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس جہنم سے اب نکال دیجئے۔ پھر اگر دوبارہ ایسا کریں تو ہم بیشک قصوروار ہیں۔

---

[۱] سورۃ المؤمنون: ۱۰۶ و ۱۰۷

اس کا جواب انہیں یہ دنیا جب سے قائم ہوئی اور جب ختم کردی جائے گی، اس کا جو درمیانی عرصہ اور مدت ہے، اس کے برابر عرصۂ دراز تک نہیں دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب جواب دیا جائے گا، تو یہ دیا جائے گا کہ:

اِخۡسَئُوۡا فِیۡهَا وَلَا تُکَلِّمُوۡنِ ۝ [1] اسی جہنم میں راندے ہوئے پڑے رہو۔ اور مجھ سے بات مت کرو۔

اب یہ لوگ بالکل مایوس ہوجائیں گے اور گدھوں کی طرح چلاتے، شور مچاتے، جھلستے رہیں گے۔ اسی وقت ان کے چہرے بدل جائیں گے، صورتیں مسخ ہوجائیں گی، یہاں تک کہ بعض مؤمن شفاعت کی اجازت لے کر آئیں گے، لیکن یہاں کسی کو نہیں پہچانیں گے۔ جہنمی انہیں دیکھ کر کہیں گے کہ میں فلاں ہوں۔ لیکن یہ جواب دیں گے کہ غلط ہے۔ ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔

اب دوزخی لوگ خدا کو پکاریں گے اور وہ جواب پائیں گے جو اوپر مذکور ہوا۔ پھر دوزخ کے دروازے بند کردیئے جائیں گے۔ اور یہ وہیں سڑتے رہیں گے۔

انہیں شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لیے ان کا ایک زبردست گناہ، ایک جرمِ عظیم ان کو جتایا جائے گا کہ وہ خدا کے پیارے بندوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور ان کی دعاؤں پر دل لگی کرتے تھے۔

جس کو قرآن پاک میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡ عِبَادِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ ۝ فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِیًّا حَتّٰۤی اَنۡسَوۡکُمۡ ذِکۡرِیۡ وَکُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَکُوۡنَ ۝ اِنِّیۡ جَزَیۡتُهُمُ الۡیَوۡمَ

میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو کہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے، سو ہم کو بخش دیجئے۔ اور ہم پر رحمت فرمایئے۔ اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔ تو

[1] سورۃ المؤمنون: ۱۰۸

بِمَا صَبَرُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ o [1]

تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا۔ اور یہاں تک (اس کا مشغلہ) کیا کہ مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلادی۔ اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ میں نے آج ان کو ان کے صبر کا یہ بدلہ دیا ہے کہ وہی کامیاب ہوئے۔

اس آیتِ شریفہ سے بھی معلوم ہوا کہ استہزاء اور تمسخر کفار اور جہنمیوں کی خاص علامت اور خاص جرم ہے، جو انسان کو دوزخ کا حقدار بنا کر چھوڑتا ہے۔

اس آیت کے علاوہ اور بھی متعدد جگہ قرآن کریم میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ المطفّفین میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ o وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ o وَاِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ o وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْا اِنَّ هٰؤُلَاءِ لَضَآلُّوْنَ o وَمَا اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ o فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ o عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ o هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ o [2]

جو لوگ مجرم تھے (یعنی کافر) ایمان والوں سے (دنیا میں تحقراً) ہنسا کرتے تھے۔ اور ایمان والے ان (کافروں) کے سامنے سے ہو کر گذرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے۔ اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو (وہاں بھی ان کا تذکرہ کر کے) دل لگیاں کرتے اور جب ان کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی میں ہیں (کیونکہ کفار اسلام کو غلط سمجھتے تھے) حالانکہ یہ (کافر) ان (مسلمانوں) پر نگرانی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ سو آج (قیامت کے دن ایمان والے کافروں پر

---

[1] سورۃ المؤمنون: ۱۰۹ تا ۱۱۱

[2] سورۃ المطففین: ۲۹ تا ۳۶

ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر (بیٹھے) (ان کا
حال) دیکھ رہے ہوں گے۔ واقعی کافروں کو
ان کے کئے کا خوب بدلہ ملے گا۔

اس پر علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں ان کافروں کی خوب بن آئی تھی۔ ایمانداروں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ چلتے پھرتے آوازیں کستے تھے اور حقارت و تذلیل کرتے رہے، اور اپنوں میں جا کر خوب باتیں بناتے تھے۔ جو چاہتے تھے پاتے تھے لیکن شکر تو کہاں، اور کفر پر آمادہ ہو کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کے درپئے ہو جاتے تھے۔ اور چونکہ مسلمان ان کی مانتے نہ تھے تو یہ اُنہیں گمراہ کہا کرتے تھے۔

خدا فرماتا ہے کہ یہ لوگ محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے۔ انہیں مؤمنوں کی کیا پڑی؟ کیوں ہر وقت اُن کے پیچھے پڑے ہیں اور ان کے اعمال کی دیکھ بھال رکھتے ہیں اور طعنہ آمیز باتیں بناتے رہتے ہیں؟

آج قیامت کے دن ایماندار اُن بدکاروں پر ہنس رہے ہیں اور تختوں پر بیٹھے اپنے خدا کو دیکھ رہے ہیں، جو صاف ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ گمراہ نہ تھے۔ گو تم انہیں گم کردۂ راہ کہا کرتے تھے جیسا کہ کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں کیا تھا۔ اس کا پورا بدلہ کیا اُنہیں آخرت میں مل گیا یا نہیں؟ ان کے مذاق کے بدلے آج اُن پر ہنسی اُڑی۔ یہ انہیں گھٹاتے تھے۔ خدا نے انہیں بڑھایا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ استہزاء اور تمسخر منکرینِ خدا اور انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرام اور اولیاء اللہ کے اعداء اور دشمنوں کی خاص علامت ہے۔ لہٰذا جس میں بھی یہ خصلت ہوگی، ان کا حشر بھی ان دشمنانِ خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ ہو، کچھ بعید نہیں۔

جیسا کہ نماز چھوڑنے والے کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کا حشر فرعون، ہامان وغیرہ کے ساتھ ہوگا کیونکہ نماز چھوڑنے کے سبب میں اشتراک ہے۔ خدا کی نافرمانی میں جو اسباب

ان میں تھے، وہ ان میں بھی ہیں۔ ایسے ہی وہ بھی خدا کے پیغمبروں کا مذاق کیا کرتے تھے اور یہ بھی خدا کے برگزیدہ بندوں کا مذاق کرتا ہے۔

اسی طرح دین کا استہزاء اور دین کی باتوں کا مذاق، یہ یہود و نصاریٰ کی خاص عادت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُواً وَلَعِباً مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ o [1]

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے، جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو۔ اور جب تم نماز کے لیے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے۔

تو اس آیت میں خدا تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی سے روکا کیونکہ انہوں نے دین کو کھلونا اور مذاق بنالیا ہے۔

لہٰذا جیسا کہ اس سے پہلے بھی یہ مضمون آچکا ہے کہ جو بدبخت، محروم، بدنصیب ایسے ہوں کہ اپنی زبانوں سے اسلام کے دعووں کے ساتھ اسلام کے طریقوں کو اور سنتوں کو گھٹیا سمجھتے ہوں اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہوں اور اس پر عمل کرنے والوں پر اپنے نزدیک طنز کے اور حقیقتاً کفریہ کلمات بکتے ہوں، ان کے ساتھ دوستی اور تعلق اور میل جول بالکل نہ رکھنا چاہیئے بلکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ان سے بچانا چاہیئے۔

کیونکہ ایسے بدطینت لوگوں کے پاس بیٹھنے سے ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ اور اپنے

---

[1] سورۃ المائدۃ: ۵۷و۵۸

اور دوسرے مسلمان بھائی کے ایمان کو اور عقیدہ کو بچانا فرض ہے۔لہٰذا خود بھی اور دوسروں کو بھی ایسے لوگوں سے بچانا چاہئے جیسا کہ پہلے بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔

پہلی آیت شریفہ میں مطلق دین کو یا دین کی کسی بھی بات کو مذاق بنانے کا ذکر ہے۔اور دوسری آیت میں خاص اذان کو مذاق بنانے کا ذکر ہے کہ جب تم اذان پکارتے ہو تو اس کا بھی مذاق کرتے ہیں۔

امام زہیرؒ فرماتے ہیں کہ اذان کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔اور پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی۔

اذان کے مذاق کا نتیجہ

مدینہ میں ایک نصرانی تھا۔اذان میں جب وہ **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ** سنتا تو کہتا کہ **(العیاذ باللہ)**: ''کذاب جل جائے۔''

چنانچہ خدا نے اس کی اس حرکت کا اس کو مزہ چکھا دیا۔ ہوا یہ کہ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی۔کوئی چنگاری اس میں سے اُڑی جس سے گھر میں آگ لگ گئی۔ اور وہ شخص اور اس کا گھر بار جل کر ختم ہو گیا۔ یہ ہوا اذان کے مذاق کا نتیجہ۔

دین کی باتوں کا اور دینداروں کے مذاق کرنے والوں کے بکثرت عبرتناک واقعات تاریخی کتابوں میں موجود ہیں۔ دین کی کسی بھی بات کا مذاق نہیں بنانا چاہئے، چاہے وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہوں۔ مذاق اڑانے سے آدمی کا ایمان جاتا رہتا ہے۔اس سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہوسکتا ہے کہ ایک جملہ زبان سے نکالنے کی وجہ سے آدمی مؤمنین کی صف میں سے نکل کر کفار کی صف میں داخل ہو جاتا ہے۔

دین کی کوئی بات بھی چاہے وہ عمل کے لحاظ سے چھوٹی ہو، مگر عقیدت اور عظمت کے لحاظ سے اس کے درجہ میں کوئی کمی نہیں۔ جیسے دین کے کسی اہم جزو کا مذاق آدمی کو ایمان کی دولت

سے محروم کر دیتا ہے ایسے ہی ڈاڑھی مونچھ وغیرہ کا بہت اونچی اہم سنتوں میں شمار ہے، لیکن ان سے بھی چھوٹی چھوٹی سنتوں کا مذاق بھی ایمان کے چھین جانے میں اتنا ہی مؤثر ہے، جتنا نماز روزہ وغیرہ ہے۔

اس لئے ہم اس جگہ اسی موضوع کی دو باتوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نمونہ کے طور پر چند وہ جملے نقل کرتے ہیں کہ جن کو چاہے قصداً، چاہے سہواً، چاہے غصہ ہی کی حالت میں کیوں نہ ہو، زبان سے نکالنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

اور دوسری چیز دینداری کا مذاق اور کھلونا بنانے کے چند عبرتناک واقعات کا ذکر کرتے ہیں کہ متبعِ سنت دیندار لوگوں کے مذاق کا اور ان کی ایذا رسانی کا خدا تعالیٰ دنیا میں بھی مزہ چکھا دیتے ہیں تا کہ دنیا اس سے عبرت حاصل کرے۔ اس لئے ایسے حضرات کی ایذاؤں سے بہت ہی بچنا چاہئے۔

حضور ﷺ کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کی ہلاکت

خود سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ فلاں شخص نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو وہ آدمی بطورِ استہزاء اپنا منہ بگاڑا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو ایسا ہی ہو جا۔“ چنانچہ وہ آدمی ایسا ہی (ہر وقت) منہ بناتا رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔[۱] اس قصہ میں تو استہزاء سے ایذاء رسانی کا ذکر ہے۔

حضور ﷺ کے انکار پر دوا پلانے کا نتیجہ

لیکن بغرض راحت رسانی بھی اگر کوئی ایسا فعل ہو جس سے ان کو تکلیف اور ایذا پہنچے،

---

[۱] المستدرک للحاکم: ۴۲۴۱

تب بھی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ جب اس دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے اور آپ ﷺ پر سکرات طاری تھی، تو حضرات صحابہؓ میں اس امر میں اختلاف ہو گیا کہ آپ ﷺ کو دوا پلائی جائے یا نہیں، حالانکہ حضور اقدس ﷺ اس سے قبل دوا پینے سے انکار فرما چکے تھے اور پھر غشی طاری ہو گئی تھی۔

اس لئے بعض صحابہؓ نے اس خیال سے کہ یہ انکار ایسا ہی ہے جیسا کہ مرض کی شدت میں ہر انسان غیر ارادی طور پر غفلت اور بے ہوشی میں کیا کرتا ہے، پلانے کا ارادہ کیا۔ اور دوسرے بعض صحابہؓ نے یہ سوچا کہ آپ ﷺ نے جو حکم فرمایا، اس کی تعمیل ہونی چاہیے۔ عام انسانوں پر آپ ﷺ کو قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

الغرض فیصلہ ہو گیا۔ اور آپ ﷺ کو دوا پلائی گئی۔ لیکن جب حضور اقدس ﷺ کو افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فوراً وہی دوا ان لوگوں کو پلاؤ ورنہ اندیشہ ہے کہ ان لوگوں کو حق تعالیٰ شانہٗ کسی سزا میں مبتلا فرمائیں گے۔

دیکھئے یہاں بالکل اخلاص اور محبت کے جذبہ سے یہ کام کیا گیا تھا، مگر حضور اقدس ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچی تو ایسے لوگوں کے متعلق بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو بھی وہی دوا پلاؤ ورنہ قہرِ خداوندی میں ابتلاء کا اندیشہ ہے۔ [1] تو جو فعل صرف تحقیراً اور عداوت اور ایذا رسانی کے لیے کیا جائے، اس پر خدا کی طرف سے کیا کچھ پکڑ نہ ہو گی۔

حضرت سعیدؓ بن زید پر جھوٹا مقدمہ قائم کرنے والی کا برا انجام

آنحضرت ﷺ کا استہزاء کرنے والوں اور تکلیف پہنچانے والوں پر فوری قہرِ خداوندی نازل ہونے کے اور بھی بہت سے واقعات کتبِ سیر میں موجود ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کے شیدائی اور آپ ﷺ کے عاشقوں کو بھی جب کسی نے ذرا بھی تکلیف پہنچائی، تو

[1] صحیح البخاری: ۶۵۰۱ / صحیح مسلم: ۵۸۹۱

فوراً خدا نے اپنے اعلان مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیّاً فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ [۱] کے بموجب انہیں ہلاک و برباد کیا ہے۔

جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ سعیدؓ بن زید بن عمر سے اروٰی بنت اوس کا جھگڑا ہوا اور وہ مروان بن الحکم کے پاس مقدمہ لے کر گئیں۔ دعوٰی یہ تھا کہ سعیدؓ بن زید نے اروٰی کی کچھ زمین دبالی ہے۔ حضرت سعیدؓ بن زید کہنے لگے کہ بھلا میں اُن کی کچھ زمین داب لوں گا حالانکہ میں حضور اقدس ﷺ سے حدیث سُن چکا ہوں؟

مروان نے پوچھا کہ آپ نے حضور اقدس ﷺ سے کیا سنا ہے؟ فرمایا: ''میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی ایک بالشت بھر زمین بھی زبردستی دبالے گا، تو قیامت میں ساتوں طبق زمین کے اتنے حصے کا طوق اس کی گردن میں پہنایا جائے گا۔''

مروان نے یہ حدیث سُن کر کہا: ''اب میں آپ سے اس مقدمہ میں اور کوئی شہادت طلب نہیں کروں گا۔''

حضرت سعیدؓ نے بددعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں اندھی کر دے اور اسے اس کی زمین میں ہی موت دے۔ راوی کہتے ہیں کہ جب تک وہ اندھی نہ ہوئی اسے موت نہیں آئی۔ دوسری بددعا یوں پوری ہوئی کہ ایک دن وہ اپنی اس زمین میں چلی جا رہی تھی تو ایک گڑھے میں جا گری اور مر گئی۔

مسلم شریف کی روایت میں بھی یہ مضمون ہے۔ اس کے راوی کہتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا کہ وہ اندھی ہو چکی تھی۔ لوگوں سے پیسے، کوڑی مانگتی پھرتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھے حضرت سعیدؓ کی بددعا لگ گئی ہے۔ اور جس زمین کے بارے میں اُس نے حضرت سعیدؓ پر مقدمہ قائم کیا تھا اسی میں ایک کنوئیں کے پاس سے گذر رہی تھی کہ اچانک اس میں گر پڑی۔ اور

---

[۱] صحیح البخاری: ۶۱۳۷۔ ترجمہ: ''جو بھی میرے اولیاء میں سے کسی سے دشمنی رکھے تو میں (اللہ تعالیٰ) اس کو جنگ کے لئے للکارتا ہوں۔''

وہی کنواں اس کی قبر بن گیا۔ [1]

حضرت سعدؓ سے عداوت پر عذابِ خداوندی

اسی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا قصہ جو بخاری شریف میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ تو کوفہ سے ایک گمنام خط حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔ اس میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی شکایت تھی کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے۔ چنانچہ عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ امامت پر حضرت عمار بن یاسرؓ کو مقرر فرما دیا اور حضرت ابنِ مسعودؓ کو بیت المال کا نگراں مقرر فرمایا۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو مدینہ اپنے پاس بلوا لیا۔

جب یہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کوفہ والے کہتے ہیں کہ آپ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! میں ایسی ہی نماز پڑھاتا تھا جیسی جناب رسول اللہ ﷺ پڑھایا کرتے تھے۔ میں اس میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ عشاء کی نماز پڑھاتا تھا تو پہلی دو لمبی کرتا تھا اور پچھلی دو ہلکی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''ذٰلِکَ الظَّنُّ بِکَ یَا أَبَا اِسْحٰقَ'' کہ اے ابو اسحٰق! میرا آپ کے متعلق یہی گمان تھا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کی تحقیق کے لیے ان کے ساتھ ایک تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیجا کہ کوفہ والوں سے پوچھیں، تحقیق کریں۔ چنانچہ یہ حضرات کوفہ پہنچے اور یہ کام شروع کیا۔ انہوں نے کوئی مسجد ایسی نہیں چھوڑی جس میں پہنچ کر حضرت سعدؓ کے متعلق پوچھا نہ ہو۔ لیکن سب کے سب لوگ آپؓ کی تعریف ہی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تحقیق کرتے کرتے مسجد بنو عبس میں پہنچے تو وہاں ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا جس کا نام اسامہ بن قتادۃ تھا اور کنیت ابو سعدۃ تھی۔

---

[1] صحیح البخاری: ۳۰۲۶ / صحیح مسلم: ۴۲۱۸، ۴۲۱۹، ۴۲۲۰

اس نے کہا کہ جب تم ہمیں قسم دیتے ہو تو سنو۔ بات یہ ہے کہ:

فَاِنَّ سَعْداً لَا یَسِیْرُ بِالسَّرِیَّۃِ وَلَا یَقْسِمُ بِالسَّوِیَّۃِ وَلَا یَعْدِلُ فِیْ الْقَضِیَّۃِ

حضرت سعدؓ خود لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے نہیں جاتے، اور مالِ غنیمت برابر تقسیم نہیں کرتے، اور جھگڑے میں برابر انصاف نہیں کرتے۔

اس پر حضرت سعدؓ نے جواباً فرمایا کہ خدا کی قسم! میں بھی تجھے تین بددعا دیتا ہوں۔

أَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ عَبْدُکَ ھٰذَا کَاذِباً قَامَ رِیَاءً وَّسُمْعَۃً فَأَطِلْ عُمْرَہُ وَأَطِلْ فَقْرَہُ وَعَرِّضْہُ بِالْفِتَنِ [1]

اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے، صرف لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے اس نے یہ کہا ہے تو اس کی عمر بہت لمبی کردے، اور کوڑی کوڑی کا اسے محتاج کردے، اور اس کو فتنوں میں مبتلا کردے۔

الزام اور بددعا میں ہمارے حضرتؒ کی تطبیق

ہمارے حضرت شیخ مدظلہٗ [2] فرماتے ہیں: یہاں اس نے تین الزام حضرت سعدؓ پر لگائے تھے۔ ایک یہ کہ لَایَسِیْرُ بِالسَّرِیَّۃِ یعنی ان کو موت کا ڈر ہے اور زیادہ اس دنیا میں رہنا چاہتے ہیں اس لئے جنگ میں نہیں جاتے۔ تو حضرت سعدؓ نے فرمایا: ''اے خدا! تجھے معلوم ہے مجھے تو یہ نہیں چاہئے، اس لئے تو اسی کی عمر کو دراز کردے۔''

دوسرا الزام اس نے رکھا تھا: لَایَقْسِمُ بِالسَّوِیَّۃِ کہ مالِ غنیمت برابر تقسیم نہیں کرتے۔ تو مطلب یہ کہ مجھے فقر کا اندیشہ ہے، اس لئے فقر کے ڈر سے میں مال جمع کر کے اپنے پاس رکھتا ہوں۔ اے خدا! تجھے معلوم ہے کہ مجھے مال کی حرص نہیں، تو اسی کو تو ایک ایک

[1] صحیح البخاری: ۲۲۷

[2] رحمۃ اللہ علیہ

کوڑی کا محتاج بنا دے کہ لوگوں سے مانگ کر جمع کرتا پھرے۔

تیسرا الزام اس نے لگایا تھا: وَلَایَعْدِلُ فِیْ الْقَضِیَّةِ کہ فیصلہ میں انصاف نہیں کرتا۔ تو مطلب یہ ہے کہ مجھے اس نے فاسق کہا۔ تو یا اللہ! تو اس کو فسق میں مبتلا کر دے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد اس کا بہت برا حال ہوا۔ تو جب اس سے کوئی پوچھتا کہ تیرا کیا حال ہے؟ تو وہ کہتا:

شَیْخٌ کَبِیْرٌ مَفْتُوْنٌ أَصَابَتْنِیْ دَعْوَةُ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ کہ میں ایک بہت بوڑھا آفت زدہ انسان ہوں۔ مجھے سعدؓ کی بددعا لگ گئی۔

راوی عبدالملک بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے خود اسے دیکھا کہ وہ اتنے عرصہ تک زندہ رہا کہ اس کی اوپر کی بھویں اس کی دونوں آنکھوں پر لٹک گئی تھیں اور لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا اور راستہ چلنے والی لڑکیوں کو چھیڑا کرتا تھا۔ ان کو چٹکیاں لیا کرتا تھا۔ [1]

یہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضور اقدس ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور آپ ﷺ کے ماموں تھے۔ ان پر الزام کا نتیجہ خدا نے دنیا ہی میں بتا دیا اور آخرت کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

أَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَسَخَطِ رَسُوْلِکَ وَسَخَطِ أَوْلِیَآئِکَ

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے گستاخی کرنے والے کا انجام

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں مخالفین میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرا ان سے نکاح کر دیجئے۔

اس کا مقصد امام اعظمؒ کو اس بات سے تکلیف پہنچانا تھا، ورنہ حضرت امامؒ کی والدہ محترمہ بالکل ضعیف ہو چکی تھیں۔

---

[1] صحیح البخاری: ۶۵۱ / صحیح مسلم: ۵۸۹۱

مگر حضرت امامؒ کے حسنِ اخلاق پر قربان کہ آپ کو تکلیف تو بہت ہوئی ہوگی، مگر آپ نے نہ اس کو ڈانٹا نہ اس پر غصہ کیا بلکہ آپؒ نے اس سے فرمایا کہ ٹھہرو! میں ابھی اندر جا کر اپنی والدہ سے پوچھ کر آتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔

حضرت امامؒ اپنے گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اور جب باہر تشریف لائے تو وہ شخص مردہ پڑا ہوا تھا۔ یہ تھا اس بدنصیب کی ایذا رسانی پر حضرت امام صاحبؒ کے سکوت کا نتیجہ۔

حضرت سیّدی ومولائی مدظلہم العالی کا ایک ارشاد

سیدی ومولائی حضرت اقدس مدظلہم العالی [1] ایک بات فرمایا کرتے ہیں کہ اہل اللہ کو جب کوئی تکلیف پہنچائے اور اس پر وہ انتقام نہ لیں اور سکوت کر لیں، تو یہ بڑی خطرناک چیز ہوتی ہے۔ اور اس موذی کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

قطب الارشاد حضرت اقدس گنگوہیؒ کا ارشاد

فرماتے ہیں کہ جو لوگ علماءِ دین کی توہین کرتے ہیں اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اُن کا قبر میں منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

اور کیوں نہ ہو کہ جو شخص شریعت اور سنت کا جس درجہ متبع ہوگا وہ اتنے ہی درجہ کا خدا کا ولی ہوگا، اور کسی ولی کو کوئی تکلیف پہنچائے اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیّاً فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ [2]

کہ جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔

---

[1] حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

[2] صحیح البخاری: ۶۱۳۷

اس لئے تاریخ ان واقعات سے پُر ہے کہ جہاں کہیں کسی قوم نے کسی خدا کے بندے کی توہین وتذلیل کی، ہاتھ سے یا زبان سے اس کو تکلیف پہنچائی، تو فوراً غیرتِ الٰہی نے انتقام لیا اور مخالفین کو ہلاک و برباد کیا۔

امام بخاریؒ کے مخالفین کا حشر

حضرت امام بخاریؒ کے ابتلاء کے واقعات بہت مشہور ہیں۔ ایک واقعہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں بخارا کا امیر خالد بن احمد ذہلی تھا۔ اس نے حضرت امام بخاریؒ کو حکم بھیجا کہ میرے مکان پر آ کر میرے لڑکوں کو جامع صحیح اور تاریخ وغیرہ کا درس دیں۔

حضرت امامؒ نے علمِ حدیث کے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ جواب دیا کہ یہ حدیث کا علم ہے۔ میں اسے ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ اگر تمہیں غرض ہے تو اپنے بیٹوں کو میری مجلس میں بھیج دیا کرو تا کہ دوسرے طلبہ کی طرح وہ بھی علم حاصل کریں۔

امیر نے جواباً کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر جس وقت میرے بیٹے آپ کے پاس آئیں، تو اس وقت آپ دوسرے طلباء کو اپنی خدمت میں نہ آنے دیں۔ میرے دربان آپ کے دروازے پر کھڑے رہیں گے اور کسی کو آنے نہیں دیں گے۔ میری نخوت اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی کہ جس مجلس میں میرے بیٹے موجود ہوں، اس میں جولاہے وغیرہ بھی بیٹھے ہوں۔

حضرت امامؒ کی شانِ فیاضی اس کو کہاں گوارا کر سکتی تھی۔ انہوں نے صاف جواب دیا کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا۔ یہ علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میراث ہے۔ اس میں تمام امت برابر کی شریک ہے۔ کسی کی کوئی خصوصیت نہیں۔

اس گفت وشنید سے امیرِ بخارا سخت رنجیدہ ہوا اور کدورت بڑھتی چلی گئی۔ ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ امیر بخارا نے اہلِ ظاہر میں سے ابنِ ابی الورقاء وغیرہ کو اپنے ساتھ

ملالیا اور یہ سب مل کر امامؒ کے مسلک پر طعن کرنے لگے اور ان کے اجتہاد میں غلطیاں نکال کر ایک محضر تیار کرلیا۔ اور اسی بہانے سے انہیں بخارا سے جلاوطن کر دیا گیا۔

امام بخاریؒ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ! لوگوں کو اس بلا میں مبتلا کر جس میں وہ مجھے مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک ماہ کے بعد خالد بن احمد ذہلی کو معزول کر دیا گیا اور خلیفۃ المسلمین کی طرف سے حکم پہنچا کہ اس کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں گھمائیں۔ اور جو اُن کے دوسرے شریکِ کار تھے، امام بخاریؒ کی تذلیل کے متمنی تھے، اُنہیں بھی ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا اور خدا نے انہیں ذلیل کیا۔

علامہ ابن دقیق العیدؒ سے گستاخی کرنے والے کی ہلاکت

ایک دن علامہ ابن دقیق العیدؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور آ کر اُسنے کوئی گستاخی کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیا۔ اس کلمہ کو تین بار فرمایا۔ چنانچہ وہ آدمی ٹھیک تین دن بعد مر گیا۔

اسی طرح ان کے بھائی کو کسی ظالم امیر نے تکلیف پہنچائی۔ آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے اس کے حق میں فرمایا کہ ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ وہ ہلاک ہو گیا۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے موذی کا قتل

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا قصہ بہت مشہور ہے کہ سلطان قطب الدین نے حضرت خواجہ صاحبؒ کو بہت سی باتوں میں حضرت کی مرضی کے خلاف مجبور کرنا چاہا۔ اپنی جامع مسجد میں زبردستی جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ مگر حضرتؒ نے عذر فرما دیا اور کبھی اس کے دربار میں تشریف نہیں لے گئے۔ بادشاہ نے عوام کو اُن کی خدمت میں حاضری سے روکنا چاہا مگر وہ بھی نہ ہو سکا۔ آخر اس نے فیصلہ کرلیا کہ اگر آئندہ نو چندی پر وہ تشریف نہ لائے تو زبردستی

گھسیٹ کر لائیں گے۔ لیکن خدا کی طرف سے یہ حضرتؒ کا آخری امتحان تھا۔

چنانچہ مغرب کے بعد لوگوں نے چاند دیکھا اور فکر مند ہوئے کہ اب کیا ہوگا کہ اس رات کو خسرو خاں نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح خدا نے اپنے ولی کے دشمن کا خود فیصلہ فرما دیا۔

مسجدِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ایک مؤذن کے موذی کی ہلاکت

مدینہ طیبہ میں مسجدِ نبوی کے ایک مؤذن تھے۔ ایک دن وہ فجر کی اذان دے رہے تھے۔ اذان میں انہوں نے کہا: اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ تو ایک خادم نے آ کر اُن کے ایک تھپڑ مار دیا۔ مؤذن روئے اور عرض کرنے لگے: ''یا رسول اللہ! آپ کی موجودگی میں میرے ساتھ یہ ہو رہا ہے۔''

اسی وقت اسی جگہ اس تھپّڑ مارنے والے خادم پر فالج گرا۔ لوگ اس کو اٹھا کر گھر لے گئے اور تین دن بعد وہ مر گیا۔

اکابر کی شان میں گستاخی کا وبال خداوندی

ہمارے ماضی قریب کے ابھی چند سال قبل تقسیمِ ہند کے وقت کے بہت سے واقعات ہیں کہ جہاں کہیں کسی نے اکابر میں سے کسی کو کسی دنیوی، ذاتی، سیاسی یا کسی بھی عداوت کی بناء پر تکلیف پہنچائی تو فوراً غیرت الٰہی جوش میں آئی اور انتقام لیا۔

تقسیم سے قبل حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ ایک جگہ دورہ پر تشریف لے گئے تو وہاں کچھ مخالفین تھے۔ انہوں نے مخالفت کی اور بعضوں نے یہاں تک تشدد اختیار کیا کہ ایک

شخص حضرتؒ کے سامنے آیا اور کپڑے اتار کر مادرزاد برہنہ ہوگیا۔ اور حضرتؒ کو تکلیف پہنچانے کے لیے ننگے ہوکر ناچ کیا۔ دنیوی لحاظ سے بھی اس سے بحمد اللہ حضرتؒ کی شان میں تو کوئی دھبہ نہیں آتا، لیکن اس نے مخالفت کے جنون میں اپنی ہی برسرِ عام رسوائی کی۔

لیکن غیرتِ الٰہی نے اس کو بھی گوارا نہ کیا اور انتقام لیا۔ چنانچہ وہی آدمی تقسیم کے بعد حضرتؒ کے پسماندگان کے پاس آکر روتا ہے اور معافی مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ اس وقت مخالفت کے جنون میں حضرتؒ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، اس کی سزا مجھے یہ ملی کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں میرے سارے گھر والوں کو، مستورات کو اسی طرح میرے سامنے برہنہ کرکے بے عزتی کی گئی اور نچایا گیا، جس طرح میں نے اپنے آپ کو حضرتؒ کے سامنے ننگا کیا تھا اور ناچ کیا تھا۔

اور اب بھی سالہا سال گزر جانے کے باوجود ان کا یہ جرم معاف نہیں ہوا۔ اور وقتاً فوقتاً قہرِ خداوندی اس غلام پر نازل ہوتا رہتا ہے۔ خدائے تعالیٰ ہی ان لوگوں کو اپنا یہ جرم یاد دلادے اور اس پر رونے کی توفیق عطا فرمادے، تو ان کو ان مصائب سے نجات مل سکتی ہے۔

اور صرف دنیوی مصائب پر اکتفا نہیں ہوتا بلکہ خیر کی توفیق چھین لی جاتی ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ ایمان جیسی دولت بھی چھین لی جاتی ہے۔

آج تک قہر برس رہا ہے

چنانچہ ایک صاحب یہاں میرے پاس آئے۔ اور انھوں نے ایک بہت بڑے بزرگ سے اپنے بیعت کے تعلق کا ذکر کیا اور کہنے لگے کہ میں اُن سے بیعت تھا اور میری حالت بہت ہی اچھی تھی اور بہت پابندِ شرع تھا۔ لیکن اتنے سال سے میری حالت بہت ہی خراب ہوگئی ہے اور ہر طرح کے گناہوں میں مبتلا ہوگیا ہوں۔

تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ تقسیم سے پہلے کہاں رہتے تھے؟ تو انھوں نے اس

قہرِ خداوندی میں معتوب علاقہ کا ذکر کیا۔ اور پھر مزید پوچھنے پر انہوں نے اپنے ان جرائم کا اقرار کیا جو انہوں نے اکابر خصوصًا حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ کئے تھے۔ تو میں نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ اس خاص جرم کی خدا تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں اور اس کی بارگاہ میں روتے رہیں۔ اور حضرتؒ کے لئے جتنا زیادہ ہو سکے ایصالِ ثواب کرتے رہیں، تو بحمد للہ اس سے کچھ ان کی حالت بہتر ہونے لگی۔

چنانچہ ان حالات و واقعات کے ظہور ہونے کے بعد ہمارے حضرت اقدس شیخ مدظلہٗ کی دوربین نگاہ نے اس کو تاڑ لیا کہ اس امت نے اپنے ان محسن اکابر کے ساتھ یہ حرکات جو کی ہیں، اس کی یہ سزا بھگت رہی ہے، اور بھگتے گی۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد ۔۔۔ میلش اندر طعنۂ پاکاں زند [1]

اکابر کی باطنی فراست

خداوندِ عالم ان حضرات کو وہ دوربین اور حق بین بصیرت عطا فرماتا ہے جس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ [1]

ایسی فراست سے وہ مسافت کی دوری پر سے بھی اور بُعد از منہ وامکنہ کے باوجود بھی دیکھ لیتے ہیں۔ اور ہزاروں پردوں کے اندر دلوں کی گہرائیوں میں جو پوشیدہ ہوتا ہے، خدا ان کو دکھا دیتا ہے۔ اس میں کسی کی پردہ دری اور رسوائی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ مخلوق کی خیر خواہی کے لیے ان کے لئے پردے ہٹا دیتا ہے تاکہ وہ مخلوق کی راہِ حق کی طرف رہنمائی اور صحیح تربیت کریں۔

---

[1] ترجمہ: ''جب خدا کسی کا پردہ فاش کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس شخص کے دل میں اپنے نیک بندوں پر طعن و تشنیع کرنے کا خیال ڈال دیتا ہے۔''

چنانچہ ہمارے حضرتؒ نے ان آفات و بلیات اور ان حالات کے حقیقی اسباب کو مشاہدہ فرما کر اس موضوع پر "اَلْاِعْتِدَالُ فِیْ مَرَاتِبِ الرِّجَالِ یعنی" "اسلامی سیاست" نامی کتاب تحریر فرمائی۔ اور اس میں مسلمانوں کو اہل اللہ کی اہانت، ان کی ایذا رسانی، ان کے ساتھ استہزاء اور تمسخر جیسی مذموم حرکتوں سے روکا گیا ہے۔ ظاہری آنکھوں کے علاوہ حق تعالیٰ اپنے ان مقبول بندوں کو دلوں کی وہ آنکھیں عطا فرماتے ہیں جس سے یہ حضرات وہ سب کچھ دیکھ لیتے ہیں جہاں تک ان انسان نما حیوانوں کی رہنمائی اور عقل و بصیرت نہیں دیکھ پاتی۔ ان کے لاکھوں واقعات اسلامی تاریخ میں موجود ہیں۔

چونکہ اس وقت ہمارا یہ موضوع نہیں ہے، اس لئے ہم انہیں یہاں ذکر نہیں کرتے۔ صرف ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

خواجہ حسنؒ افغانی کی باطنی فراست

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے اجل خلفاء میں سے حضرت خواجہ حسن افغانیؒ ہیں۔ بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔

آپ کے متعلق سوانح نگار لکھتے ہیں کہ آپ علومِ ظاہری میں امّی محض تھے لیکن علومِ باطن کا یہ حال تھا گویا تمام لوحِ محفوظ آپ کے سینۂ بے کینہ پر نقش ہے۔ لوگ امتحاناً تین سطر کاغذ پر لکھ کر آپ کو دکھایا کرتے تھے۔ ایک سطر قرآن مجید سے، دوسری سطر احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے، تیسری سطر اقوالِ مشائخ سے۔ آپ معائنہ فرما کر انگشتِ شہادت سطرِ قرآن پر رکھ کر فرماتے یہ کلامِ حق تعالیٰ ہے۔ پھر سطرِ حدیث کی طرف اشارہ کر کے فرماتے یہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے۔ پھر اقوالِ مشائخ پر ہاتھ رکھ کر فرماتے یہ سطر اقوالِ مشائخ سے ہے۔

---

[1] سنن الترمذی: ۳۱۲۷ / المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۴۹۷۔ ترجمہ: "مؤمن کی فراست سے محتاط رہو کہ وہ نورِ الٰہی کے ذریعے دیکھتا ہے۔"

جب لوگ پوچھتے یہ آپ نے کیونکر جانا؟ تو فرماتے کوئی وجہ شناخت کی نہیں ہے، مگر منہ نمرِ قرآن کو دیکھتا ہوں کہ نور اس کا لامکاں تک محیط ہے۔ اور حدیث کی طلعت ساتوں آسمان تک دیکھتا ہوں۔ اور قولِ مشایخ کا نور فلکِ قمری تک دیکھتا ہوں۔

ایک مفید کتاب

اس زمانے میں جب کہ یہ مرض عام ہے تو ہر گھر میں یہ کتاب الاعتــــدال (اسلامی سیاست) ہونی چاہیئے۔ اور بار بار اس کا مطالعہ ہونا چاہیئے۔ عوام کو کتنی دفعہ اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے، یہ میں نہیں لکھتا۔ وہ خود اس واقعہ سے اپنا نصاب تجویز کر سکتے ہیں کہ ہمارے ایک دوست جو بہت اونچے پایہ کے عالم ہیں، انہوں نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ میں نے اس کتاب کا دس دفعہ مطالعہ کیا ہوگا اور اب بھی کر رہا ہوں۔ تو اتنے بڑے عالم جب دس دفعہ مطالعہ کریں تو عوام اپنے متعلق خود ہی سوچ لیں۔

اس کتاب کے پڑھنے سے صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ اہل اللہ کی اہانت اور ان کی ایذا رسانی کیا ہوتی ہے اور اس کے ثمرات کیا ہوتے ہیں کہ دنیا میں ذلت اور اہانت ملتی ہے، مگر ایمان جیسی دولت سے محروم ہو کر آخرت بھی برباد ہوتی ہے۔ دنیوی نقصان اور آفات و بلیات سے بہت آگے آدمی کی عاقبت کی خرابی کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ان متبعِ سنت حضرات کی ایذا رسانی سے بہت ہی احتراز کرتے رہنا چاہیئے۔ بلکہ اپنے منہ سے کبھی کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں نکالنا چاہیئے کہ جس سے وہ ذرا بھی کبیدہ خاطر اور رنجیدہ ہوں۔ ورنہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

لعن طعن سے احتیاط ضروری ہے

جب ایک جملہ کا اثر یہ ہو سکتا ہے، تو پھر استہزاء اور تمسخر اور مذاق کا تو ذکر ہی کیا کہ جس میں ایسی حرکت کرنے والے کا انتہائی مقصد ہی اس سنت پر عمل کرنے والے کی توہین و

تذلیل ہو۔ تو غیور خدا اور صاحبِ سنت سرورِ عالم ﷺ اس کو کہاں گوارا فرما سکتے ہیں؟ لہٰذا ہمیں اپنے دین و ایمان کی فکر کرتے ہوئے ایسے دیندار لوگوں سے اپنا معاملہ ٹھیک کر لینا چاہیئے جو کہ متبعِ سنت ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔ اٰمین۔

لیکن اے دیندار اور متبعِ سنت حضرات! جو کسی ایسے گندے ماحول یا ذلیل انسانوں میں پھنسے ہوئے ہوں جہاں ہر وقت صرف اتباعِ سنت کی وجہ سے کوسا جاتا ہو، تنگ کیا جاتا ہو، تو ان کو ذرا گھبرانا نہیں چاہیئے۔

پہلے ایمان والوں کے ساتھ بھی یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے کہ صرف اللہ کو ایک ماننے پر انہیں ستایا جاتا تھا۔ تو اگر نبی اکرم ﷺ کی سنت پر ہمیں تکلیفیں پہنچا دی جائیں، تو اس سے بڑھ کر سعادت مندی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے کسی کی مخالفت کی پرواہ ذرا نہ کرنی چاہیئے۔

جیسا کہ مفتی سید عبدالرحیم صاحبؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ خواہش کے بندوں کی ملامت اور لعن طعن سے گھبرا کر حق بات کو چھوڑنا یہ ابو طالب کا طریقہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بوقت مرگ چچا سے فرمایا کہ چچا! ایک دفعہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہہ دیجئے۔

تو چچا ابو طالب نے جواب دیا: ''آپ نے ایسا دین پیش کیا جس کو میں دنیا کے تمام ادیان سے افضل دین سمجھتا ہوں۔ اگر مجھے لوگوں کی ملامت یا لعن طعن کا ڈر نہ ہوتا، تو آپ مجھے قبولِ حق میں جواں مرد پاتے۔''

حضرت حذیفہؓ کا طریقہ

خلاصہ یہ کہ لوگوں کے لعن طعن کے ڈر سے حق بات کو چھوڑ دینا ابو طالب کا طریقہ ہے۔ اور ساری دنیا کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر حق کو پکڑے رکھنا مجاہدِ اسلام حذیفۃ بن الیمانؓ کی

سنت ہے۔

حضرت حذیفہؓ ایک مرتبہ سفر میں تھے۔ آپؓ کے دستِ مبارک سے کھانا کھاتے لقمہ گر گیا۔ آپؓ اُس کو اُٹھا کر صاف کر کے منہ میں ڈالنے لگے۔ عجمی لوگ یہ دیکھ رہے تھے۔ خادم نے چپکے سے یہ کہا کہ حضرتؓ! ایسا نہ کیجئے۔ یہ عجمی لوگ گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھا لینے کو بہت برا مانتے ہیں اور ایسے لوگوں کو بنظرِ حقارت دیکھتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا:

أَأَتْرُكُ سُنَّةَ حَبِيْبِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِهٰؤُلَآءِ الْحُمَقَآءِ؟ کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے حبیب ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟

اس لئے کسی بھی حالت میں کسی وجہ سے اتباعِ سنت کو ہاتھ سے چھوٹنے نہ دینا چاہئے، چاہے کہنے والے کچھ کہتے رہیں۔

جیسا کہ سیدی و مرشدی حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہم العالی [1] ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ آئندہ بھی میری یہی وصیت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی معاشرت کے پھیلانے میں جتنی کوشش تم سے ہو سکے دریغ نہ کرو۔ اور اہلِ دنیا کے حقیر و ذلیل سمجھنے کی ذرا پرواہ نہ کیجیو۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

دو ضروری باتیں

دراصل لوگوں میں آج کل دین سے نفرت اور آزادگی کا ایک ذہن پیدا کیا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ عوام تو بالکل سادہ لوح ہوتے ہیں۔ ان کی طبیعتوں میں اور ان کے دماغوں میں یہ آزادگی اور دین کی طرف سے بے پروائی اور دین کی باتوں پر اور دینی احکام پر اور

[1] رحمۃ اللہ علیہ

اکابر اور صحابہؓ پر طعن و تشنیع کا واہمہ تک نہیں ہوتا۔

لیکن ان کا ذہن خراب کرنے والی، ان کو اپنے اسلاف اور بزرگانِ دین کے طرزِ عمل اور صحیح عقائد سے پھیرنے والی، سرکارِ دو عالم فخرِ دو جہاں ﷺ کی مبارک سنتوں سے نفرت پیدا کرنے والی صرف دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ایسے شرارتی شیطانی صفات انسانوں کے پاس بیٹھنا جو حضور ﷺ اور صحابۂ کرامؓ اور بزرگانِ دین کو ماننے والے نہ ہوں اور اس دینِ حق کے پیرو نہ ہوں۔

تو ایک چیز تو ہوئی ان کی صحبت۔ اور دوسری چیز جو ہے وہ ایسے لوگوں کی کتابوں کا پڑھنا کہ جن کتابوں کی ظاہری صورت اور ظاہری موضوع کچھ اور ہوتا ہے، لیکن اس کا اصل موضوع حضور اقدس ﷺ سے جو ایک مسلسل دین چلا آیا ہے اس سے نفرت پیدا کرنے اور جن بزرگانِ دین کی بدولت یہ دین ہم تک پہنچا ان اسلاف کی اور ان مسلسل احکامِ دین کی نفرت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ **(العیاذ باللہ)**۔

یہ صرف دو چیزیں ہیں جس سے آج کل بیچارے سادہ لوح عوام کے عقائد خراب ہو رہے ہے۔ اس لئے جس کے پاس بھی اٹھنا بیٹھنا ہو، تو تنہائی میں ان کی گفتگو پر غور کیا جائے۔ اور ان کے کسی بھی کلام سے صحابہ کرامؓ کی یا بزرگوں کی یا دین کی کسی بھی بات پر تنقید اور توہین معلوم ہوتی ہو، تو جب یہ احساس ہو جائے اسی وقت یہ تعلق بالکل ختم کر دینا چاہئے کہ اس سے عقائد کے بھی خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

دوسری چیز کتابوں کا دیکھنا ہے۔ تو جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کتاب کا لکھنے والا صحیح العقیدہ ہے یا بد دین ہے، وہاں تک کسی بھی اجنبی یا جس کا دینی حال معلوم نہ ہو اس کی کتابیں ہرگز نہیں دیکھنی چاہئیں۔

اور اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قریب جو علماء ہوں ان کو پوچھے بغیر اور ان کی طرف سے اس کتاب کی تصحیح یا تغلیط معلوم کئے بغیر ہرگز ہرگز اس کتاب کو نہیں پڑھنا

چاہئے اگرچہ وہ مفت ہی کیوں نہ تقسیم کی گئی ہو۔

کیونکہ اس کو پڑھ کر خدانخواستہ ایک دفعہ بھی ذراسی عقیدہ میں لغزش آ گئی اور ہمارے صحیح العقیدہ علماء سے رجوع کئے بغیر اس حالت میں اگر خدانہ کرے موت آ گئی، تو اسلاف اور بزرگوں کی نفرت دل میں لے کر مرے گا۔ پھر اس شخص کا جو حال ہوگا اور ہونا چاہئے، وہ سب ہی کو معلوم ہے۔

اس لئے عقائد کی درستگی کے لیے برے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہئے۔ اگرچہ ان کی زبانیں بہت میٹھی ہوں، اور ان کی باتیں جی کو بہت بھاتی ہوں، مگر ایسے انسان نما شیطانوں سے بہت بچنا چاہئے۔

اور دوسری چیز علماء کو پوچھے بغیر جو کتاب جیسی بھی سامنے آ گئی، ہرگز نہیں پڑھنا چاہئے کہ اصل چیز ایمان اور عقیدہ کی درستگی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اقدس ﷺ، صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کی صحبت کے ساتھ دنیا سے اٹھاوے۔ آمین۔

مستحبات کا استخفاف کفر تک پہنچا دیتا ہے

اصل مدار خاتمہ پر ہے۔ اگر خاتمہ صحیح عقائد پر ہوا تب تو خدا سے کامیابی کی امید ہے ورنہ خسران ہی خسران ہے۔

اس لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی ایسی چیز سے جس کی وجہ سے ایمان میں اور عقیدہ میں کوئی فرق آتا ہو، آگ سے زیادہ ڈرنا چاہئے کہ کوئی جملہ شریعت یا احکام الٰہی یا سنتوں کے بارے میں ایسا زبان پر نہ آئے کہ جو ایمان سے محرومی کا سبب ہو۔ کیونکہ یہ چیز آہستہ آہستہ بڑھتی ہے۔ آدمی پہلے کسی مستحب کو ہلکا سمجھتا ہے، پھر اس سے اوپر کی چیز کو، پھر اس سے اوپر، یہاں تک کہ ایک مستحب کا استخفاف ایمان کی محرومی تک پہنچا دیتا ہے۔ جیسا

کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

مَنْ تَهَاوَنَ بِالْاٰدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّةِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَّةِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ

یعنی جو شریعت کے آداب و مستحبات کو ہلکا سمجھتا ہے اس کو سنت سے محرومی کی سزا ملتی ہے۔ اور جو سنت کو ہلکا سمجھتا ہے اس کو فرائض سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے۔ اور جو فرائض کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا رہتا ہے۔ یعنی یہ سلسلہ شروع ہو کر پھر رکتا نہیں، چلتا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل سے ایمان جیسی دولت بھی نکل جاتی ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

ثعلبۃ بن حاطب انصاری نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لئے مالداری کی دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تھوڑا جس کا شکر ادا ہو اس بہت زیادہ سے اچھا ہے جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو۔'' اُس نے پھر دوبارہ یہی درخواست کی۔ تو آپ ﷺ نے پھر سمجھایا کہ تو اپنا حال اللہ کے نبی ﷺ جیسا رکھنا پسند نہیں کرتا۔ واللہ! اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونے چاندی کے بن کر میرے ساتھ چلتے۔

اس نے کہا: ''حضور! واللہ میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ مجھے مالدار کر دے تو میں خوب دادِ سخاوت دوں۔ ہر ایک کو اس کا حق ادا کر دوں۔''

آپ ﷺ نے اس کے لیے مال میں برکت کی دعا کی۔ اس کی بکریوں میں اس طرح زیادتی شروع ہوئی کہ جیسے کیڑے بڑھ رہے ہوں۔ یہاں تک کہ مدینہ شریف اس کے جانوروں کی کثرت سے تنگ ہو گیا تو یہ میدان میں نکل گیا۔ ظہر، عصر تو جماعت کے ساتھ ادا

کرتا تھا، باقی نمازیں جماعت سے نہیں ادا کرتا تھا۔

جانوروں میں اور برکت ہوئی۔ اَور دور جانا پڑا۔ اب سوائے جمعہ کے اور سب نمازیں اس سے چھوٹ گئیں۔ مال اور بڑھتا گیا۔ بالآخر جمعہ میں آنا بھی اس نے چھوڑ دیا۔ آنے جانے والے قافلوں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ جمعہ کے دن کیا بیان ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے مال میں صدقہ لینے کا حکم آیا اور قاصد اس سے صدقہ وصول کرنے گئے، تو کہنے لگا: ''واہ واہ! یہ تو جزیہ کے مشابہ ہے۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کافروں سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے۔ اچھا ابھی تو جاؤ۔ پھر آنا۔'' جب دوبارہ وصول کرنے گئے تب بھی اس نے یہی کہا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات نازل ہوئیں۔ اُسے جب معلوم ہوا تو حضور اقدس ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور خواہش کی کہ میرا صدقہ قبول فرمالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ نے انتقال تک اس کی کوئی چیز قبول نہیں فرمائی۔

اس کے بعد خلافت صدیقی میں اپنا مال لے کر حاضر ہوا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی قبول نہیں فرمایا۔ دورِ فاروقی میں حاضر ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے تیرا مال قبول نہیں کیا، تو میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟

پھر حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اس نے اپنا مال پیش کیا تو آپ نے بھی فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اور دونوں خلفاء نے تیرا صدقہ قبول نہیں کیا تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ یہ تھی ان حضراتِ خلفاءؓ کی متابعتِ سنت اور اتباعِ رسول ﷺ کہ حضور اقدس ﷺ نے پہلے دن انکار فرمادیا تھا، تو آپ کے بعد کسی نے بھی قبول نہ کیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

غرض کہ اس نے پہلے سخاوت کے وعدے کیے۔ پھر سخاوت کے بجائے بخل کیا اور ایفاء وعدہ کے بجائے وعدہ خلافی کی۔ اس وعدہ شکنی اور جھوٹ کے بدلے خدا نے اس کے دل میں نفاق پیوست کر دیا کہ بجائے اس کے کہ سید الکونین ﷺ کا اطاعت شعار صحابی بنتا اور

مراتب اور درجات حاصل کرتا، ذراسی بات میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ عصیان میں ترقی کرتا رہا، یہاں تک کہ منافقوں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔

تو اسی طرح شریعت کے معمولی آداب کے ساتھ مذاق اور استخفاف کفر تک پہنچا تا ہے۔ بلکہ بعض جملے تو ایسے ہیں کہ اگر آداب کے متعلق یا سنن کے متعلق بھی کہے جائیں تب بھی ایمان جاتا رہتا ہے۔اس لئے زبان کی بہت ہی زیادہ حفاظت کرنا چاہئے۔اب ہم یہاں پر استہزاء بالدین کے متعلق بزرگانِ دین، مفتیانِ کرام کے چند فتاویٰ نقل کرتے ہیں کہ بہت اہتمام سے عوام اس تباہ کن امر سے بچتے رہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرماوے۔

کلماتِ کفریہ میں تفصیل

قطب الارشاد حضرت اقدس گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ کلمۂ کفر عمداً بولنا اگر چہ اعتقاد اس پر نہ ہو، کفر ہے۔ چنانچہ ردّ المختار میں لکھا ہے کہ صاحب بحر فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص استہزاء یا لہو ولعب کے طور پر کلمۂ کفر کا تلفظ کرے اگر چہ اعتقاد نہ ہو، بالاتفاق کافر ہے۔اور جو شخص خطا یا اکراہ کی حالت میں کفر کا کلمہ کہے، بالاتفاق کافر نہیں ہوگا۔اور جس نے قصداً کلمۂ کفر کہا، تو بالاتفاق کافر ہے۔ لیکن جو شخص اپنے اختیار سے کلمۂ کفر کہے جبکہ اس کے کفر کا علم نہ ہو، تو اس میں اختلاف ہے۔

جس شخص نے مذاق کے طور پر کلمۂ کفر کہا، اگر چہ اس کا اعتقاد نہ ہو، تب بھی وہ مرتد ہو جائے گا بوجہ ہلکا سمجھنے کے۔اور یہ کفر عادتی کفر کی طرح ہے۔

اس فتوے پر تقریباً بیس علماء کرام کے دستخط ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اگر عمداً کوئی شخص کلمۂ کفر بولا حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ یہ

کلمۂ کفر ہے، مگراس نے اپنے اختیار سے یہ لفظ کہا ہے تو عام علماء نے کہا کہ اس کی تکفیر کی جائے گی۔اور نادانستگی کا عذر مقبول نہیں ہوگا۔

مگر بعض علماء نے اس کی تکفیر کئے جانے میں اختلاف کیا ہے۔ یہ خلاصہ میں ہے کہ ہزل کرنے والے نے اگر ازراہِ استہزاء ومزاح کے کلمۂ کفر کہا، تو سب کے نزدیک کفر ہوگا اگرچہ اس کا اعتقاد اس کے خلاف ہو۔اوراگر کوئی شخص خطا سے کلمۂ کفر بولا مثلاً اس کا ارادہ تھا کہ ایسا لفظ بولے جو کفر نہیں ہے پھراس کی زبان خطا کرگئی اوراس کی زبان سے کلمۂ کفر نکل گیا، تو سب کے نزدیک یہ کفر نہ ہوگا۔ یہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ [۱]

پہلا فتویٰ

جو حضرت اقدس گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا ہے اوراس پر پچپن علماء کرام ومفتیانِ عظام کے دستخط ہیں۔حضرتؒ کے نام نامی کے بعدان حضرات کے اسماء گرامی کے لکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔پچپن کا عدد لکھ کر دیناہی کافی ہے۔

حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حکمِ حق تعالیٰ یا کسی طریقۂ سنتِ رسول اللہ ﷺ کو عیب یا موجب بے عزتی کا جانے یااس کے کرنے والے کو بے عزت کہے لاریب وہ ملعون کافر ہے۔اور مخالف حق تعالیٰ کا، جہنمی ہے اور مرتد ہے۔اور باوجوداعتراف اس امر کے کہ یہ حکم خدا تعالیٰ کا اور سنت ہے اور پھر بھی اس کو اپنے ننگ اور عار کا باعث جانتا ہے، یہ زیادہ تر موجب اس کے کفراور مخالفتِ حق تعالیٰ کا ہے کہ وہ شقی ملعون اپنے رواجِ کفر کو حق تعالیٰ کے حکم سے اچھا جانتا ہے۔

پس ایسے شخص سے ترکِ ملاقات ومعاملات کرنا عین دین ہے۔اوراس سے رشتہ و قرابت رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ اس سے علیحدہ ہوجائے۔اوراس کو مبغوض ترین خلق اللہ

---

[۱] فتاوی عالمگیری، ص۶۰۴

تعالیٰ کا جان کر اس کا دشمن ہو جائے۔ اور اس کے جنازہ کی نماز ہرگز نہ پڑھے کہ وہ کافر ہے۔ کَذَا فِیْ کُتُبِ الْحَدِیْثِ وَ الْفِقْهِ

دوسرا فتویٰ

اسی طرح قطب الارشاد حضرت اقدس گنگوہیؒ ایک اور فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ درمیان عیدین کے نکاح کرنا سنت اور موجبِ برکات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شوال میں ہوا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے عزیزوں کا نکاح شوال میں کراتی تھیں۔

پس اس نکاح کو منحوس جاننا جہل و فسق ہے۔ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے مخالفت اور عداوت ہے۔ ایسے احوال سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ سنت کے برا جاننے سے کافر ہو جائے گا۔ اور ایسا قول سخت جاہل بکتا ہے۔ عالم ایسی بات نہیں کہتا۔ [1]

تیسرا فتویٰ

فتاویٰ رشیدیہ میں ایک فتویٰ نقل کیا گیا ہے جس میں ایک جگہ لکھا ہے کہ یوں ہی مسائلِ شرعیہ کے ساتھ استہزاء صراحتاً کفر ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

قُلْ أَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُوْنَ ○ لَاتَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ [2]

کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کرتے تھے؟ آج تم خبردار! کوئی عذر نہ کرنا کہ تم نے تو ایمان کے بعد کفر کیا۔

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ: ص ۳۶۴

[2] سورۃ التوبۃ: ۶۵ و ۶۶

آ گے چل کر لکھا ہے کہ یوں ہی وہ کلمۂ ملعونہ کہ ڈاڑھی منڈوانے والے رکھنے والوں سے بہتر ہیں، صاف سنتِ متواترہ کی توہین اور کلمۂ کفر ہے۔

چوتھا فتویٰ

حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنویؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے:

اِذَا وَصَفَ اللّٰہَ بِمَا لَایَلِیْقُ بِہٖ أَوْسَخِرَ بِاِسْمٍ مِّنْ أَسْمَائِہٖ أَوْ بِأَمْرٍ مِّنْ أَوَامِرِہٖ أَوْ أَنْکَرَ وَعْداً أَوْ وَّعِیْداً وَّلَوْ قَالَ من خدایم یَکْفُرُ [۱]

جب اللہ تعالیٰ کی تعریف ایسے اوصاف سے کی جائے جو اس شایان شان نہیں۔ یا اسماء الٰہی میں سے کسی اسم کے ساتھ استہزاء کیا جائے۔ یا یادِ الٰہی میں سے کسی امر کا مذاق اڑایا جائے۔ تو یہ سب کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے۔ میں خدا ہوں تو کافر ہو جائے گا۔

پانچواں فتویٰ

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ جس نے آیات قرآنی میں سے کسی آیت کا انکار کیا یا اس سے تمسخر کیا (خزانہ میں ہے، یا اس پر عیب لگایا) تو وہ کافر ہوا۔ یہ تاتارخانیہ میں بھی ہے۔

چھٹا فتویٰ

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ توقیر العلماء میں چند فتاویٰ نقل فرمائے ہیں جن میں سے بعض یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری: ص۵۸۹

محیط میں لکھا ہے کہ کوئی شخص اونچی جگہ بیٹھا عالم کی نقل کرنے کے لیے اور لوگ آ کر بطور مذاق واستہزاء اس سے مسائل دریافت کرتے ہیں، پھر اس کو تکیہ وغیرہ سے مارتے ہیں اور پھر آپس میں خوب ہنستے ہیں، تو اس حرکت کی وجہ سے سب کے سب کافر ہو گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے دین اور شرع کا استخفاف کیا۔

ساتواں فتویٰ

محیط ہی میں ہے کہ کوئی عالم اپنے فقہ وغیرہ کی کتاب کسی شخص کی دوکان پر رکھ کر کہیں چلے گئے۔ واپس آئے اور اُدھر سے گذرے تو دوکاندار نے کہا: ''مولانا! آپ آری یہاں بھول گئے ہیں۔'' عالم نے کہا: ''تمہارے یہاں میں نے کتاب رکھی ہے، آری تو نہیں رکھی۔'' دوکاندار نے کہا: ''ارے! ایک ہی بات ہے۔ بڑھئی آری سے لکڑی کاٹتا ہے۔ اور آپ لوگ اس کتاب سے لوگوں کا گلہ کاٹتے ہیں یا ان کا حق کاٹتے ہیں۔''
عالم نے امام فضیلؒ سے اس کی شکایت کی۔ تو انہوں نے اس شخص کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ فقہ کی کتاب کا استخفاف کر کے وہ مرتد ہو گیا تھا اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

آٹھواں فتویٰ

اسی طرح شرحِ فقہ اکبر میں ہے کہ جس نے کہا کہ شرع وغیرہ سے مجھے کچھ فائدہ نہیں اور نہ میرے نزدیک وہ نافذ ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا۔

نواں فتویٰ

ظہیریہ میں ہے کہ کسی شخص سے کہا گیا کہ اٹھ جاؤ یا آؤ چلیں مجلسِ علم میں۔ اس پر اُس نے کہا کہ یہ لوگ جو باتیں بیان کرتے ہیں کون اُن پر عمل کر سکتا ہے؟ یا یہ کہا کہ مجھے علمِ دین کی مجلس سے

کیا لینا؟ تو کافر ہو جائے گا۔

پہلا جواب تو اس لئے کفر ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ شخص تکلیف مالا یطاق کا قائل ہے یعنی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے امور کا بھی انسان کو مکلّف بنایا ہے جو اس کی طاقت سے بالاتر ہیں۔ حالانکہ قرآن میں ہے کہ **لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡساً اِلَّا وُسۡعَھَا** ۔اور دوسرا جملہ اس وقت کفر ہے جب اس کی مراد یہ ہو کہ علماء کی مجلس میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ جواہر میں ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ جو علماء بیان کرتے ہیں کون اس پر عمل کر سکتا ہے؟ تو کافر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس سے یا تو تکلیف مالا یطاق لازم آتا ہے یا انکار کیا کہ یہ صحیح نہیں ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علماء جو کچھ بیان فرماتے ہیں، اس میں وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جھوٹ لگاتے ہیں۔ اور اس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

دسواں فتویٰ

فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ اگر کسی نے فتویٰ کو زمین پر پھینک دیا بطور اہانت کے تو کافر ہو جائے گا۔

گیارہواں فتویٰ

تتمۃ میں ہے کہ جس شخص نے اہانتِ شریعت کی یا ان مسائل کی اہانت کی جن کی شریعت میں ضرورت پڑتی ہے، تو کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ شریعت کے ایک مسئلہ کا استخفاف کیا۔

بارہواں فتویٰ

محیط میں ہے کہ کوئی عالم علم کی باتیں بیان کر رہا ہے یا حدیثِ صحیح روایت کر رہا ہے، یعنی جو کہ ثابت ہے موضوع نہیں ہے، اس پر کسی نے ہنس کر کہا کہ یہ سب کچھ نہیں ہے۔ مقصد اس کا رد

کرنا ہے۔ یا یہ کہا کہ یہ سب باتیں کیا کام آئیں گی؟ روپیہ پیسہ ہو خیر کام بھی آئے۔ یعنی ان سب میں مشغول ہونے کے بجائے روپیہ پیسہ ہی کمانے میں مشغول ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں جو قدر و منزلت روپیہ کی ہے وہ علم کی نہیں ہے، تو کافر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ یہ معارضہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ [۱] کہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لئے اور مؤمنین ہی کے لئے عزت ہے۔

اور اس ارشاد کا:

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا [۲] کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند ہے۔

تیمور کا ایک واقعہ

تیمور کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن اس کی طبیعت کچھ افسردہ اور منقبض سی تھی۔ اس لئے چُپ چاپ سا تھا۔ لوگ سوالات کرتے تھے، اس کا جواب بھی نہ دیتا تھا۔

اتنے میں خوش طبعی کرنے والوں کی ایک جماعت اس کے پاس آئی۔ چنانچہ وہ لوگ آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگے۔ ایک شخص نے ان میں سے کہا کہ میں فلاں شہر کے قاضی کے یہاں گیا ہوا تھا اور رمضان شریف کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ اے شریعت کے حاکم! فلاں شخص نے رمضان کے روزوں کو کھالیا۔ میرے پاس اس کے گواہ موجود ہیں۔

یہ سن کر اُن قاضی صاحب نے فرمایا کہ اے کاش! کوئی شخص نماز کو بھی کھا جاتا، تو ہم ان دونوں سے چھٹکارا پا جاتے۔ اور یہ سب مضمون اس لئے کہا تاکہ امیر تیمور کو ہنسی آ جائے۔ اور اس کا قبض دور ہو جائے۔

---

[۱] سورۃ المنافقون: ۸۱

[۲] سورۃ التوبۃ: ۴۰

لیکن یہ سن کر تیمور نے کہا کہ اے ظالمو! تم کو ہنسی، دل لگی کے لیے شریعت ہی ملی تھی۔ یہ کہا اور اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ اس ذات پر رحم فرمائے جس نے دین اور شریعت کی تعظیم و توقیر کی اور اس کا بول بالا کیا۔

اس کے بعد اب فتاویٰ عالمگیری سے چند وہ کلمات نقل کئے جاتے ہیں، جن سے کفر لازم آتا ہے۔

۱۔ عتابیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی حکمِ خدا یا شریعتِ پیغمبر ﷺ کو ناپسند کرے مثلاً کسی سے کہا گیا کہ خدا تعالیٰ نے چار عورتیں حلال کر دی ہیں، پس وہ کہے کہ میں اس حکم کو پسند نہیں کرتا ہوں، تو یہ کفر ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ [۱]

۲۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ جس نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات میں سے بعض کا اقرار نہ کیا یا سنن مرسلین میں کسی سنت کو ناپسند کیا، تو وہ کافر ہوا۔ [۲]

۳۔ اگر ایک نے دوسرے سے کہا کہ رسول ﷺ اس کو پسند کرتے تھے۔ مثلاً کہا کہ کدوئے دراز کو پسند فرماتے تھے۔ پس اس دوسرے نے کہا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا ہوں، تو یہ کفر ہے۔ اور ایسا ہی امام ابو یوسفؒ سے بھی مروی ہے۔ اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اگر اس نے یہ قول بطور اہانت کے کہا ہے، تو کفر ہے۔ اور بدون اس کے کفر نہیں۔ [۳]

۴۔ اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ آنحضرت ﷺ جب کھانا کھاتے تھے تو اپنی تین انگلیاں چاٹتے تھے۔ پس دوسرے نے کہا کہ یہ بے ادبی ہے۔ (اس مردود کی مراد یہ ہے کہ یہ شکل تہذیب کے خلاف ہے) تو یہ کفر ہے۔

۵۔ اگر کسی نے کہا کہ دہقانوں کی کیا پاکیزہ رسم ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور ہاتھ نہیں دھوتے۔ تو شیخ نے فرمایا کہ اگر یہ قول طریقۂ مسنونہ کی اہانت کے طور پر کہا ہے، تو کافر کہا جائے گا۔

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری: ص۵۸۱

[۲] فتاویٰ عالمگیری: ص۵۸۳

[۳] فتاویٰ عالمگیری: ص۵۸۷

۶۔ اور اگر کسی نے کہا کہ یہ کیا رسم ہے کہ مونچھیں کترواکر یا منڈواکر پست کردینا اور دستار زیرِ گلو کرنا، پس اگر اس نے قول سنتِ رسول اللہ ﷺ میں طعن کرنے کے طور پر کہا ہے، تو اس نے کفر کیا۔ یہ محیط میں ہے۔

۷۔ اگر عاشورہ کے روز کسی نے کہا کہ سرمہ لگالو کہ سرمہ لگانا اِس روز سنت ہے۔ اس نے کہا کہ عورتوں اور مخنثوں کا کام ہے، تو کافر ہوجائے گا۔ [۱]

۸۔ کسی نے ایک بیمار سے کہا کہ نماز پڑھ لے۔ اس نے جواب دیا کہ کبھی نہیں پڑھوں گا۔ پھر اُس نے نہ پڑھی یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ تو کہا جائے گا کہ وہ کافر مرا ہے۔

۹۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ آؤ اس حاجت کے لئے نماز پڑھیں۔ پس اس نے کہا کہ میں نے بہت نماز پڑھی۔ میری کوئی حاجت نہیں برآئی۔ اور یہ بطور استخفاف وطنز کے کہا، تو کافر ہوجائے گا۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ [۲]

۱۰۔ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے ایک استفتاء کیا گیا جس میں ایک عورت نے یہ کلمہ کہا تھا کہ خدا اور رسول ﷺ کے احکام طاق پر رکھو۔ تو حضرتؒ نے اس کو مرتدہ قرار دے کر اس پر مرتدہ کے احکام جاری فرمائے ہیں۔ [۳]

مولانا عبدالحق حقّانی کا ایک فتویٰ

مولانا ابو محمد عبدالحق حقانیؒ مصنف تفسیر حقانی، اپنی کتاب عقائدالاسلام میں موجباتِ کفر کی پہلی قسم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اللہ کے کسی حکم کو کہا کہ اس کو میں نہیں مانتا۔ مثلاً کسی نے کہا کہ چلو شریعت سے فیصلہ کرائیں۔ دوسرے نے کہا کہ میں شریعت کے فیصلہ پر

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری: ص۵۸۸

[۲] فتاویٰ عالمگیری: ص۵۹۱

[۳] امدادالفتاویٰ: ص۳۷۸

راضی نہیں، تو کافر ہو گیا۔ اس لئے کہ ایمان فقط جان لینے ہی کو نہیں کہتے۔ ورنہ کفار بھی اللہ اور رسول ﷺ کو حق جانتے تھے۔ بلکہ مان لینا بھی شرط ہے۔

پھر موجباتِ کفر کی قسم پنجم میں تحریر فرماتے ہیں کہ یا شرع کی کسی بات پر ٹھٹھا یا مذاق کیا، مثلاً ایک شخص واعظِ قرآن کی نقل کرنے لگا اور چند لوگ اس کے آس پاس بیٹھ کر ہنسی سے اس سے مسائل پوچھنے لگے، پس وہ سب کافر ہو گئے۔ [۱]

ایک ضروری تشریح

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ جن صورتوں میں بالاتفاق تکفیر کی جاتی ہے، وہاں واجب ہے کہ توبہ کر کے رجوع کرے اور از سرِ نو نکاح کرے۔

اور واضح ہو کہ جن صورتوں میں کفر ہونے میں اختلاف ہے، ان میں اس کے مرتکب کو حکم کیا جاوے گا کہ وہ تجدیدِ نکاح کرے اور توبہ کرے اور اس سے رجوع کرے۔ اور یہ بطریق احتیاط کے کہا جائے گا۔ اور جن الفاظ میں یہ بیان کیا گیا کہ وہ خطا ہیں اور موجبِ کفر نہیں ہیں، تو اس کے کہنے والے کو تجدیدِ نکاح اور اس سے پھر جانے حکم نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ کہا جائے گا کہ پھر ایسا نہ کہے کیونکہ گناہگار ہو گا۔ یہ محیط میں ہے۔ [۲]

آخری وصیت

مولانا عبدالحق حقانیؒ دہلوی عقائد الاسلام کے آخر میں ایک وصیت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ایمان سے زیادہ کوئی نعمت نہیں۔ کیونکہ گناہگار بھی ایمان کی بدولت جہنم سے نجات پائے گا اور آخر کار جنت میں جائے گا۔ پس اس کی محافظت ہر وقت واجب ہے۔ اور

---

[۱] عقائد الاسلام: ص۳۹۳

[۲] فتاوی عالمگیری: ص۶۱۳

اس کی زینت کے واسطے گناہوں سے بچنا، عبادت میں مصروف رہنا مناسب ہے۔ اس عالمِ جہاں کی ہر چیز فانی ہے، وہ عالم جاودانی ہے۔ پس کوئی عاقل یہاں کی کسی چیز سے دل نہ لگائے، بلکہ عالمِ قدس کا مشتاق ہوکر مبدأِ فیض واجب الوجود اصلِ ہر موجود باری تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ ؎

دل آرامے کہ داری دل در بند دگر چشم ازہمہ عالم فرو بند

اے انسان! آسودگیٔ جسمانی کو چھوڑ کر عالمِ قدس کی طرف منہ موڑ۔ رشتۂ علائق کو موت سے پہلے توڑ۔ ؎

زد سحر طائر قدسم از سر صدرہ سفیر کہ درین دام گہہ حادثہ آرام مگیر
قدسیاں بہر تو آراستہ عشر تکدۂ انس تو دریں غمکدہ چون غمزدہ گان ماندہ اسیر

دنیا بھر میں کوئی دوبارہ نہیں آئے گا۔ جو کچھ کرنا ہے آج کرلو۔ کل خدا جانے کیا ہے۔ پس اگر کسی کو کہیں شبہ ہو جائے، تو فوراً کسی عالمِ ربانی سے حل فرمائے۔

اور اگر کوئی نہ ملے، تو یوں سمجھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کوئی دانا تر نہیں ہے۔ جو کچھ انہوں نے فرمایا سب حق ہے۔ یہ میرے فہم کا قصور ہے کیونکہ ہزارہا امورِ دنیویہ کی ادراک سے فہم قاصر ہے۔

الٰہی! تو نے جس طرح بن مانگے اپنی رحمتِ کاملہ سے ہم کو ایمان عطا فرمایا ہے، اسی طرح اس کو ہر آفت سے بھی بچا۔ اور ہم کو جنت الفردوس عطا فرما۔ اور دنیا و آخرت میں کوئی تکلیف نہ دکھلا۔ آمین۔

بارہواں باب

حضرت اقدس سیدی ومطاعی مولانا محمد زکریا صاحب

مدفیوضہم العالیۃ

اور

اتباع سنت

علومِ نبویہ پر جانفشانی

حضرت والاؒ نے اپنے بچپن سے لے کر پیرانہ سالی تک کی ساری زندگی علومِ نبویہ کے تعلم وتعلیم، تدریس وتصنیف میں گذاردی۔

حضرت والاؒ کی علومِ نبویہ پر محنت وجانفشانی کا صحیح اندازہ تو اُن ہی حضرات کو ہوسکتا ہے جن کو حضرت والاؒ کی تصنیفات کے مطالعہ کا شرف نصیب ہوا ہے۔ اردو زبان میں حضرتؒ نے جو تصانیف تحریر فرمائی ہیں ان میں ایک ایک موضوع کی سینکڑوں احادیث حضرت والاؒ نے ایسے میٹھے درد بھرے انداز میں ترجمہ کے ساتھ جمع فرمادی ہیں کہ اس کی بنا پر ان کتابوں میں وہ تاثیر ہے کہ ان سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو ایمان ویقین اور اللہ ورسول ﷺ سے محبت واطاعت کی دولت نصیب ہوئی اور بارہا ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد بھی سیرابی نہیں ہوتی۔ اپنی اس مقناطیسی کشش اور غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے فضائل کی ان کتابوں کی طباعت کروڑوں نسخوں سے بھی متجاوز ہوچکی ہوگی۔ کیونکہ شاید ہی کوئی مکتبہ اور مطبع ایسا ہو جس نے خود یہ کتابیں نہ چھپوائی ہوں۔

اس کے علاوہ عربی زبان میں حضرتؒ نے جو بلند پایہ شروحِ کتبِ حدیث تصنیف فرمائی ہیں، ماضی قریب ہی میں نہیں بلکہ متقدمین مصنفین کی کتابوں میں بھی اس کی نظیر کم ملتی ہے۔

حضرتؒ کا اسلوبِ بیان اور اندازِ تحریر ایسا نرالا اور انوکھا ہے کہ حضرتؒ کی ہر کتاب اپنی

جگہ متن کا درجہ رکھتی ہے جس کی کئی کئی شروح لکھی جاسکتی ہیں۔ آئندہ حدیث کے اس فن میں کوئی قلم اٹھانے والا ایسا نہیں ہوگا جو حضرت کی ان کتابوں سے مستغنی ہو۔ نیز تدریسِ حدیث کے مسئلہ کو ان کتابوں نے آسان بنادیا۔

حضرتؒ کی ساری کتب پر تبصرہ تو ان چند اوراق پر محال ہے۔ حضرتؒ والا کی صرف ایک کتاب مؤطا امام مالکؒ کی شرح اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک جمعِ مذاہب پر بے مثال کتاب ہے، جس نے اپنے موضوع کی بہت سی کتابوں سے علماء کو مستغنی کردیا۔ ائمۂ کرامؒ کے مذاہب جتنے آپ کو اس کتاب میں یکجا اور مرتّب و منقّح ملیں گے، نہ متقدمین کی کسی کتاب میں ملیں گے نہ متأخرین کی۔

خود مالکی مذہب کے بعض مشاہیر علماءِ کرام کا بیان ہے کہ مالکی مذہب کے بعضے اقوال جو ہمیں معلوم نہ تھے اس کتاب سے معلوم ہوئے۔ اگر مصنفؒ نے اس کے مقدمہ میں اپنے آپ کو حنفی نہ لکھا ہوتا تو کسی کے ہزار کہنے پر بھی ہم ہرگز تسلیم نہ کرتے کہ اس کے منصف حنفی ہیں۔

حضرت والاؒ کا طریقۂ استدلال ایسا بے مثال اور ٹھوس ہے کہ مؤطا امام مالک مالکی مذہب کی مستدل اور خود صاحبِ مذہب حضرت امام مالکؒ کی کتاب تھی، مگر حضرتؒ نے اس کی ایسی شرح فرمائی کہ اس کو احناف کا مستدل بنادیا۔ جیسا کہ ایک مالکی کا بیان ہے کہ

هٰـذَا الْـمُـصَـنِّفُ حَنَّفَ الْـمُـؤَطَّـأَ اس مصنف نے مؤطا کو حنفی بنادیا۔

اس کے علاوہ حضرت والاؒ نے کتبِ حدیث پر جو محنت و جانفشانی فرمائی ہے، اس کی مثال نہیں۔ جہاں کہیں جس موضوع پر یا جس مسئلہ پر حضرتؒ کا قلم اُٹھا ہے تو حضرت والاؒ نے اس کی متعلقہ ساری جزئیات وکلیات ومستدلات ومستخرجات کو اس طرح چند سطور یا چند صفحات میں جمع فرمادیا ہے کہ ہر مضمون اپنے موضوع کی ایک مستقل کتاب ہے۔ ان چند سطور اور چند صفحات کی اگر کوئی شرح کرے تو سینکڑوں صفحات کی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔

علمِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فنِ رجال، فقہ، اصولِ فقہ واختلافِ فقہاء، علمِ عقائد وکلام، منطق، فلسفہ، ادب، تاریخ، غرض یہ کہ فنونِ اسلامیہ مروجہ میں سے کوئی فن باقی نہیں جس میں حضرتؒ کی کوئی کتاب نہ ہو۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آپ بیتی (۲)۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ حضرت والاؒ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور حضرت والاؒ کے علومِ ظاہری و باطنی سے امت کو زیادہ سے زیادہ مستفیض فرماوے اور ان تحریرات کو قیدِ تسویدات سے نکال کر کتابی شکل عطا فرماوے تاکہ امت مستفیض ہو۔

بے پایاں فیض

حضرتؒ کے فیض یافتہ گان کا تو شمار نہیں۔ البتہ حضرتؒ سے فیض یافتہ حضرات جو کہ افاضۂ خلق میں مشغول ہیں اُن کی تعداد سینکڑوں نہیں، ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اس صورت میں پھر فیض یافتگان کو کون شمار کرسکتا ہے؟ اللہ جلّ شانہٗ اس درِ اقدس کے فیض کو جو کئی پُشتوں سے برابر مسلسل جاری ہے، تا قیامِ قیامت جاری رکھے۔ اور اس امتِ مسلمہ کو زیادہ سے زیادہ اس خاندان سے مستفیض فرمائے۔ اٰمین۔

قبولیتِ عامہ کی اہم شرط

دراصل یہ نتیجہ ہے کہ اپنے آپ کو تعلق مع اللہ و تعلق مع الرسول ﷺ اور خدمتِ دین میں فنا کردینے کا۔ جو اس طرح اپنے آپ کو مٹاتا ہے، خدا اُسے حیاتِ جاودانی عطا فرماتا ہے۔ اور اس کے فیض کو اور اس کے نام کو قبولیتِ دو جہاں کا شرف بخشتا ہے۔

تعلق مع اللہ اور حبِّ رسول ﷺ کے باوجود اگر خدمتِ دین میں فنا ہونے کا، جذب کا تعلق نہ ہو، تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کا نفع پھر متعدی نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ نفعِ عام جب ہوتا ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کا فکر ہو اور اس کے لیے کوشاں بھی ہو۔

لیکن حبِّ الٰہی وحبِّ رسول ﷺ کے ساتھ کسی اور چیز کو گوارا کر لینا اور برداشت کر لینا آسان کام نہیں۔ اس لئے کہ:

مَا جَعَلَ اللّٰـهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ؎۱ اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے۔

لیکن جب خدا کسی کے ذریعہ مخلوق کی فیض رسانی مقدر فرما دیتا ہے تو پھر اس ایک قلب میں اتنی وسعت اور اتنا تحمل پیدا فرما دیتا ہے کہ ہزاروں قلوب مل کر بھی اس بار کو نہیں اٹھا سکتے جتنا وہ ایک دل اٹھا لیتا ہے۔ عشقِ الٰہی وعشقِ نبوی ﷺ کے قلب میں آتش فشاں پہاڑ کے باوجود یہ وسعتِ قلبی اور تحمل خدا نے ہمارے حضرتؒ کو اس درجہ عطا فرمایا ہے کہ بایدوشاید کبھی زبانِ مبارک سے جو شیلے الفاظ میں یا کسی بھی طریقے سے سوائے اشک باری کے اس سوزِ دروں اور دل کے درد کا اظہار نہیں ہوتا۔

آتشِ عشق

ایک مرتبہ حضرت اقدس رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کی خدمتِ اقدس میں ایک صاحب تشریف لائے اور عرض کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ بڑی زبردست ایک آگ جل رہی ہے اور حضرت شیخ مدظلہٗ اس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کی دائیں زانو پر سونے کی دو اینٹیں رکھی ہوئی ہیں۔ اور اسی طرح بائیں زانو پر دو اینٹیں رکھی ہوئی ہیں۔ اور اسی طرح دائیں بازو پر دو اور بائیں بازو پر دو اینٹیں رکھی ہوئی ہیں۔ اور حضرت شیخ مدظلہٗ چار زانو بالکل اطمینان سے اس آگ میں تشریف فرما ہیں، ذرا حرکت نہیں۔

سنا ہے کہ اس پر حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا تھا کہ یہ آگ تو عشق کی آگ ہے اور یہ سونے کی اینٹیں یہ نسبتیں ہیں جو حضرت کی طرف منتقل ہوئی ہیں اور اس میں اطمینان کے ساتھ بیٹھنا حضرتؒ کا کمالِ ضبط وتحمل ہے۔

؎۱ سورۃ الأحزاب: ۴

ہم جیسے نااہل اس کے راہ ورسم سے نابلد لوگ اس کی حقیقت تو کیا، الفاظ میں اس کا ذرا سا اندازہ بھی پیش نہیں کرسکتے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

آغازِ محبت ہے آنا ہے نہ جانا ہے		اشکوں کی حکومت ہے آہوں کا زمانہ ہے
یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجئے		اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اس میں بُعد اور ہجر تو ہلاکتِ جان ہے ہی، لیکن جتنا جتنا قرب اور وصل نصیب ہوتا ہے، اس سے بھی تسکین کے بجائے روح تڑپتی ہے۔ اور بقولِ کسے ؎

من شمعِ جانگدازم و تو صبحِ دل کشائی		سوزم گرت نہ بینم، میرم چوں رخ نمائی
نزدیک ایں چنینم، دور آں چنانکہ گفتم		نے تابِ وصل دارم نے طاقت جدائی [1]

اتباعِ سنت کا اہتمام

اس سے زیادہ ہمارے لئے اس موضوع پر لب کشائی کی مجال نہیں ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ حضرت والاؒ کی ذاتِ گرامی کو بایں فیوض و برکات تادیر زندہ سلامت رکھے۔ جیسا کہ ہم نے اسی کتاب میں اور بزرگانِ دین کے اہتمامِ سنت کے واقعات ذکر کئے ہیں، اسی طرح حضرت والاؒ کے یہاں بھی سنت کا اہتمام کس درجہ کا ہے اس کے متعلق چند واقعات اس جگہ ذکر کئے جاتے ہیں۔

جیسا کہ کسی زمانہ میں نقشبندیہ سلسلہ کے مشائخ اتباعِ سنت میں مثال تھے اور گویا اُس زمانہ میں اتباعِ سنت کو اور سلسلوں کی بہ نسبت سلسلۂ نقشبندیہ میں منحصر سمجھ لیا گیا تھا، ٹھیک اسی طرح بحمد اللہ ہمارے مشائخِ چشتیہ بھی اتباعِ سنت میں مثال ہیں۔

زندگی کے ہر شعبہ میں اور زندگی کے ہر لمحہ اور ہر سانس میں ان حضرات کا مطمحِ نظر، اسوۂ حسنہ

---

[1] ترجمہ: ’’میں ایک جاں گداز شمع ہوں اور تو دلکش صبح۔ میں جب تک تجھے نہ دیکھ لوں، جلتی رہتی ہوں اور جیسے ہی تیرا جلوہ ظاہر ہوتا ہے، میری موت ہوجاتی ہے۔ میں تجھ سے اتنی قریب بھی ہوں اور اتنا ہی دور بھی، کہ نہ تو مجھے تابِ وصل ہے اور نہ ہی جدائی کی طاقت۔‘‘

اور جناب رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی رہتی تھی اور رہتی ہے۔ اسی نسبت سے ہمارے حضرتؒ کی پوری مبارک زندگی اس اتباعِ سنت میں گذری جس کا صحیح اندازہ حضرت والاؒ کی تصنیفات، خاص کر حضرتؒ کی تحریر کردہ آپ بیتی کے پڑھنے سے ہوسکتا ہے۔ تبرّک کے طور پر چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

زلفوں و عمامہ میں اتباعِ سنت کا اہتمام

سر کی سنتوں کے متعلق حضرتؒ فرماتے تھے کہ سر کی سنتوں میں عمامہ اور بال ہیں۔ [۱] مگر والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ڈر سے کبھی پٹے نہیں رکھے کہ والد صاحب کی طرف سے اجازت نہیں تھی اور عمامہ کبھی نہیں چھوٹا۔ مگر بیماریوں نے جہاں بہت کچھ چھڑا دیا، وہاں سر کی گرمی کی وجہ سے عمامہ بھی چھوٹ گیا۔ بلکہ سر پر ململ کی ٹوپی سے بھی پسینہ آتا ہے۔

ابتداء بالیمین کی سنّت کا اہتمام [۲]

ایک دفعہ جمعہ کے دن غسل شروع کراتے ہوئے ایک خادم نے دائیں مونڈھے پر پہلے پانی ڈالنے کے بجائے بائیں مونڈھے پر پہلے پانی ڈال دیا۔ تو حضرتؒ نے فوراً اُسے ٹوکا اور فرمایا کہ تجھے سنت کا اتنا بھی پتہ نہیں کہ دائیں طرف سے شروع کرنا چاہئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک خادم نے پائجامہ پہناتے ہوئے غلطی سے بایاں پاؤں داخل

---

[۱] شمائل ترمذی: ۲۴ و ۲۵ (باب ما جاء فی شعر رسول الله ﷺ)، ۱۱۴ تا ۱۱۷ (باب ما جاء فی عمامة رسول الله ﷺ)

[۲] آپ ﷺ کے ابتداء بالیمین کے اہتمام اور پسندیدگی کو شیخین سمیت کئی محدثین نے نقل کیا ہے۔ بخاری: ۴۰۸، ۴۹۶۱، ۵۴۰۶ وغیرہ / مسلم: ۳۹۶ وغیرہ۔

کرنا چاہا، تو حضرتؒ نے فوراً پاؤں جھٹک کر ارشاد فرمایا کہ میرے یار! تجھے مولوی ہو کے بھی پتہ نہیں کہ داہنا پاؤں پہلے ڈالنا چاہئے۔

اس نوع کا واقعہ کئی دفعہ پیش آیا۔ چاہے حضرتؒ کسی سے بات چیت میں یا ڈاک سننے یا لکھوانے یا کسی بھی ضروری سے ضروری کام میں مشغول کیوں نہ ہوں، مگر پائجامہ موزہ وغیرہ بائیں پاؤں میں پہناتے ہوئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرتؒ نے فوراً ٹوکا نہ ہو۔ گویا یہ ممکن ہی نہیں کہ بھول کر بھی بایاں پاؤں پہلے داخل ہو سکے۔

دخولِ مسجد کی سنتوں کا اہتمام

اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے وقت کبھی بھول کر غلطی سے بھی بایاں پاؤں مسجد میں پہلے نہیں پڑا۔ حالانکہ مدرسہ قدیم کی مسجد میں مسجد کی حد جہاں سے شروع ہوتی ہے وہ سیدھی اینٹوں کی ایک لکیر سی ہے کہ بینا آدمی بھی بہ تکلف دیکھنے کے بعد مسجد کی حد کی تمیز کر سکتا ہے۔ مگر حضرتؒ کی بینائی کی کمزوری، بلکہ برائے نام بینائی کے باوجود بھی کبھی اس سے خطا نہیں ہوتی۔ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے دایاں قدم ہی مسجد میں پڑتا ہے۔ اور ساتھ ہی حضرت کی زبان سے نکلتا ہے بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ[۱]۔ اور ساتھ ہی حضرتؒ مسجد میں داخل ہوتے ہی اعتکاف کی نیت بھی فرما لیتے ہیں۔

خدام کی تاکید کے لیے کئی دفعہ فرمایا بھی کہ تم لوگ بھی اعتکاف کی نیت کا بہت اہتمام کرو۔ آج سے کئی سال پہلے یہاں بھی اور مدرسہ کی مسجد میں بھی تختیاں آویزاں تھیں جن پر دخولِ مسجد کی دعا کے ساتھ اعتکاف کی نیت کے الفاظ بھی عربی میں لکھے ہوئے تھے۔

---

[۱] دخولِ مسجد پر درود شریف پڑھنے کی احادیث کو ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، ابن خزیمہ، امام احمد، امام بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ ابوداؤد: ۳۹۳ / سنن النسائی: ۹۹۱۸ / ابن ماجہ: ۷۶۴

جمعہ کی سنتوں کا اہتمام

یومِ جمعہ کی سنتوں کا بھی حضرتؒ کے یہاں بہت اہتمام ہے۔ کپڑوں کے علاوہ ذاتی یا گھریلو کسی بھی نئی چیز کے استعمال کی ابتداء تو جمعہ کے دن سے ہوتی ہی ہے، لیکن گرمی اور سردی کے کپڑوں کی تبدیلی، برف والے اور سادہ پانی کا استعمال، بھاری اور ہلکے لحاف اور کمبل اور چادر کی سردی گرمی کے ابتداء میں تبدیلی، غرض ہر چیز میں حضرتؒ کے یہاں اس کا اہتمام رہتا ہے کہ جمعہ ہی کے دن ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو شروع کیا جائے۔

جمعہ کے غسل کا حضرتؒ کے یہاں اس قدر اہتمام ہے کہ باوجود اس شدید ضعف و پیری اور سہارنپور کی سخت سردی کے کبھی ناغہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ غسل کراتے وقت پانچ چھ خدام کا ہونا ضروری ہے، لیکن اللہ جلّ شانہٗ نے وہ جان نثار ہر وقت حاضر باش حضرتؒ پر فدا خدام عطا فرمائے ہیں کہ جو حضرتؒ کی راحت کو اپنی راحت سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو مزید توفیق عطا فرمائے۔

اسی طرح جمعہ کے دن غسل کے بعد عطر لگانے کا مستقل معمول ہے۔ [۱] اور حضرتؒ کو عطر بہت پسند ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہر وضو کے بعد اور حرم شریف تشریف لے جاتے وقت ہر حاضری پر بہت اہتمام سے حضرتؒ عطر استعمال فرماتے۔

ایک دفعہ جمعہ کے دن غسل فرما کر حضرتؒ جمعہ کے لیے تشریف لے جانے لگے۔ ایک نیا کرتہ زیب تن فرمایا تھا۔ تو حجرۂ شریفہ سے باہر حضرتؒ جب گاڑی پر تشریف لائے تو حضرتؒ کی نگاہ کرتہ پر پڑی جو نصف ساق سے کچھ لمبا تھا۔ [۲] فوراً خدّام سے پوچھا۔ سب نے تصدیق کی۔ تو فوراً وہیں کھڑے کھڑے دوسرا مطابقِ سنت کرتہ منگوا کر پہنا۔ اور اس کرتے کو جو نصف ساق سے نیچا تھا، فوراً کٹوانے کے لیے بھیج دیا۔

---

۱ صحیح البخاری: ۸۳۴ / مسند أحمد: ۱۸۴۸۸ / مصنف ابن أبی شیبۃ: ۵۵۸۴

۲ الشمائل للترمذی: ۱۲۰ / سنن النسائی: ۹۶۸۲ / مسند أحمد: ۲۳۱۳۶

یہی وجہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ:

فَقِیْہٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلٰی الشَّیْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ [۱]	اکیلا ایک فقیہ ہزار عابد سے بھی زیادہ شیطان پر بھاری ہوتا ہے۔

اس وجہ سے کہ ان حضرات کی اپنے اوپر بڑی سخت نگرانی رہتی ہے کہ کوئی حرکت بھی خلافِ سنت وشریعت صادر نہ ہو۔ یہ نگرانی اپنے اوپر اور اپنے ماتحتوں پر بھی ان کی بڑی سخت رہتی ہے۔

اسی طرح جمعہ کو دوپہر کا کھانا جمعہ کی نماز کے بعد مسنون ہے۔ [۲] تو حضرتؒ کا ہمیشہ سے مہمانوں سمیت جمعہ کے بعد ہی کھانا کھانے کا معمول ہے۔

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ السجدۃ اور سورۃ الدھر پڑھنا مسنون ہے۔ [۳] حضرتؒ کے یہاں مسجد میں اکثر جمعہ کو تو یہ قرأتِ مسنونہ پڑھی ہی جاتی ہے، مگر جب کبھی مجمع زیادہ ہوتا ہے تو حضرت امام سے فرما دیتے ہیں کہ آج سورۃ السجدۃ اور سورۃ الدھر پڑھ دیجیو۔ میں نے اس واسطے کہہ دیا کہ آج تُو کہیں چھوڑ دے اس لیے کہ آج مجمع زیادہ ہے۔ اور یہ سنت آج کل عام طور پر بالکل متروک ہے، تو شاید مجمع میں سے کسی کو اس کا احساس اور اہتمام پیدا ہو جائے۔

مغرب کے بعد کی نفلیں

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ مغرب کے بعد سنتیں اتنی طویل فرماتے تھے کہ سارے نمازی چلے جاتے تھے۔ [۴] اسی طرح یہی معمول حضرتؒ کا بھی ہے کہ یہ سنتیں

---

[۱] سنن الترمذی: ۲۶۸۱ / سنن ابن ماجہ: ۲۲۲ / البخاری فی التاریخ: ۱۰۴۶

[۲] متفق علیہ۔ بخاری: ۸۸۷ / مسلم: ۱۴۲۲

[۳] متفق علیہ۔ بخاری: ۸۴۲ / مسلم: ۱۴۵۴

[۴] سنن ابوداؤد: ۱۱۰۷ / السنن الکبری للبیہقی: ۲۸۶۳ / المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲۳۲۳

طویل ادا فرماتے ہیں۔

حضرتؒ کے یہاں مہمانوں کے ہجوم میں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ حضرتؒ کے انتظار میں سارے مہمان یا غیر مہمان مسجد میں بیٹھے رہتے ہیں۔

حضرتؒ کا یہ سنتوں کا اہتمام سفر میں، حضر میں، ہر حالت میں دیکھا گیا ہے۔ سفر کی وجہ سے بھی اس میں کوئی کمی نہیں آتی حتی کہ سفرِ حجاز اور سفرِ حج میں تو یہ اہتمام اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ بلکہ اس مبارک سفر میں بعض ایسی سنتیں کہ جن پر اکثر علماءِ کرام بلکہ مشائخ کی بھی نگاہ نہیں پہنچتی ہوگی، حضرتؒ کے یہاں ان کا بھی اتنا اہتمام ہے جتنا اور سنتوں کا۔

وقوفِ عرفہ کی ایک سنت

حضور اقدس ﷺ نے وقوفِ عرفہ میں دودھ نوش فرمایا تھا۔[1] تو ہمیشہ جس اہتمام سے لوگ پانی اپنے ساتھ رکھتے ہیں، تو حضرت اس سال بھر کی یا عمر بھر کی ایک سنت پر عمل کرنے کے لیے بہت اہتمام سے ایک تھرماس میں یا کسی برتن میں دودھ رکھوا لیتے ہیں، تاکہ حضور اقدس ﷺ نے عمر بھر میں ایک مرتبہ جس چیز پر عمل کیا ہے وہ بھی نہ چھوٹنے پائے۔

تو ایک ایسے عمل کو جسے سرورِ عالم ﷺ نے عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ ادا فرمایا ہے، آپ ﷺ کے عشاق کی اس عمل پر بھی نگاہ ہے کہ وہ بھی ہم سے کسی بھی سفرِ حج میں چھوٹنے نہ پائے۔

رمضان المبارک کے عمرے

اسی طرح رمضان میں عمرہ مسنون ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ عُمْرَةً فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج

[1] متفق علیہ۔ صحیح البخاری: ۱۸۵۳ / صحیح مسلم: ۱۸۹۶

مَّعِیُ [1] کرنے کے برابر ہے۔

تو اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے اور اس سنت کو ادا کرنے کے لیے حضرتؒ کو جب بھی رمضان المبارک میں مکہ مکرمہ کا قیام نصیب ہوا، تو روزانہ ایک ایک عمرہ ادا فرماتے رہے۔ نوجوانی کے زمانہ میں تو حضرت فرماتے ہیں کہ تراویح کے بعد کپڑے اُتار کر احرام کی چادریں لپیٹ کر دوڑتے ہوئے ہم لوگ تنعیم جاتے تھے اور دوڑتے ہوئے واپس آتے تھے۔ اور طواف سعی وغیرہ سے فارغ ہو کر سحری کھا کر سویا کرتے تھے۔ پورے رمضان روزانہ کا یہی معمول تھا۔

تیسرے سال جتنے دن مکہ مکرمہ میں قیام رہا، روزانہ تراویح کے بعد جب مہمان کھانے سے فارغ ہو جاتے، حضرتؒ احرام کی چادریں پہن کر ملک صاحب کی گاڑی میں تنعیم تشریف لے جاتے۔ حضرتؒ کے ساتھ تیس چالیس آدمی عموماً ہو جاتے اور دو تین گاڑیاں ہوتی تھیں۔

یکم رمضان کو جب عمرہ کے لئے حضرتؒ تنعیم تشریف لے گئے، مسجدِ عائشہؓ جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے، اس کے باہر اس مسجد کے پشت کی جانب میدان میں حضرتؒ پہنچے۔ ریت پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ یہاں اس جگہ حضرت عائشہؓ کا اونٹ بیٹھا تھا اور بغیر مصلےٰ بچھائے ریت پر حضرتؒ نے نفلوں کی نیت باندھ لی۔

پھر اسی طرح دوسرے دن بھی حضرتؒ نفلوں کے لیے میدان میں اس جگہ تشریف لے گئے اور بغیر جانماز بچھائے نفلوں کی نیت باندھنے لگے تو ایک صاحب نے کسی سے اپنے لئے جانماز مانگ لی۔ اس کی آواز حضرتؒ کے کانوں میں پہنچ گئی تو حضرتؒ نے غصّہ کے لہجے میں ارشاد فرمایا: ''کس کو کپڑا چاہئے؟'' پھر غصہ کے ساتھ فرمایا: ''اٹھاؤ مجھے۔ مسجد میں چل کر نفلیں پڑھیں گے۔'' اس کے بعد پھر حضرتؒ روزانہ احرام کی نفلیں مسجد ہی میں ادا فرماتے رہے۔ پھر میدان میں زمین پر نفلیں پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔

---

[1] المستدرک للحاکم: ۱۷۷۹ / سنن اَبی داوٗد: ۱۹۹۲

یہ ہے حضور اقدس ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے اقوال وافعال کا کامل اتباع۔ اللہ جلّ شانہٗ اس کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ اٰمین۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضری سے پہلے صدقہ

پچھلے سال سفرحج کے موقع پر حضرتؒ ابھی مکہ مکرمہ میں تھے اور کچھ ساتھی مدینہ منورہ جارہے تھے اور حضرتؒ کی تشریف بری چندروز کے بعد تھی، تو حضرتؒ نے ان کو کچھ رقم دے کرارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ پہنچ کراس کو غرباء میں تقسیم کردینا۔ اس کے بعد خدام کی طرف مخاطب ہوکران کی تعلیم کے لئے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہے یہ رقم کیوں دی؟ اس لئے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَیْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ [1]

جب تم رسول سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے (اور گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے۔

اس لیے میرا ہمیشہ سے یہ معمول ہے کہ حاضری سے پہلے خاص مدینہ منورہ ہی کے مساکین کے لیے کچھ بھیج دیتا ہوں۔ تم لوگ بھی اس کا بہت اہتمام رکھنا کہ یہ قلب کی صفائی میں بہت مؤثر ہے۔ نمونہ کے طور پر دو تین چیزیں ہم نے اس مبارک سفر کی ذکر کی ہیں۔

اگر صرف حضرتؒ ہی کے اتباعِ سنت کو کچھ تفصیل سے لکھا جائے تو سینکڑوں صفحات اس کے لئے ناکافی رہیں گے۔ اس لئے مختصر یہ جیسا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ زندگی کا کوئی لمحہ خلافِ سنت گزر نہیں سکتا اور کوئی حرکت خلافِ سنت صادر ہو ہی نہیں سکتی۔

؎ سفینہ چاہیے اک بحرِ بیکراں کے لیے

[1] سورۃ المجادلۃ: ۱۲

جو کی روٹی اتباع سنت میں کھانا

بابِ عبادات کے علاوہ کھانے پینے میں بھی کوئی ایک سنت چھوٹ نہیں سکتی۔ چنانچہ تیسرے سال حضرت نے جَو پسوا کر روزانہ دوپہر کو جَو کی روٹی کھانا شروع کی۔ [۱] بلاناغہ کئی ماہ تک یہ مسلسل چلتا رہا کہ بڑے عشق کے ساتھ اور مزے لے کر حضرتؒ وہی جوَ کی روٹی ہی اتباعِ سنت کی نیت سے کھاتے رہے۔

عشق ہر چیز کو آسان بنا دیتا ہے۔ عشق کے بغیر زندگی کو اسوۂ حسنہ پر ڈھالنا تو در کنار، فرائض کی ادائیگی بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ یہی وہ عشق ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے مدینہ پاک سے مہندی بھیجی۔ تو حضرتؒ نے مجلس میں ارشاد فرمایا کہ اس کے کھانے کی کوئی صورت بتاؤ کہ اس کے کھانے کی کیا صورت ہو۔

عید الاضحیٰ کے خطبہ سے قبل کی سنت

عید الضحیٰ کے دن مسنون یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے کچھ نہ کھائے۔ نماز کے بعد قربانی کا گوشت کھائے۔ [۲] تو حضرتؒ کی ویسے بھی عادت ناشتہ کی بالکل نہیں۔ صبح کو صرف چائے نوش فرماتے ہیں۔

حضرتؒ کی تحقیق یہ تھی کہ کھانا کھانے کی ممانعت ہے اور چائے اور پان کھانے میں داخل نہیں۔ تو حضرتؒ چائے اور پان خطبہ سے قبل نوش فرماتے تھے۔ اور کسی چیز کے کھانے سے احتراز فرماتے تھے۔

مگر ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مرحوم مفتیٔ اعظم مظاہر علوم نے فرمایا کہ چائے اور پان بھی اس میں داخل ہے۔ مگر اب تک باوجود حضرتؒ کی رائے اور تحقیق اس کے

---

[۱] الشمائل للترمذی: ۱۴۵

[۲] سنن الترمذی: ۴۹۷ / سنن ابن ماجہ: ۱۷۴۶

خلاف ہونے کے بھی اس دن سے پان اور چائے بھی چھوڑ دی۔ حالانکہ اب تک حضرتؒ کی رائے یہی ہے کہ چائے اور پان کھانے میں داخل نہیں، مگر پھر بھی اس کو ترک اس لئے کر دیا ہے کہ دونوں قولوں پر عمل ہو جائے اور اس طرح سنت کے چھوٹنے کا شبہ نہ رہے۔ ؎

نکاح کی سنتوں کا اہتمام

تقریبات اور شادیوں میں اتباعِ سنت کے باب کو حضرتؒ نے خود آپ بیتی (۳) میں تحریر فرمایا۔

؎ یہ واقعہ اصل کتاب میں ایسے ہی درج تھا جیسا یہاں ہے۔ البتہ جب کتاب طبع ہو کر حضرت شیخ کے یہاں پہنچی، تو حضرت اقدسؒ نے اس قصہ پر حضرت مصنف مدظلہ کے نام اپنے چند خطوط میں تبصرہ فرمایا تھا، جن کے کچھ اقتباسات ذیل میں درج ہیں۔

''اس کے بعد صفحہ ۲۵۷ پر تم نے لکھا ہے کہ عید کے خطبے سے پہلے کچھ نہ کھاوے۔ خطبہ کا لفظ بے محل ہے۔ عید کی نماز ہونا چاہئے تھا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ عید کی نماز کے بعد خطبہ سے پہلے کچھ کھا لیا جاوے۔ اور اسی صفحہ پر نکیر قاری سعید مرحوم کی طرف منسوب کر دی، یہ بھی غلط ہے۔ قاری سعید مرحوم تو ہمیشہ میرے ساتھ چائے پیتے رہے۔

یہ نکیر ابتداءً مولانا ظہور الحق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہوئی تھی کہ وہ ہمیشہ دونوں نمازوں کو جاتے وقت میرے پاس آیا کرتے تھے۔ میرے یہاں چائے کا دور چل رہا تھا۔ انہوں نے نکیر کی۔ میں نے کہا کہ پاپا بسکٹ تو میرے یہاں بھی بند ہے کہ وہ کھانے میں داخل ہے۔ پینا تو اب تک ذہن میں نہیں تھا۔'' (محبت نامے: ج ۲ ص ۳۲۵، مکتوب نمبر ۱۰۲)

''مفتی سعید صاحبؒ تو خود ان لوگوں میں تھے جو ہمیشہ میرے ساتھ چائے پیتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ مسئلہ کھڑا ہوا اور اس میں اصل نکیر مولوی ظہور الحق صاحبؒ کی تھی کہ ان کا اصول بھی عیدین میں اپنے گھر سے دار الطلبہ جاتے وقت میرے گھر پر ٹھہر کر جاتے تھے۔ اصل نکیر انہوں نے کی تھی۔ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ چائے کے ساتھ پاپا وغیرہ تو کھانے میں داخل ہے۔ چائے اور پانی کھانے میں داخل نہیں۔

اس کے بعد میں نے ہندو پاک اور حجاز کے سارے مفتیوں سے مراجعت کی۔ بہت مختلف جوابات ملے۔ میں نے اس کے بعد سے چائے چھوڑ ہی دی۔'' (محبت نامے: ج ۲ ص ۳۵۳، مکتوب نمبر ۱۱۱)

اس میں ایک جگہ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے دو اپنی اور ہمشیرہ اور اپنی ہمشیرہ زادی اور بنات اور ولد اور اسباط کی تقریباً سولہ سترہ شادیاں کیں۔ اور ہر شادی میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وہ کرم فرمایا کہ کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ نکاح کیا یا دو رکعت نفل پڑھ لی۔ نکاح ایک عبادت تھی جس کو لوگوں نے مصیبت بنالیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ دو عبادتیں ایسی ہیں جو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو کر قیامت تک بلکہ جنت میں بھی باقی رہیں گی: ایک ایمان، دوسرا نکاح۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے۔ جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔

مگر ہم لوگوں نے اس بابرکت سنت کو بہت سی لغویات اس میں شامل کر کے اس کو ایک مصیبت عظمیٰ بنالیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں یہ سنت ہی کا درجہ رکھتا تھا۔ یہ لغویات جو ہم نے شامل کر لی ہیں، ان کا شائبہ بھی اس میں نہیں تھا۔

اس کے بعد حضرتؒ نے اپنے یہاں کی ساری تقریبات اور شادیوں کا ذکر بڑے ہی پرلطف، روح پرور انداز میں فرمایا ہے جو پڑھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ ہمیں بھی زندگی کے ہر مرحلہ میں اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے کہ ہمیں اس جگہ صرف حضرتؒ کے اتباعِ سنت کے چند واقعات لکھنے ہیں، نہ کہ حضرتؒ کی ساری عمر کے اس سلسلہ کے واقعات اور حالات۔

اگر کوئی لکھنے والا ہو تو حضرتؒ کی ساری زندگی (جو کہ مکمل اتباعِ سنت میں گذری ہے) کو مکمل سنت کے نقشہ میں پیش کر سکتا ہے۔ ہمیں تو صرف تبرک کے طور پر صرف چند واقعات لکھنے تھے۔

اتباعِ سنت کے متعلق حضرتؒ کی ایک وصیت

اب اخیر میں اتباعِ سنت کے متعلق حضرت والاؒ کی ایک وصیت پر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ آئندہ بھی میری یہی وصیت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی معاشرت کے پھیلانے میں جتنی کوشش تم سے ہو سکے، دریغ نہ کرو۔ اور اہلِ دنیا کے حقیر و ذلیل سمجھنے کی ذرا پرواہ نہ کرو۔[1]

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کی اس وصیّت کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] محبت نامے: مکتوب نمبر ۴۰، ص ۹۶، جلد دوم

خاتمہ
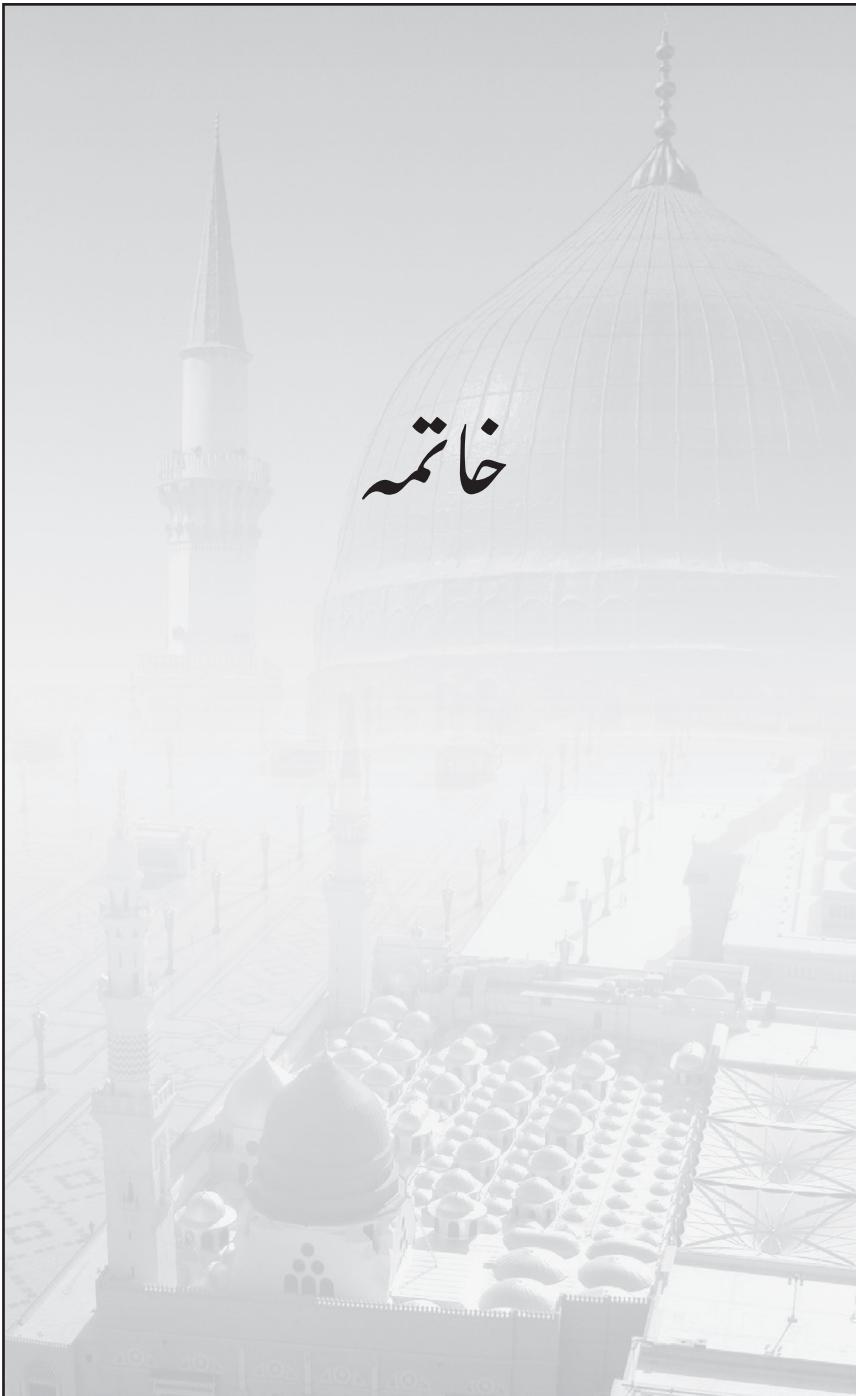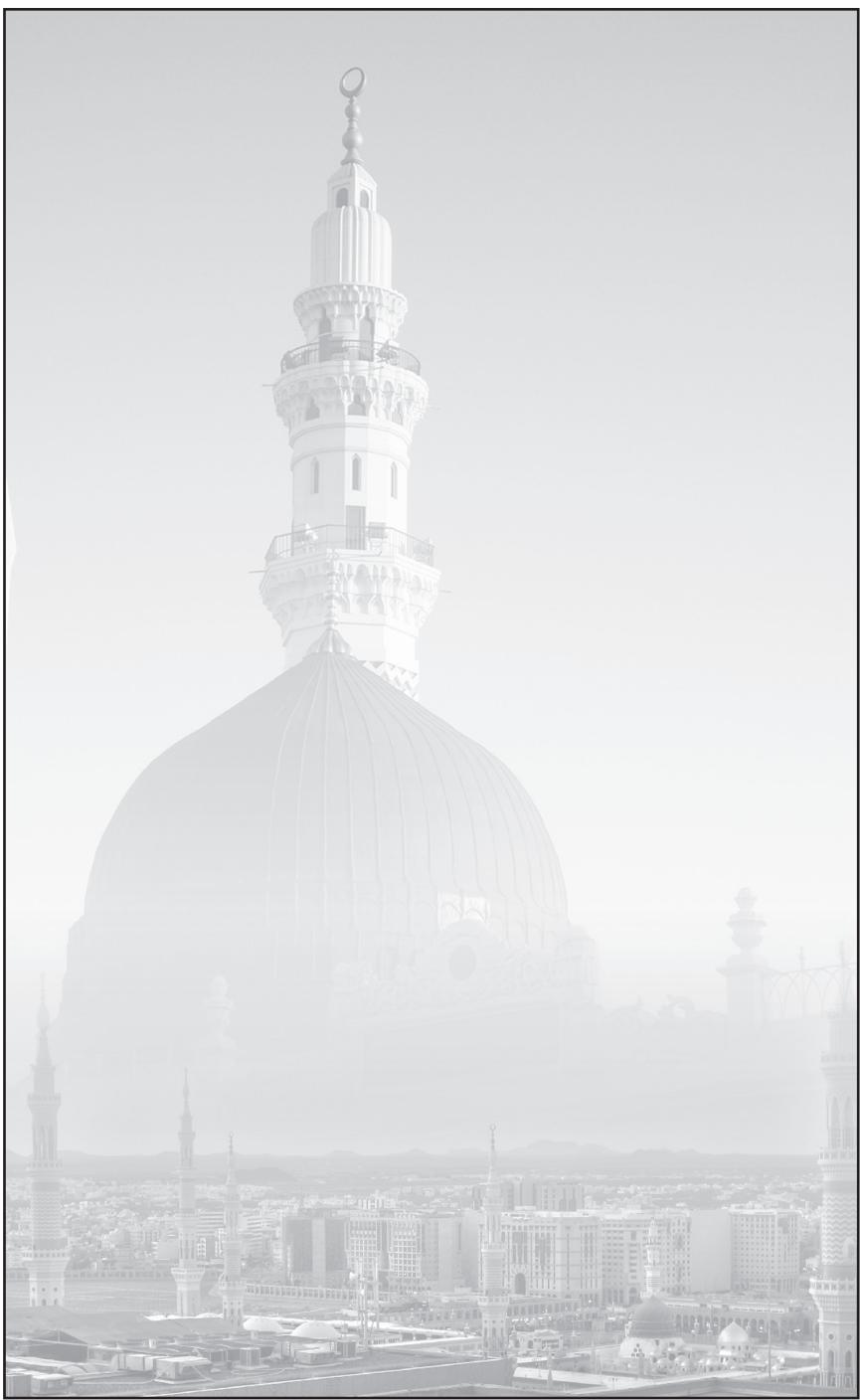
جیسا کہ مقدمہ میں لکھا جا چکا ہے کہ ماہِ مبارک میں آستانۂ خلیلیہ کی حاضری پر جمعہ کو اس کتاب کی ابتداء کی گئی تھی۔ اللہ جلّ شانہٗ کے محض فضل و کرم اور سیدی و مرشدی و مولائی حضرت اقدس مدظلہم العالی [1] کی دعاؤں اور توجہات کی برکت سے یہ چند صفحات لکھے گئے جس کی اس سیہ کار کی بے بضاعتی، کم مائیگی کی وجہ سے قطعاً امید نہ تھی۔ لیکن حضرت والاؒ کی کرامت ہی سے یہ چند صفحات ہو گئے۔

اللہ جلّ شانہ حضرت والاؒ کے مبارک سایہ کو بایں فیوض و برکات اس امت پر قائم رکھے۔

آج ۲۷/رجب، شب معراج میں یہ آخری سطور لکھ کر اس کو ختم کرتا ہوں۔ اور میرے ان محسن دوستوں کا بیحد مشکور ہوں جنہوں نے اس کفرستان میں اپنی یا اُن سے وابستہ اداروں کی کتابیں خصوصی مراعات سے اپنے قوانین میں گنجائش نکال کر طویل عرصہ کے لیے عاریۃً مرحمت فرمائیں۔

اللہ جلّ شانہٗ جس نے جس درجہ میں بھی احسان فرمایا ہے، دونوں جہاں میں اپنے شایانِ شان بہترین بدلہ نصیب فرمائے اور اس کتاب کی قبولیت اور سنتوں کی احیاء کا مجھے اور انہیں ذریعہ فرمادے اور ہم سب کو اور پوری امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے آقا و مولیٰ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ پر زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

---

[1] رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ

وَصَلَّی اللّٰہُ تبَارَکَ وَ تَعَالیٰ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا وَ شَفِیْعِنَا وَ حَبِیْبِنَا وَسَنَدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ صَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَالْحَوْضِ الْمَوْرُوْدِ وَالشَّفَاعَۃِ الْکُبْریٰ وَمَنْ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنیٰ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْمَلٰئِکَۃِ وَالْمَلٰئِکَۃِ الَّذِیْنَ لَنَا تَعَلُّقٌ بِھِمْ فِیْ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَعَلٰی الْأَرْضِ الَّتِیْ نُدْفَنُ فِیْھَا وَعَلٰی الْأَرْضِ الَّتِیْ عَصَیْنَاکَ عَلَیْھَا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَأَتْبَاعِہٖ کَمَا ھُوَ أَھْلُہٗ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضیٰ وَبِعَدَدِ مَا تُحِبُّ وَتَرْضیٰ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ

یوسف متالا

تاریخ: ۲۷ رجب، ۱۳۹۱ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قوم کے دردمندوں کی خدمت میں

ایک اہم اپیل [1]

مسلمانوں کی دنیا میں پیدائش ایک خاص مقصد کے تحت ہوئی ہے جس کو قرآنِ حکیم نے بیان کیا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا	اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

مسلمانوں کا فرضِ منصبی ہے کہ وہ بھٹکے ہوئے انسانی گلہ کی پاسبانی کریں اور انسانوں کو دینِ محکم اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کا فرض انجام دیں اور اسی روشنی و ہدایت کے ذریعہ جو اُن کو خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے، تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔ مسلمان اپنے اس خصوصی امتیاز کی بناء پر جس ملک میں گئے اور جہاں انہوں نے قدم رکھا، وہ اپنے ساتھ اپنا دین، اپنا قرآن اور اپنے علوم بھی لے گئے اور اُن عُلوم کی نشر واشاعت کی۔

یورپ کے مادی ماحول میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔ اور الحمد اللہ تبلیغی جماعتوں اور اکابر علماء کی آمد کی برکت سے یہاں دینی شعور پیدا ہو رہا ہے۔ اس لیے اس کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا مناسب انتظام ہو اور مکاتب قائم ہوں۔ بحمداللہ اس کا سلسلہ بھی روزافزوں ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی مدرسہ خلیلیہ رشیدیہ بھی ہے۔ اللہ کے فضل وکرم اور اکابر بالخصوص حضرت اقدس سیّدی ومولائی مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم

[1] یہ اپیل حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے بہت اہتمام سے لکھوائی تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس مولانا یوسف صاحب مدظلہ کے نام ایک مکتوب میں مولانا تقی الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''میں نے کتاب کے اخیر میں آپ کے مدرسہ کی ایک اپیل بھی لکھی ہے جس کو خصوصیت سے حضرت نے لکھوایا ہے۔'' (محبت نامے: مکتوب نمبر ۱۰۷، ج ۲، ص ۳۳۸)

مد فیوضہم کی خصوصی دعا وتوجہ کی برکت سے اس مدرسہ میں اس وقت تقریباً ساڑھے تین سو بچے تعلیم پارہے ہیں اور دس اساتذہ تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اب یہاں کے حالات وضرورت کے پیش نظر اردو، دینیات، حفظ وتجوید اور ناظرہ قرآن کے ساتھ عربی تعلیم کا آغاز کیا جارہا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ یہاں مکمل دورۂ حدیث تک کی تعلیم دی جاسکے۔

اسی سلسلہ میں مدرسہ کی چند ضروریات کا نظم کرنا ضروری ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) طلباء کے قیام کے لیے دارالاقامہ کی تعمیر (۲) غریب وغیر مستطیع طلباء کے لیے خورد ونوش کا انتظام (۳) عربی جماعتوں کے لئے چند مدرسین کا اضافہ (۴) ایک عمدہ لائبریری جس میں مختلف فنون بالخصوص تفسیر وحدیث وفقہ اور علوم دینیہ کی کتابوں کا ایک قابلِ قدر مجموعہ موجود ہو (۵) دارالافتاء۔ پورے انگلینڈ میں کوئی دارالافتاء نہیں ہے۔ اس کی شدت سے ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے۔ اس لئے اس کا نظم کرنا بھی مدرسہ کے پیش نظر ہے۔ یہ مدرسہ کے مقاصد اور اس کے پروگرام ہیں۔ اس سلسلے کی مزید تفصیل زبانی وخط وکتابت سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

اگر قوم کے دردمندوں نے اس مدرسہ کی ہر طرح حوصلہ افزائی وتعاون کیا تو انشاء اللہ مدرسہ کو اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیابی ہوگی، واللہ الموفق ۔

نہیں نومید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کردے وہ بجلی کی تھی نعرۂ لَا تَذَرْ میں

عزائم کو سینوں میں بیدار کردے

نگاہ مسلماں کو تلوار کردے

واٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِین

تقی الدین ندوی مظاہری،

مقیم آستانہ خلیلیہ، مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور

حضرت مصنف مدفیوضہم

کی

دیگر تصانیف بھی

از ہرا کیڈمی، لندن

سے حاصل کی جاسکتی ہیں

اضواء البیان فی ترجمۃ القرآن

جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

کرامات وکمالاتِ اولیاء

جمالِ محمدی کی جلوہ گاہیں: قلوبِ اولیاء اللہ

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء کرام

محبت نامے

بزرگوں کے وصال کے احوال

حضرت شیخؒ سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک

مشائخِ احمد آباد

الخطاب الفصيح للنبی المليح

Manifestations of Prophet Muhammad's Beauty